بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلے وار ناول

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

مستقل
سلسلے

☆☆☆

ماہنامہ حنا کے چیف ایڈیٹر سردار محمود چوہدری
5 رجب 1437ھ بمطابق 12 اپریل 2016ء کو
قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

قارئین سے التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں
کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا
فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(آمین)

ہے نرغۂ اعدا میں کہ تنہا بھی بہت ہے
دل کو تری رحمت پہ بھروسا بھی بہت ہے

ہے کسی غیر کی چاہت کا ٹھکانہ بھی دلوں میں
اور ان کو ترے عشق کا دعوا بھی بہت ہے

دے ان کو مگر کوئی بشارت ہی کا موسم
دکھ جن کے مقدر میں لکھا بھی بہت ہے

کیوں کر وہ سمجھ پائیں ترے حسن کو یارب
دل جن کے مقدر میں لکھا بھی بہت ہے

رک جائے قلم حرف ثنا پر مرا آ کر
ہر چند سخن کا یہ سلیقہ بھی بہت ہے

سمجھو نہ تو دریا و سمندر نہیں کافی
گر سمجھو تو مکڑی کا یہ جالا بھی بہت ہے

بخشش کہ یہ لائق نہیں تو پھر بھی کرم کر
نعمان اکیلا بھی ہے پیاسا بھی بہت ہے

نعمان فاروق

اٹھے نگاہ تو دیکھیں جدھر مدینے میں
بنا رکھے ہیں فرشتوں نے گھر مدینے میں

نبیؐ کے نور کی پاکیزگی ایسی طلب
کہ ہیں طواف میں شمس و قمر مدینے میں

ہوا میں پاک و متہرہ اثر رکھیں پیہم
ارم سے آئے ہوئے ہیں شجر مدینے میں

بیان کرتے ہیں تفسیر سورۂ رحمٰن
گل و شگوفہ و برگ و ثمر مدینے میں

وہاں سے منزل عرفان بلانے لگتی ہے
تمام ہوتا نہیں ہے سفر مدینے میں

ملے کچھ اس طرح دست طلب دراز نہ ہو
کہیں بھی ایسا نہیں ہے مگر مدینے میں

وہ چند روز سہی زندگی کا حاصل ہیں
جو ہو گئے ہیں تصور بسر مدینے میں

یعقوب تصور

سید اختر ناز

جس شخص کو اہمیت نہیں دی جاتی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا میں تجھے جنت کے بادشاہ نہ بتاؤں؟ (ہر) ضعیف آدمی، کمزور سمجھا جانے والا (لوگ اسے کمزور سمجھیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہ کریں) دو پرانے کپڑوں میں ملبوس، (لیکن اللہ کے ہاں اتنا بلند مقام ہے کہ) اگر اللہ کے نام سے قسم کھالے تو وہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔''

حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا میں تمہیں جنت والے نہ بتاؤں؟ ہر ضعیف آدمی، کمزور سمجھا جانے والا (جنتی ہے) کیا میں تمہیں جہنم والے نہ بتاؤں؟ ہر درشت خو، زر پرست، متکبر (جہنمی ہے)۔''

فوائد و مسائل:۔

''کمزور سمجھا جانے والا سے مراد شریف النفس آدمی ہے، جو کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی زیادتی کرے تو وہ معاف کر دیتا ہے، لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں، اس سے کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے اور نہ اس کے شر وغیرہ ہی کا کوئی خوف ہوتا ہے۔

انفرادی معاملات میں نرمی اور درگزر کا چلن عام ہو جائے تو معاشرہ امن کا گہوارہ بن جاتا ہے، فساد ہمیشہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب کوئی اپنی مالی، جسمانی یا خاندانی اور انفرادی طاقت پر گھمنڈ کر کے دوسروں پر ظلم کرتا ہے، اگر وہ کسی پر زیادتی نہ کرے، خواہ اسے کمزور سمجھا جائے تو یہ اعلا اخلاق کا نمونہ ہے جس کا ثواب جنت ہے۔

درشت خو سے مراد بات چیت کے انداز میں اور برتاؤ میں سختی اختیار کرنے والا ہے، اس قسم کے بد اخلاق آدمی سے ہر کسی کا جھگڑا ہوتا ہے جس سے فساد جنم لیتا اور بڑھتا ہے۔

جواظ کا مطلب الجموع المنوع بیان کیا گیا ہے، یعنی ایسا حریص آدمی جو مال جمع کرتا رہتا ہے لیکن بخیل بھی ہے خرچ نہیں کرتا، مومن میں حرص اور بخل کی عادتیں نہیں ہوتیں بلکہ یہ منافقوں کا کافروں میں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

تکبر سے مراد دوسرے کو حقیر سمجھنا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود تسلیم نہ کرنا ہے، یہ برتری کا غلط احساس بہت سی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کا باعث ہے۔

قابل رشک مومن

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل

رشک وہ مومن ہے جو ہلکا پھلکا (کم آمدنی والا) ہو، اسے نماز سے وافر حصہ ملا ہو (نفلی نماز اور تہجد زیادہ پڑھتا ہو) لوگوں میں گمنام ہو، اس کی پرواہ نہ کی جاتی ہو، اسے ضرورت کے مطابق رزق میسر ہو (اتنا زیادہ رزق نہ ہو کہ بچا کر رکھا جائے) وہ اس پر صبر کرے (مزید کا لالچ نہ کرے) اسے جلدی موت آجائے، اس کا ترکہ تھوڑا ہو اور اسے رونے والیاں بھی کم ہوں۔"

حضرت ابو امامہ حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"سادگی ایمان میں سے ہے۔"

راوی نے کہا۔

"سادگی سے مراد معمولی لباس وغذا پر اکتفا کرنا ہے۔"

فوائد و مسائل:۔

مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سنن ابی داؤد کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے، علاوہ ازیں شیخ البانی رحمتہ اللہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسے حسن قرار دیا ہے، بنابریں تحسین حدیث والی رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے اسے ایک جگہ حسن قرار دیا ہے۔

تکلفات سے پرہیز ایمان کا جز ہے، لہٰذا سادہ عادات کا حامل عام نعمت پر بھی اللہ کا شکر کرتا ہے جب کہ زیب و زینت کا عادی بعض اوقات ایک بڑی نعمت کو بھی اپنے معیار سے کم تر سمجھتا ہے اور شکر کے بجائے شکوہ کرنے لگتا ہے۔

سادگی میں بہت سی چیزیں شامل ہیں، مثلاً پیوند لگا کپڑا پہن لینا، زمین پر بیٹھ جانا، مفلس اور غریب کی بات سننے اور حتی الوسع مدد کرنے کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھنا، غریب کی معمولی دعوت قبول کر لینا اور اس کا پیش کیا ہوا سادہ کھانا کھا کر احسان مندی کا اظہار کرنا، ملازموں سے تحقیر آمیز رویہ رکھنے سے اجتناب کرنا، اپنے سے کم تر درجے کے لوگوں کی خوشی اور غمی میں شریک ہونا وغیرہ۔

بہترین افراد

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔

"کیا میں تمہیں تمہارے بہترین افراد کی نشان دہی نہ کردوں؟"

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"کیوں نہیں، اللہ کے رسولؐ!"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارے بہترین افراد وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد آئے۔"

تنگ دستی کی فضیلت

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا، اس کے بارے میں آپ کی رائے زیادہ صحیح ہے، ہم تو (اپنی معلومات کے مطابق) یہ کہتے ہیں یہ شخص معزز (دولت مند) افراد میں سے ہے، اس کے بارے میں یہی توقع ہے کہ اگر (کسی گھرانے میں) نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام قبول کیا جائے،

انشاء نامہ

اے دور نگر کے بنجارے

ابن انشاء

اے دور نگر کے بنجارے کیوں آج سفر کی ٹھانی ہے
یہ بارش، کیچڑ، سرد ہوا اور راہ کٹھن انجانی ہے
آ محفل چپ چپ بیٹھی ہے، آ محفل کا جی شاد کریں
وہ لوگ کہ تیرے عاشق ہیں کے روز سے تجھ کو یاد کریں
وہ ٹھور ٹھکانے ڈھونڈ چکے، وہ منزل منزل چھو آئے
اب آس لگائے بیٹھے ہیں، کب دستک ہو، کب تو آئے
اے دور نگر کے بنجارے، گر چھوڑ کے ایسا جانا تھا
کیوں چاہ کی راہ دکھائی تھی، کیوں پیار کا ہاتھ بڑھانا تھا
ہے دنیا کے ہنگاموں میں رنگینی بھی رعنائی بھی
ہر چیز یہاں کی پیاری، محرومی بھی رسوائی بھی
سب لوگ یہاں پر قسمت کے بے طور تھپیڑے سہتے ہیں
پر جیتے ہیں اور جینے کی اک آس سے چمٹے رہتے ہیں
اور تو تو ایک کھلاڑی تھا، کیوں کھیل ہی سے منہ موڑ لیا
کیوں جان کی بازی ہار گیا، کیوں عمر کا رشتہ توڑ لیا
گو جانے کے مشتاق یہاں، ہم جیسے لاکھ بچارے ہوں
وہ لوگ ہی رخصت ہوتے ہیں جو لوگ کہ سب کو پیارے ہوں

ہر سال رتوں کی گردش سے جب بیس دسمبر آئے گا
یہ اشک چھما چھم برسیں گے، یہ آہ گھٹا بن جائے گی
تم عرش کے ایک فرشتے تھے، بس فرش کی چوکھٹ چوم گئے
تم تیس برس تک دنیا میں معصوم رہے، معصوم گئے
ہم یاد کی روشن شمعوں سے اس جی میں اجالا رکھیں گے
اور سینے میں آبادی کا سامان نرالا رکھیں گے
تم اجنبی اجنبی راہوں میں جب تھک جاؤ اک کام کرو
اس دل میں آن قیام کرو، اس سینے میں بسرام کرو
اس جگ کی رات اندھیری میں اک تارا تھا وہ ڈوب گیا
اور وعدے ساتھ نبھانے کے سب بھول بھلا کر خوب گیا
یہ انشاء ہاروں، زید بکر، شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
سب دوست ہمارے اچھے ہیں، پر کون ہے اس سا؟ کوئی نہیں
کیوں نازک نازک سینوں پر تم غم کا توڑ پہاڑ چلے
کیوں جگ کے کھیل تماشوں کا تم رنگ اور روپ اجاڑ چلے
پھر دیکھ زمیں پر کیچڑ ہے، پھر دیکھ فلک پر پانی ہے
اے دور نگر کے بنجارے، کیوں آج سفر کی ٹھانی ہے

☆☆☆

موسم بہار کی اُداس ہوا

فوزیہ شفیق

جو کھو چکے انہیں ڈھونڈنا ممکن ہے
جو جا چکے ہیں انہیں کوئی کس طرح لائے

اس دنیا میں موت ایک ایسی چیز ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ہر ذی روح کے لئے موت کا ذائقہ لازمی چکھنا ہے۔

کہنے کو وقت ماہ و سال پر محیط ہے اور ماہ سال منٹوں، گھنٹوں اور سیکنڈوں پر۔

ماہ سال کی انہی بھول بھلیوں میں کچھ بہت پیاری، بہت عزیز ہستیاں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں وہ اس عارضی دنیا کو چھوڑ کر ابدی دنیا کے مکین ہی نہیں بنتے بلکہ ہمارے دلوں کو بھی اپنا مسکن بنا لیتے ہیں، ان کی باتیں، یادیں اور خوشبو ہر آن ہر لمحہ ہمیں اپنے آس پاس محسوس ہوتی ہیں۔

دس دن ہو گئے سردار صاحب کو یہ فانی دنیا کو چھوڑے، مگر قلم آج بھی ان کو ''تھے'' لکھنے سے انکاری ہے۔

دو گھنٹوں سے کاغذ قلم لئے بے بسی سے سوچ رہی ہوں کہ میں سردار صاحب کی کون کون سی یاد اور بات کو لفظوں کا پیراہن دوں، ان کی یادوں اور باتوں کا ایک ہجوم ہے، لیکن ذہن منجمد۔

شہر کے کوچہ و بازار میں سناٹا ہے
آج کیا سانحہ گزرا ہے خبر تو لاؤ

بارہ اپریل کی شب ایک ایسا ہی سانحہ رونما ہوا جس نے میرے اندر باہر سناٹا بھر دیا، میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی، دل صرف ایک بات کی گردان کر رہا تھا، ''نہیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، سردار صاحب ہمیں چھوڑ کر اتنی خاموشی سے کیسے جا سکتے ہیں'' بے شک ان کی طبیعت کچھ دنوں سے زیادہ ناساز تھی، وہ زیادہ تکلیف میں تھے، مگر اتنی جلدی ان کے جانے کا تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، ابھی دو دن پہلے ہی تو سردار صاحب نے آفس جانے کی خواہش کی تھی، ابھی کل ہی تو میں نے ان سے کہا تھا کہ سردار صاحب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پھر ہم مل کر ڈاکٹر عاصمہ (بیٹی) کے پاس اسلام آباد جائیں گے، ابھی تو سردار صاحب ہم نے (ربیعہ شہزاد) (چھوٹی بیٹی سردار صاحب کی) کے گھر اس کے نئے گھر کی مبارک باد دینے جانا تھا، مگر آپ تو سب کچھ بھول کر ''اپنا ابدی گھر بسانے چل پڑے''۔

بارہ اپریل کا مصروفیت بھرا دن گزرا، نماز عشاء کے بعد اپنی عادت کے برخلاف میں نے بستر کا رخ کیا نہ جانے کیوں آج نہ تو نیٹ سرچنگ کو دل چاہا اور نہ ہی فیس بک پر فرینڈز سے گپ شپ کرنے کو، عجیب سی تھکن تھی جس نے جسم و جاں کو نڈھال کر رکھا تھا، سوچا جلد سو جاؤں شاید نیند کی کمی کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا ہے، انسان کتنا غافل منصوبہ ساز ہے نہ وہ اپنی ساری پلاننگ میں کبھی بھی نہ اپنی اور نہ کسی اپنے پیارے کی موت کو شامل ہی نہیں کرتا، بس ایسی ہی پلاننگ میری بھی تھی، ''سو جاتی ہوں جلد'' کل کون کون سے کام کرنے ہیں، سوچتی ہوئی ابھی لیٹنے بھی نہ پائی تھی کہ فون کی گھنٹی چیخ پڑی، دل بے ہنگم انداز میں ڈوب کر اُبھرا، موبائل اسکرین

پر ''سرطاہر'' کالنگ کے الفاظ دکھائی دیئے۔
''یا اللہ خیر، نو بج کر پچاس منٹ پر سر کی کال۔'' بڑبڑاتے ہوئے فون آن کیا اور ساتھ ہی ''السلام علیکم! سر خیریت ہے نا۔'' کے الفاظ بے اختیار زبان سے نکلے، دل مسلسل کسی انہونی کا اشارہ دے رہا تھا، دوسری طرف طاہر صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔
''چوہدری صاحب چلے گئے، ابو فوت ہو گے۔''

کچھ پل تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے، طاہر صاحب نے سردار صاحب کے بارے میں ہی بتایا ہے نہ؟ کچھ پل یقین اور بے یقینی کے درمیان جھولتے ہوئے بھائی کے روم کی طرف بھاگی اور ان کو بے ربط انداز میں بتانے کے بعد ان کو کھینچتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔
''بھائی پلیز جلدی چلو مجھے سر کی طرف جانا ہے۔''

میرے گھر سے سر کے گھر کا راستہ صرف دس منٹ کا ہے، جو اس دن پھیل کر دس صدیوں پر محیط ہو گیا تھا، اللہ اللہ کر کے الفا سوسائٹی کا گیٹ نظر آیا جہاں سر لوگوں کی رہائش تھی، میں نے بڑی آس بھری نظروں سے گیٹ پر تعینات گارڈز کو دیکھا کہ شاید وہ کہیں کہ طاہر صاحب یا طارق بھائی ابھی اپنے والد صاحب کو لے کر ہوسپٹل گئے ہیں، ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، مگر ایسا کچھ نہ ہوا، چند قدم کے فاصلے پر ''سردارز ہاؤس'' کا گیٹ وا تھا اور طاہر صاحب باہر کھڑے تھے، ساکت فضا اور ساکن ہوا، نوحہ کناں کرتی روشنیاں اور بین کرتے درخت اور پتوں کی سسکیاں، پتا نہیں کیوں یہ صرف ان کو ہی سنائی اور دکھائی کیوں دیتے ہیں جن کے کسی بہت پیارے کو موت چھین کر لے جاتی ہے، کچھ ایسے ہی احساسات کا شکار اس کے گھر کے مکین بھی تھے، طاہر صاحب، طارق صاحب، ارم بھابھی اور تسنیم بھابھی، پوتے، پوتیاں، ملازموں کے بیچوں بیچ سردار صاحب سکون سے آنکھیں موندے ''ہے'' کی مسافت طے کر کے ''تھے'' کی منزل پر پہنچ چکے تھے، آج تو نہ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور نہ ہی روزمرہ کی طرح کہا ''آؤ بیٹھو''

صبح آفس جانے سے پہلے میں حسب عادت سردار صاحب کے کمرے میں ان سے ملنے گئی (آفس جانے کے لئے گاڑی پہلے مجھے گھر سے پک کرتی اور پھر سردار صاحب کی طرف آتے جہاں سے طاہر صاحب کو لے کر آفس جاتے) اس دوران میں دس سے پندرہ منٹ سردار صاحب کے پاس بیٹھتی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے، یہ روزانہ کی روٹین تھی، میں نے سلام کیا تو سردار صاحب نے وعلیکم کی بجائے ''ہوں'' ہی کہا اور آنکھیں بھی نہیں کھولیں، ویسے تو ان کی طبیعت کافی دنوں سے ہی خراب تھی، مگر پچھلے تین چار دن سے کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگی تھی، کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا، زبردستی گھر والے ایک آدھ لقمہ کھلاتے جس کی وجہ سے کافی سے زیادہ نڈھال نظر آ رہے تھے، میرے ایک دو آوازیں دینے کے باوجود آنکھیں نہیں کھولیں اور نہ ہی کوئی بات کی، سوائے ''ہوں'' کے، ملازم جو کے پچھلے تین سال سے مستقل دن رات ساتھ رہتا تھا، مجھے کہنے لگا فوزیہ باجی چوہدری صاحب نے آج کچھ بھی نہیں کھایا، سب کہہ کہہ کر تھک گئے ہیں، اتنے میں ایک دوسرا ملازم سر کے کپڑے وغیرہ چینج کرنے کے لئے آیا تو میں روم سے باہر آ کر طاہر صاحب کی مسز تسنیم بھابھی سے باتیں کرنے لگ گئی، پانچ منٹ کے بعد ڈرائیور

نے ہارن دینا شروع کر دیا تو میں جلدی سے باہر نکل گئی کہ طاہر صاحب گاڑی میں بیٹھے ویٹ کر رہے تھے، نہ جانے کیسے میں اس دن سردار صاحب کو خدا حافظ کہنا بھول گئی اور میں باہر سے ہی چلی آئی، (ورنہ پچھلے پانچ سالوں کی روٹین میں جب سے سر نے آفس آنا چھوڑا تھا) کہیں بھی نظر نہیں آتا کہ میں نے آفس جاتے ہوئے خدا حافظ نہ کہا ہو اور سر کا ''اچھا بھئی جا رہے ہو جاؤ'' کا فقرہ سنائی نہ دیا ہو، لیکن اس دن طاہر صاحب نے بھی جلدی دیکھائی اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئے اور میں خدا حافظ کہنا بھول گئی، اے کاش کہ ہمیں پتا ہوتا کہ سردار صاحب ہمارے پاس آخری دن کے مہمان ہیں تو ہم بھی ان کے پاس سے اٹھتے ہی نہ، مجھے کیا پتا تھا کہ میں اب انہیں دوبارہ سانس لیتے دیکھ نہیں پاؤں گی......اے کہ کاش۔

سردار صاحب کے پاس میں نے 200 میں جاب شروع کی تھی، جس دن میں انٹرویو دینے کے لئے آئی اور چند سوال پوچھنے کے بعد کہا۔

''ٹھیک ہے آپ کل سے آفس جوائن کر لیں۔'' ان کے اس فقرہ کی بازگشت ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ طاہر صاحب کی آواز سنائی دی، وہ سردار صاحب سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے ''کہ ان کے پاس تو کوئی تجربہ نہیں'' (لاہور سے نکلنے والے سب سے بڑے ماہنامے کی مدیرہ خصوصی'' ہونے کے لئے بات تو انہوں نے سچ ہی کہی تھی) تب سردار صاحب نے اپنی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی چیئر کو ہلاتے ہوئے ایک نظر طاہر صاحب کی طرف دیکھا اور کہا۔

''کہیں کرے گی تو تجربہ آئے گا نا، تو وہ ''کہیں'' یہ آفس ہی کیوں نہیں، سردار صاحب کی اس حوصلہ افزائی نے قدم قدم پر میری راہنمائی کی، میں نے حنا کو سنوارنے، سجانے، کے لئے ہر کام سردار محمود صاحب سے سیکھا، یوں وہ میرے باس ہی نہیں بلکہ میرے استاد کے عہدے پر فائز ہوئے، میں نے دس سال سردار صاحب کے ساتھ کام کیا، ان دس سالوں میں نہ کبھی انہوں نے ڈانٹا نہ سرزش کی، میں نے پہلے دن انہیں ''سر'' کہا تو کہنے لگے مجھے یہ لفظ پسند نہیں آپ آئندہ سر نہیں کہنا، بس اس دن سے جو میں نے سردار صاحب کے لقب سے پکارنا شروع کیا تو آج تک سردار صاحب ہی کہا، حالانکہ سردار صاحب کے تمام دوست احباب چوہدری صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔

2016ء کے آغاز سے ہی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی فروری میں پاؤں سلپ ہونے سے ٹانگ کا فریکچر ہوا، جس کی کامیاب سرجری بھی سردار صاحب کی طبیعت کو بحال نہ کر سکی، اب وہ صرف بیڈ کے ہی ہو کر رہ گئے تھے، لیکن اس کے باوجود روزانہ آفس کے کاموں کے متعلق پوچھتے، کسی مصنفہ کا ذکر چل نکلتا تو کبھی آفس میں کام کرنے والے سٹاف کا، دوست احباب کا۔

سردار صاحب کا شمار ان لوگوں میں تھا جو اپنے ماضی کی ایک ایک یاد کو کسی خزانہ کی مانند سنبھال کر رکھتے ہیں اور فرصت کے لمحات میں ان یادوں کا میلہ سجاتے ہیں جب کبھی آفس کے کاموں سے فرصت ہوتی تو وہ اپنی پرانی یادوں کی کتاب کھول لیتے اور اس کے صفحات سے جھانکتے ایک ایک چہرے کا ذکر بڑی محبت سے کرتے، چاہے وہ ذکر بڑے بھائی ابن انشاء، ساحر لدھیانوی، اے حمید جیسے دانشوروں کا ہو یا پھر جب ان کے بچپن میں گاؤں کی بوڑھی اماں کا، جو سردیوں کی راتوں کو بچوں کو کہانی سناتی تھی، ہر ایک کے لئے سردار صاحب کے لہجے

میں محبت یکساں ہوتی۔

پاکستان بننے سے پہلے جب وہ ضلع جالندھر کے باسی تھے، تب فوج کا شعبہ اختیار کر کے سنگاپور کی جنگ میں حصہ لیا، بے شمار یادیں اس وار سے جڑی تھیں، اپنے چھوٹے بھائی محمود ریاض کو بھائی سے زیادہ دوست کہنا پسند کرتے، ریاض صاحب کی وفات کے بعد وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئے، میں نے ان کے آفس میں لگی ریاض صاحب کی تصویر ہٹا دی تو کہنے لگے تصویر دیوار سے اتاری ہے، میرے دل سے نہیں، مئی مہینہ آتا تو بھائی سے جڑی بے شمار یادوں کے در وا کر لیتے۔

2016ء میں سردار صاحب شدید علیل ہو گئے، ڈینگی کا نام اسی سال منظر پہ آیا اور لاہور میں اس کا پہلا شکار سردار صاحب ہی بنے، وہ پندرہ بیس دن سردار صاحب کے اہل خانہ کے لئے بہت مشکل دن تھے، ان کی اہلیہ محترمہ آپی انور، سردار صاحب کے ساتھ ہوسپٹل کی ہی ہو کر رہ گئیں، ڈاکٹر بھی ان کی صحت کی طرف مطمئن نہیں تھے، مگر وہ اپنی ول پاور کی بدولت بیماری کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے اور تندرست ہو کر آفس کے کاموں میں پھر مصروف ہو گئے، سردار صاحب کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے جو ایک نمایاں خوبی ان کی ذات میں دیکھی وہ سائل کی حاجت روائی تھی، کسی بھی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لٹاتے تھے، ہر جمعرات کے دن مانگنے والوں کا ایک ہجوم ہوتا ان کے آس پاس اور ان میں سے میں اکثر کو یہ کہتے سنا، چوہدری صاحب ہم پچھلی جمعرات کو نہیں آئے تھے اور چوہدری صاحب مسکراتے ہوئے خیرات ڈبل کر دیتے، ایک مرتبہ میں نے کہا سر یہ اچھی بھلی صحت مند ہے، اس کو کہیں کہ کام کرے، آپ ایسے لوگوں کو نہ دیا کریں، تو کہنے لگے کہ ”وہ اللہ کے نام پر مانگتے ہیں تو کیا نہ دوں۔“

اصولوں کے پکے، اپنی بات پر ڈٹ جانے والے، مزاج کے دبنگ تھے مگر دل کے صاف، منافقت نہیں تھی جو بات ناگوار گزرتی سامنے والے کے منہ پر کہتے چاہے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑتا۔

دوپہر کو کھانا کھاتے تو ایک چپاتی کھاتے، چاہے کتنی ہی پسندیدہ چیز کیوں نہ بنی ہوتی، اصرار کیا جاتا کہ اور کھا لیں کھانا آپ کی پسند کا ہے تو کہتے کہ ”انسان اپنے حصے کا رزق کھائے بنا اس دنیا سے نہیں جائے گا، کیا ضروری ہے کہ ہم اپنے حصے کا جلدی کھا لیں“ (آخری دنوں میں تو سر آپ نے کھانا چھوڑ ہی دیا تھا، پھر بھی آپ جلدی چلے گئے) خدا کی ذات پر توکل اتنا کامل تھا کہ بڑے بڑے عالم فاضلوں کو پیچھے چھوڑ دیتے اپنی اس ایک بات سے۔

کہتے تھے کہ ”ایسا کبھی نہیں ہوا نوز یہ کہ مجھے پیسوں کی ضرورت پڑے اور اللہ تعالیٰ نے شام سے پہلے اس کا بندوبست نہ کیا ہو۔“

ہاتھ کے کھلے، شاہانہ طرز زندگی اور اس پر یہ کہنا کہ اگر میری جیب میں پچاس ہزار نہ ہوں تو مجھے رات کو نیند نہیں آتی، وہ دوستوں کے دوست مشکل میں کام آنے والے، وعدہ نبھانے والے چاہے اپنا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جاتا، کبھی کسی ملازم کو آفس سے نہیں نکالتے تھے، کہتے تھے پتا نہیں اللہ تعالیٰ کس کے وسیلے سے ہمیں دے رہا ہے، مجھے نہیں یاد کہ کبھی مجھے سردار صاحب اور ان کے گھر کے تمام افراد میں سے کسی کی مدد کی ضرورت پڑی ہو اور وہ کام نہ آئے ہوں اور مجھے مایوسی ہوئی ہو، میری مشکل کو انہوں نے اپنی مشکل سمجھ کر حل نکالا، سردار صاحب کی شریک

حیات (اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں اپنی رحمتیں نازل کرے آمین) محبتوں کا بہتا دریا تھیں، ان دونوں بیٹے طاہر صاحب، طارق صاحب دونوں بھائیوں کی بیگمات، تسنیم بھابھی، ارم بھابھی ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سردار صاحب کے گھر کے روشن چراغ ہیں جنہوں نے اپنی اچھائی کی روشنی میں سردار صاحب کے گھر کے در و دیوار کو جگمگا رکھا ہے۔

توں تو سردار صاحب کو اپنے تمام بچوں سے بے حد پیار تھا، مگر طاہر صاحب اور تیسرے نمبر والی بیٹی ڈاکٹر عاصمہ سے لگاؤ بے حد زیادہ تھا، جو کہ ان کی باتوں سے چھلکتا تھا، مجھے یاد ہے ایک مرتبہ سردار صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی ربیعہ نے فون کیا اور پوچھا ''ابو موڈ کیسا ہے؟'' تو آگے سے ہنس کر بولے۔

''تم موڈ کی چھوڑو یہ بتاؤ تمہاری فرمائش کیا ہے؟'' کتنی محبت ہے ان کے اس جواب میں۔

سردار صاحب آپ کو پتا ہے آپ کے جانے پر سب سے زیادہ آنسو بہانے والی یہ آپ کی چھوٹی بیٹی ہی تھی جو کہ آپ کا موڈ پوچھ کر بات کرتی تھی۔

بکس پڑھنا ان کا بہترین مشغلہ تھا، فارغ وقت میں ہمیشہ میں نے ان کے ہاتھ میں کتاب دیکھی، یہ شوق بھی اب کچھ عرصہ سے چھوٹ گیا تھا، میں اکثر کہتی سر نہ آپ پڑھتے ہیں اور نہ ہی آفس آتے ہیں، فارغ رہ رہ کر بیمار ہو گئے ہیں، آفس آیا کریں تو مسکرا دیتے، میں روزانہ کہنا نہ بھولتی اور وہ مسکراتا۔

سارا سارا دن لیٹ کر طبیعت چڑچڑی سی ہو گئی تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہونے لگے تھے اب، طاہر صاحب کی مسز تسنیم بھابھی کے نام کی پکار پڑتی رہتی، ایک پل میں کسی چیز کی فرمائش ہوتی تو اگلے پل وہ رد ہو جاتی، بھابھی وہ چیز حاضر کرتیں تو اتنے میں موڈ بدل چکا ہوتا کہ مجھے یہ نہیں کھانا، فلاں چیز بنا کر لاؤ، اگلے پانچ منٹ میں وہ چیز حاضر کرتیں تو اب پہلے والی کی طلب ہوتی، وہ اللہ کی بندی بھی بنا ماتھے پر شکن لائے حکم بجا لاتیں، اس دوران ارم بھابھی بھی چکر لگتے رہتے، پوتے، پوتیاں سبھی اپنی محبتیں نچھاور کرتے۔

آخری دنوں میں میڈیسن کی وجہ سے یاداشت میں کچھ فرق آیا، سبھی کا یہ کہنا تھا مگر میں ان سے متفق نہیں تھی کیونکہ میں نے تو جب بھی کوئی بات پوچھی کسی کا حوالہ دیا، جواب تفصیل سے ملا، ایک دن میں نے کہا سر آپ کو اپنے دوست یاد آتے ہیں؟ ہم ان کو پیغام بھیجیں کہ وہ آ کر آپ سے مل جائیں تو کہنے لگے، ''نہیں سب بے وفا ہو گئے ہیں'' طاہر صاحب جو پاس ہی بیٹھے تھے ہنس پڑے اور بولے، ''ابو آپ خود چلے جائیں ان سے ملنے'' ہم جب آفس کے لئے نکلتے پیچھے سے لازمی طاہر صاحب کو پکارتے اور بچوں کی طرح فرمائشیں کرتے، کہ آج فلاں چیز کھانے کے لئے لے کر آنا، میں اکثر کہتی سر یہ بیکری آئٹم صحت کے لئے اچھے نہیں تو کہتے اچھا آج تو لا کے دو پھر دیکھیں گے کیا کرنا ہے اور اگلے دن پھر وہی فرمائش (سردار صاحب یہ اب سمجھ آئی کہ آپ کی وہ معصومانہ فرمائشیں تو طاہر صاحب کو زیادہ سے زیادہ اپنے پاس روکنے کا ایک بہانہ تھا) آخری دنوں میں تو کھانا پینا نہ کھانے کے برابر ہو گیا تھا، ارم بھابھی آتیں تو زبردستی ایک آدھ لقمہ منہ میں ڈالتیں، گیارہ

بقیہ صفحہ نمبر 254 پر

پانچویں قسط کا خلاصہ

بالآخر محبت کو فتح نصیب ہوئی اور غانیہ کا ستارہ چمک اٹھا، گاؤں سے تاؤ جی کی بیماری کی اطلاع کے ساتھ اچانک شادی کا اصرار ہوا اور شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، غانیہ خواب کی سی کیفیت کے زیر اثر ہنوز غیر یقینی کا شکار ہے، کیا واقعی وہ اتنی خوش قسمت ہے......؟

منیب چوہدری دوسری مرتبہ اس تلخ تجربے سے گزرنے پہ آمادہ نہیں، کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ غانیہ سے شادی سے منکر ہونے کا کہتا ہے، غانیہ کی پہلو تہی کو اپنی توہین محسوس کرتا وہ سر تا پا قہر و غضب ہے۔

حمدان ماں کی کمی کا شکار بچہ ماما کی آمد کا سن کر خوش ہے مگر یہ خوشی بہت سے سوالوں کے جواب نہ ملنے پہ ادھورے پن کا شکار ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چھٹی قسط
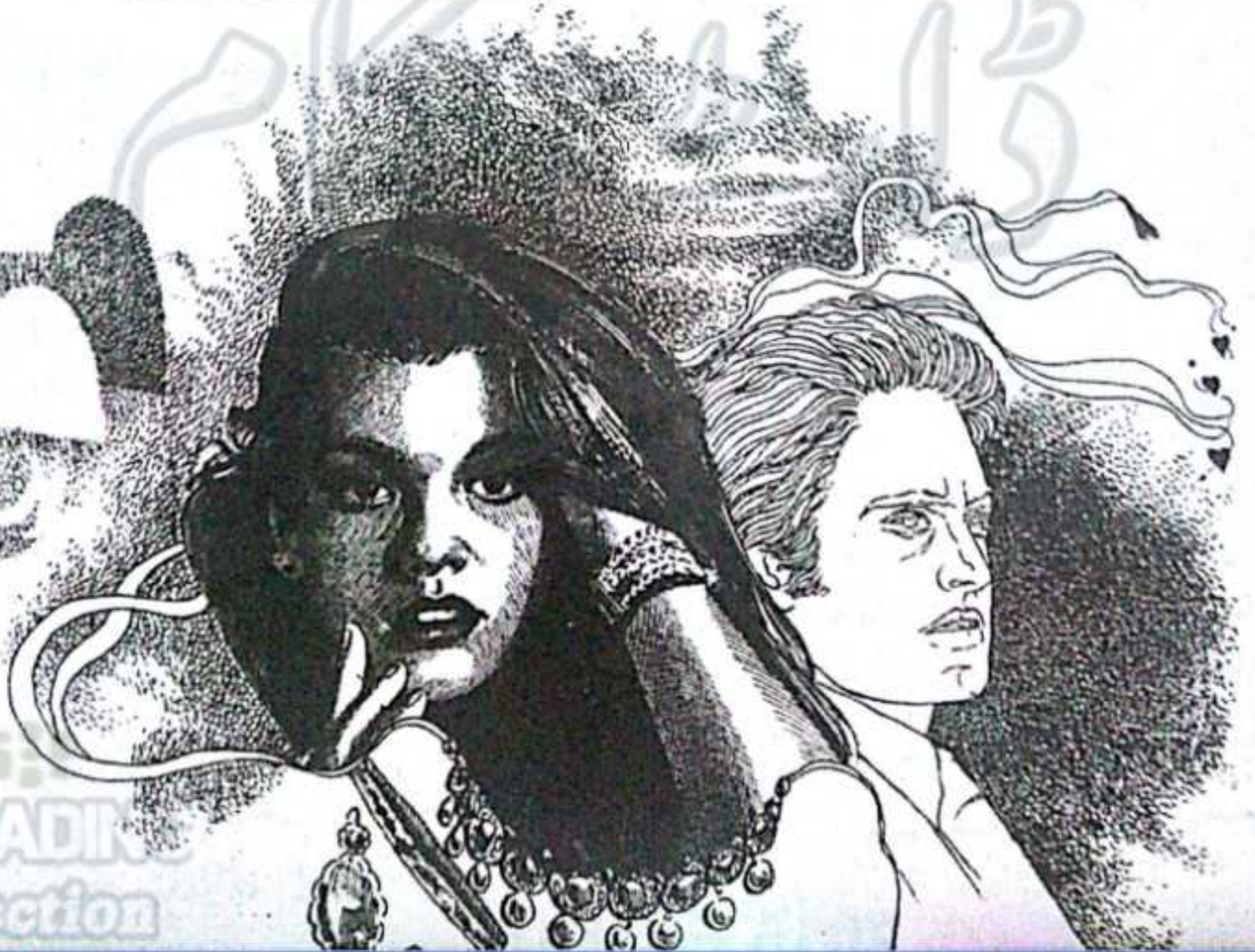
غانیہ کی پسندیدگی کا یقین اسے زہر آلود کرنے کو کافی تھا، وہ اپنی راہیں ہموار کرنے کو ہر حربہ آزما چکی تھی، وہ اتنا بدگمان تھا کہ اسے بس غانیہ کی پسندیدگی نظر آ رہی تھی، اس کی تبدیلی اس کا جھکاؤ اور مزاج کے دیگر خوشنما پہلو نظر نہیں آ رہے تھے، یہ خیال ہی اس کے دماغ میں کسیلا دھواں بھرنے کو کافی تھا کہ شانزے بھی نیناں کے ہی انداز میں اس کی ذات میں انوالو ہوئی تھی، گویا مہر لگی تھی اس پہ کہ وہ نیناں کا دوسرا عکس ہے یونہی تو اسے روبرو پا کے منیب کو وہ منحوس عورت یاد نہیں آ جایا کرتی تھی، وہ کیسے سب کو یہ کیفیات بتاتا، کیسے سمجھاتا کہ اسے صرف نیناں سے چھٹکارے کی نہیں اس سے وابستہ اذیت انگیز یادوں سے بھی دائمی نجات چاہیے جو کہ غانیہ کی موجودگی میں ممکن نہیں تھی، جبھی وہ غانیہ کو ہر ممکن طریقے سے اپنی زندگی کے دائرے سے نکال کر دور پٹخ دینا چاہتا تھا۔

لیکن وہ لڑکی تو کوئی آکٹوپس تھی، جو چمٹ جائے تو جان نہیں چھوٹتی، اس کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی اور تیزی سے بدلتے حالات و واقعات نے ایک بار پھر اسے چاروں شانے چت بے بسی سے اپنے آگے گرالیا، جس دن اس نے اس رشتے پہ حامی بھری اس نے جان لیا تھا اب اس کے لئے راہ فرار نہیں ہے، اماں کے خوش و مسرت سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اس نے خود کو ناکام تسلی دینے کی کوشش کی تھی کہ بعض فیصلے انسان کو اپنی ذات کے لئے نہیں اپنوں کی خوشی کی بقاء کی خاطر بھی کرنے پڑ جاتے ہیں اور ایسے فیصلوں میں اپنی رضا چاہے ایک فیصد بھی نہ ہو مگر اپنوں کو ملنے والی خوشی سے کچھ نہ کچھ اپنا حصہ بھی نکل ہی آتا ہے، جبھی اس نے اپنی مرضی کے خلاف فیصلہ ہونے دیا تھا اور ابا جی اماں کے خوشی سے اپنا حصہ وصول کر لیتا اگر جو یہ احساس اس کا دامن چھوڑ دیتا کہ اس کے ساتھ پھر وہی کہانی دہرائی جائے گی، اک بار پھر وہ کوئی اس کے دل اور جذبات کو مجروح کر کے لوٹ جائے گا، یہ کامل یقین ہی بے انت وحشتوں کا باعث تھا، جہاں وہ بے اماں بھٹکتا پھرتا، اندر اک اذیت اضطراب بن کر لہو میں سرایت کر رہی تھی، اسے چین نہیں لینے دیتی تھی، وہ پیدل گھر سے نکل کر دھول پھانکتا بے مقصد نہر تک آ گیا تھا اور دل کی وحشت اسے کنارے تک محدود رہنے سے روکتی تھی، ٹنڈ منڈ درخت کے سوکھے تنے سے ٹیک لگا آ کھڑا اندر اٹھتی تلخ سوچوں کو دبانے میں مصروف تھا، خزاں گزیدہ درختوں سے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر اس پہ گرتے تھے، اس کا دل چاہا یہ خشک و زرد پتے یونہی اس پر برستے رہیں یہاں تک کہ اس کا وجود ان پتوں میں چھپ جائے اور اسے کوئی ڈھونڈ نہ پائے، اس نے یونہی سر اٹھا کر خود پہ جھکی برہنہ شاخوں کو دیکھا، اس کے اندر جلتا الاؤ مزید بھڑکنے لگا، اس کے قدموں تلے خشک پتے چرمرا رہے تھے، وہ سارا دن یونہی بھٹکا تھا، یہاں تک کہ دن کی روشنی بجھنے لگی، شام کی آنکھوں سے رات اتری تو ہار اس کے ہر احساس سے چھلکتی تھی، آنکھوں میں دھند سی چھانے لگی، پورے جسم میں اینٹھن اور سلگتی سی کیفیت تھی۔

بھلا کبھی کوئی خود کو پسپا کر کے بھی خوش ہوا ہے، وہ کیسے ہو جاتا، پہلی بار وہ انجانے میں لٹا تھا، اب اسے خود کو دانستہ کنوئیں میں دھکیلنا پڑ رہا تھا، پہلی بار نقصان صرف اس کے حصے میں آیا تھا، اب کی بار ہونے والے نقصان کی زد پہ اس کے اپنے پیارے بھی آ جاتے، ابا جی کا مان سلامت نہ

رہتا، ان کا یقین ٹوٹتا تو وہ خود بھی بکھر جاتے، وہ لڑکی جو منیب چوہدری کی وجاہتوں کی اسیر خوبروئی پہ ہی فریفتہ ہوئی تھی، اس کے سنگلاخ ہو جانے والے دل، اس کے سہولیات سے عاری گھر اس کے سادہ لوح والدین اور سب سے بڑھ کر سوتیلے بیٹے کے ساتھ کیسے کیونکر نبھا کر سکتی تھی، وہ یہ بوجھ نہ اٹھا پاتی، وہ تھک جاتی، وہ گھبرا جاتی وہ لازماً ٹوٹ جاتی، یہ یقین تھا اسے، یہی یقین اسے اذیت میں مبتلا کرتا تھا، پاگل وحشی بنا جاتا تھا۔

ہوا کے دوش پہ لہراتا کھڑکی کا پٹ زور سے بند ہوا، تب وہ اپنی کرب آلود تکلیف دہ سوچوں سے باہر نکلا تھا، اور چونکا، ابھی تک وہ وہیں کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا، عجیب خود فراموشی کی کیفیت تھی، حالانکہ ٹانگیں شل ہوئی جاتی تھیں، وہ خود کو گھسیٹ کر بستر پہ لایا، تو آنکھوں کی جلن مزید بڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی، مکمل طور پہ نیند کی آغوش میں اترنے سے قبل اس کی نگاہوں میں غانیہ کا نازک اور بھرپور چمکیلا سراپا لہرایا تھا جو اپنے اندر صبح نو کی تمام رنگینی اور تازگی سمیٹے بھی اسے اندر تک جلا کر خاکستر کر گئی تھی، کامدانی دوپٹے کا سنہرا پلو اپنے گال سے لگا کر شرمیلی مسکان سمیت اپنی بہن کو دیکھتی، پلکیں جھکاتی اٹھاتی۔

منیب نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا، اتنی سختی سے کہ اس کے منہ میں لہو کا تلخ ذائقہ گھلنے لگا تھا۔

☆☆☆

مہندی کی رسم کی ادائیگی ہو چکی تھی، پیلے اورنج میرون اور سرخ رنگوں کے امتزاج سے آراستہ اس کا مہندی کا جوڑا بہت شوخ اور خوب صورت تھا، جو اس کے تن پہ سجا تھا تو مزید کھل اٹھا تھا، بیوٹیشن اسے مہندی لگا کر جا چکی تھی، جس کے سوکھنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا، فضہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی، ارادہ چائے بنا کر لانے کا تھا، غانیہ نے دوپٹہ اتار کر کمر پہ گاؤ تکیہ رکھ لیا، آرام دہ کیفیت میں آ کر بھی وہ جیسے اندر سے بے سکون تھی، یہ آخری شب تھی اس کی اپنی...... اس کے بعد اس کے وجود سے لے کر سوچوں تک یہ منیب چوہدری کی ملکیت ہو جاتی، بلکہ سوچوں پہ دل پہ تو پہلے ہی اس کی حکومت تھی۔

منیب کے حوالے سے ہر ہر سوچ مضطرب کر دینے والی تھی، عجب حسرت سے بھری تھی، غانیہ کی محبت کا سفر بہت مختصر بہت مدھم تھا، بے رونق اور بے مہر، کسی خوشی کسی امید کا کوئی جگنو نہیں چمکتا تھا اس میں، اسے حراساں کرنے کو یہ سوچ دامن نہیں چھوڑتی تھی کہ وہ شادی پہ راضی ہی نہ ہوا تھا جو اس سے مدد مانگ رہا تھا جان چھوٹنے کو اور اگر اس نے اس حکم سے سرتابی کر لی تھی تو اس شخص نے اس جرم کی پاداش میں کیا سزا تجویز کی تھی اس سے آگاہ نہیں ہوئی تھی مگر حراساں ضرور تھی، یہ تو ڈھکی چھپی بات ہی نہ تھی کہ منیب اسے ناپسند کرتا تھا، صرف ناپسند ہی نہیں کرتا تھا، نفرت بھی بہت کرتا تھا، ان دو اہم اور بنیادی جذبوں کے ہمراہ اس کی زندگی کیسی ہو سکتی تھی، وہ اندازہ تو کر سکتی تھی، اک لمحے کو اسے لگا وہ واقعی غلطی کر چکی ہے، خود اپنے ساتھ گہرا ظلم۔

مگر وہ کیا کرتی، وہ لاچار تھی، مجبور و بے بس تھی، اس زور آور شخص کا کہاں تک مقابلہ کرتی، بالآخر اس کا نصیب بن جاتی یار، یہ سوچ بہت تکلیف دہ تھی، نمی اس کی آنکھ سے پھسلنے لگی، کیا شک کہ بے بنیاد نفرتیں بہت تیزی سے جڑیں کاٹتی اور کھوکھلا کرتی ہیں، وہ جتنی بھی با حوصلہ تھی، بالآخر

ہار جاتی، حاصل وصول کیا تھا، فون کی بیل نے اس کی سوچوں کو بکھیر دیا، اس نے نظر کا زاویہ بدل کر کچھ فاصلے پہ موجود ٹیلی فون سیٹ کو دیکھا، جس کی بیل اک بار بج کر خاموش ہو جانے کے بعد پھر سے بج رہی تھی، اس نے بہت احتیاط سے مہندی لگے ہاتھ سے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم! غانیہ بھابھی...... کیسی ہو؟'' اس کی سماعتوں میں کنیز کی شوخ وشنگ آواز گونجی، اک لمحے کو وہ حیران رہ گئی، بلکہ گھبرا گئی کہ جانتی تھی تا کہ تاؤ جی کے گھر ٹیلی فون کی سہولت نہیں تھی۔

''اس وقت فون کیا، سب خیریت ہے نا کنیز؟'' اس نے وال کلاک کی جانب نگاہ کی جو ساڑھے گیارہ کا ٹائم بتاتا تھا۔

''الحمدللہ سب خیریت ہے، فون ابا جی نے ویر کے پیچھے پڑ کے تمہاری سہولت کو تمہارے آنے سے پہلے ہی لگوا دیا ہے، تم گھبراؤ نہیں مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں، جبھی احتیاط رات کے اس وقت کو ترجیح دی ہے۔'' کنیز کے انداز سے لگا تھا وہ مسکرا رہی ہے، غانیہ بے اختیار ریلیکس ہوئی۔

''سو تو نہیں رہی تھیں تم؟ ویسے آج نیند نہیں آنی چاہیے۔'' کنیز کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، غانیہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''مما کہہ رہی تھیں جب تک مہندی نہیں سوکھتی تب تک نہیں سو سکتی میں۔''

''ہاں یہ تو اچھا آرڈر ہے، دیکھنا کیا خوب رنگ آئے گا تمہاری مہندی کا، میں نے سنا ہے جس دلہن کی ساس اس سے محبت کرتی ہو اس کی مہندی بہت گہرا رنگ دیتی ہے۔'' کنیز کے کھنکتے لہجے میں کیسا یقین کا رنگ گہرا تھا، غانیہ نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب لیا۔

''تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کنیز کہ جس دلہن کا شوہر اسے بالکل پسند نہ کرتا ہو اس کی مہندی کا رنگ کیسا ہوتا ہے۔'' وہ بولی تو اس کی حسرت لہجے سے عیاں تھی، کنیز کو یکدم چپ لگ گئی، کتنی دیر وہ کچھ بولنے کے قابل نہ ہو سکی، غانیہ ہونٹ کاٹتی آنسو پیتی رہی۔

''یہ احساس بہت تکلیف دہ ہے کنیز کہ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، نفرت بھی بے جا۔'' اس کی بھیگی بھرائی آواز میں ناکام حسرتیں مچل رہی تھیں، کنیز گلا کھنکارتی مداخلت کر گئی۔

''سچ پوچھو تو غانیہ میں نے اسی لئے تمہیں فون کیا ہے آج، میں تمہیں کچھ ضروری باتیں بتانا چاہتی ہوں، جو اندھیر راہوں میں جگنوؤں کی مانند تمہاری رہنمائی کر سکتی ہیں، تنہائی میں آس بندھا سکتی ہیں، میں تمہیں بتاؤں کہ ویرا اک عورت کا ڈسا ہوا ہے، بظاہر تو انہیں تم سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے، غانیہ ویر کی ازدواجی زندگی کا ایک سال ان کی ان کی زیست کے وہ، شب وروز ہیں جنہوں نے ان کی پوری زندگی کو گہنا کر رکھ دیا ہے، تم ان کی شریک حیات بننے جا رہی ہو اس لئے میں ضروری سمجھتی ہوں کہ تم ان کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ نرمی وگنجائش کا برتاؤ کر سکو، مجھے یاد ہے، وہ ایسے ہرگز نہیں تھے، جیسے نیناں کے زندگی میں آ کر چلے جانے سے ہو گئے، غانیہ مجھے تم سے صرف یہ کہنا ہے، نیناں کی بے وفائی یا بدسلوکی اور غلط رویئے نے اگر انہیں سخت مزاج اور تند خو اعتبار نہ کرنے والا بنایا ہے، تو تمہارا اچھا

سلوک تمہاری محبت و وفا ایثار و قربانی انہیں پھر سے عورت کی ذات سے اٹھا ہوا، اعتماد واپس دلا سکتی ہے، تم بہت اچھی ہو غانیہ! میں جانتی ہوں یہ سب کہتے ہوئے میں بہت خود غرض ہو رہی ہوں، شاید تمہاری ہمیت اور بساط سے بڑھ کر تمہیں بوجھ اٹھانے کو کہہ رہی ہوں مگر میری محبت جو مجھے ویر سے ہے مجھے ایسا کرنے پہ مجبور کر رہی ہے تو یہ حوصلہ بھی دیتی ہے کہ یہ محبت صرف میں نہیں تم بھی ان سے کرتی ہو، غانیہ کیا تم نہیں چاہو گی ویر پھر سے محبت کرنے والا عورت پہ بھروسہ و اعتبار کرنے والا منیب بن جائے؟" کنیز کے پرسان لہجے میں عجیب سی التجا تھی، غانیہ گم صم ہو کر رہ گئی، کچھ بول ہی نہ سکی، کنیز نے باقاعدہ پکارا تب چونکی تھی۔

"میری محبت میرا مان میری رفاقت میری وفا سب انہی کے لئے وقف ہوئے ہیں کنیز، اس کوشش میں تم نہ بھی کہتیں تو میں اپنا تن من وار دیتی اور یقین کرو ایسا کرتے میں کسی پہ احسان نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ مدھم مگر خوش امیدی سے بھرپور تھا، کنیز کا جیسے سیروں خون بڑھ گیا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی غانیہ، ہمیشہ خوش رہو، تمہیں یاد ہے تم جب منگنی پہ آئیں تو میں تمہیں اصرار کر کے روکنا چاہتی تھی، میرا مقصد تم پہ تب ہی ویر کی زندگی کی ساری تلخیاں عیاں کر دینے کا تھا تو وجہ تمہاری آنکھوں میں نظر آنے والی ان کی محبت تھی، تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے غانیہ، مگر یہ حقیقت ہے کہ تم ہماری بنجر ہوتی مرتی امیدوں کا مرکز بن کر آئی تھیں، ہم سب ویر کی زندگی کی بے کیفی سے جتنے بھی مضطرب تھے مگر یہ بھی جانتے تھے، وہ کسی کے بھی مجبور کرنے پہ دوبارہ اپنا گھر نہیں بسائیں گے، شاید تم سے بھی شادی نہ کرتے مگر تمہارا پلس پوائنٹ یہ رہا کہ تم ان کی فیانسی تھیں، ابا جی نے اسی حوالے کو لے کر انہیں بلیک میل کیا ہے، اس میں بھی شک نہیں کہ وہ ابا جی کی وجہ سے ہی شادی پہ تیار ہوئے ہیں، یہ واقعی زبردستی اور مجبوری کا بندھن ہے مگر تمہارا صبر تمہاری محبت اس میں دلی خوشی کا رنگ ضرور بھر دے گی انشاء اللہ! غانیہ تم انہیں پھر سے ہنسنا دل سے مسکرانا سکھا سکتی ہو، کچھ عرصہ زندگی کی یہ بے کیفی یہ مشقت تھی لازوال محبتوں سے مالا مال کر دے گی یہ ہمارا اپنے رب پہ بھروسہ ہے۔"

"انشاء اللہ!" وہ مدہم آواز میں کہہ گئی، مسکرا دی، مزید کچھ دیر کی بات چیت کے بعد کنیز نے فون بند کر دیا، تو ریسور رکھتے یہ دیکھ کر اس کی نظر اس کا دل ٹھٹک گیا تھا کہ اس کے ہاتھ پہ گیلی مہندی سے بنے نقش و نگار اپنی وضع کھو بیٹھے تھے، بے خیالی کی کسی کیفیت میں ریسور پہ اس کی گرفت سخت ہوئی اور مہندی کے ڈیزائن اپنی دلکشی ختم کر گئے، کچھ دیر متاسفانہ نظروں سے ہتھیلی کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سر جھٹک دیا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی، اس کی صرف مہندی نہیں اس کی زندگی کا سارا ڈھب ہی بے ڈھب ہونے جا رہا ہے، اس نے جس شخص کو دل دیا تھا، جس کا انتخاب کیا تھا، وہ ہرگز بھی اتنی سہولت اتنی آسانی سے اس کو قبول نہیں کر سکتا تھا، نہ نیناں جیسی دوسری عورت کے اپنی زندگی میں شامل ہونے کو برداشت کر سکتا تھا۔

☆☆☆

پھر بہت سارے ارمان، لاتعداد خدشات کے ساتھ سہانے سپنے لئے وہ منیب چوہدری کے سنگ رخصت ہو کر اپنے خوابوں کے نگر آ پہنچی تھی، اس کا عروسی جوڑا دھنک کے سب رنگوں جیسا

تھا، جس کی آب و تاب نے اس کے دلکش روپ کو مزید اجاگر کر دیا تھا، اتنا اجاگر کہ اس کے حسن کی تابانی کے آگے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں، وہ تو بغیر کسی آرائش کے بھی جگمگایا کرتی، پھر اب تو اس نے اس شخص کی خاطر پوری توجہ صرف کر کے خود کو سجایا سنوارا تھا، جبھی جس نے بھی اسے دیکھا، سراہے بغیر نہ رہ سکا، لیکن جب بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس منیب چوہدری کے پہلو میں اسے لا کر بٹھایا گیا، تو یکدم وہ یوں ماند پڑ گئی گویا سورج کے آگے چاند اپنی جگمگاہٹ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

اسے پہلی بار دیکھ لینے سے لے کر شادی ہو جانے تک، وہ اک خواب کی سی کیفیت تیرتی رہی تھی، یہ سب جیسے بھی ہوا وہ بس اتنا جانتی تھی، اس کے دل میں اس شخص کی طلب اتنی شدید تھی کہ اس نے بنا کسی رکاوٹ بنا کسی آزمائش کے اسے پالیا تھا، وہ شخص اس کا ہو چکا تھا، یہ گلابوں سے بوجھل خوابوں جیسی شام اس کی محبت کی تکمیل کر گئی تھی تو اسے سابقہ ہر احساس فراموش کر گئی، اس شخص کی بے رخی سے لے کر اس کی ناپسندیدگی تک، اس کی نفرت لے کر اس کی شدت سے رد کر دینے کی توہین تک۔

یاد تھا تو بس اتنا کہ وہ اپنی تمام تر وجاہتوں اور ساحر آنکھوں کے ساتھ مکمل طور پہ اس کا ہو کر اس کے پہلو میں براجمان تھا، اس کے دل کی اتھل پتھل، گویا دل حلق میں اٹک گیا ہو، جب خاندان کے افراد تصاویر بنوانے کے شوق میں گھس گھس کر ان کے دائیں بائیں بیٹھ رہے تھے اور ایک وقت ایسا آیا تھا، جب ان کے درمیان فاصلہ بال برابر بھی نہیں رہ گیا تھا، اس کی شرٹ کا گلا گہرا تھا اور مسلسل نیچے ڈھلک رہا تھا، اس نے اپنا حنائی ہاتھ جو نیل پالش چوڑیوں انگوٹھیوں سے آراستہ تھا گریبان سنبھالنے کے لئے سینے پر رکھا، مگر انہیں مشکل سے وہ خود واقف تھی، کہ دل کی بے ترتیب دھڑکن اور ارمانوں بھرا یہ حسین وقت وہ شادی مرگ کے جیسی کیفیت میں تھی، اس سے نکلنے کا باعث بھی وہی شخص بنا تھا۔

تاؤ جی کے گھر اس کا استقبال بہت شاندار ہوا، کنیز جو مایوں بیٹھ چکی تھی اور بارات کے ساتھ نہیں آئی تھی اس وجہ سے دادی کو اس کے پاس رکنا پڑا تھا، دونوں نے چوکھٹ پہ دلہن کا استقبال کرتے چند رسموں کی بھی ادائیگی کی تھی، مگر جب مزید رسموں کی باری آئی، تو منیب بے حد درشتی سے انکار کرتا ہوا ایک جھٹکے سمیت اٹھ کر وہاں سے چلا گیا، کچھ اتنی بے مروتی سے کہ صرف غانیہ کا ہی نہیں دادی کنیز اور اماں کا بھی چہرہ متغیر ہوا تھا، سب نے بیک وقت اک دوسرے سے نظریں چرائیں۔

کچھ رسمیں بعد میں بھی ادا کی گئی تھیں، مگر ان میں وہ فطری جوش و خروش اور شگفتگی نہیں تھی، بس جیسے فرض ادا کیا گیا، اس کے بعد اسے منیب کے کمرے میں پہنچا دیا گیا، سادگی کا مظہر کمرا دلہن کے استقبال کے لئے کسی بھی اضافی آرائش سے عاری منیب چوہدری کے سخت اصولوں کا ہی نہیں اس کے موڈ کا بھی واضح غماز تھا۔

بہت جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کر کے وہ یہاں تک آ تو گئی تھی، مگر اب اس شخص کے سامنے اور اس کے تیوروں سے خائف سہمی جاتی تھی، اس کی زندگی اور دل میں اپنی جگہ وحشت کا

بہت اچھی طرح یقین کر سکتی تھی، پھر کیسے بھلا کوئی خوش فہمی پال لیتی، گھڑی کی سوئیاں جیسے جیسے آگے سرکتی جارہی تھیں، باہر جاگتی زندگی کا احساس اسی رفتار سے مدھم ہوتا سناٹوں میں ڈوبتا جارہا تھا، باہر تاریک اور خنک رات بہہ رہی تھی، کتنا جاں گسل اور اذیت ناک انتظار تھا۔

مکمل طور پہ خاموشی کے پردے میں ساکن ہو گئیں، خنک رات کا مخصوص پر ہول سناٹا گمبھیر ہوتا گیا، دور کہیں سے آتی گیدڑوں اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اس خاموشی کے پردے کو چاک کرتی تھیں تو ماحول کی خوفناکی و ہیبت میں اضافہ ہو جاتا، اس شخص کا انتظار کرتی اس کی آنکھوں میں وحشت اور بے مائیگی کے ساتھ نمی اترنے لگی تب دروازے کے باہر آہٹ ابھری تھی، اس سے قبل کہ وہ سنبھلتی الرٹ ہو پاتی، منیب چوہدری دروازہ کھول کر اندر قدم رکھ چکا تھا اور تب سے بے کلی بے چینی سے اس کی منتظر غانیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، صرف ہتھیلیاں نہیں اس کا تو پورا وجود پسینوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس نے تھکن زدہ تناؤ آمیز نگاہ اس کی جانب بھی ڈالی، جو دم سادھے بیٹھی گویا جنبش کرنے کی بھی ہمت نہ رکھتی تھی اب، عروسی لباس میں ملبوس بستر کے عین وسط میں جھکے سر کے ساتھ بیٹھی یہ لڑکی اس کے صبر اس کی برداشت اور ضبط کا امتحان تھی، بہت کڑا امتحان، جبھی اس کی سرخ ڈوروں سے سجی لہورنگ آنکھوں کی ناپسندیدگی کا تاثر گہرا ہوتا چلا گیا۔

''میرا نہیں خیال ہے محترمہ، کبھی بھی میں آپ کو اپنے کسی بھی رویئے و انداز سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے دیا ہو، اس طرح سے انتظار میں رہنے کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے، کیا ابھی بھی آپ کا یہ احمقانہ خیال ہے کہ میں آپ کے حسن جہاں سوز میں کوئی قصیدہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟''

تاثرات میں درشتی و تنفر اور لہجے میں غراہٹ کی سرد مہری لئے وہ سرد نگاہوں سے اس کے رعنائی و دلکشی سے بھرپور سجے سنورے سراپے کو دیکھتا گویا اسے اس کی اوقات یاد دلا رہا تھا، غانیہ کو اس سے کوئی اچھی توقع تو عبث ہی تھی، مگر اس درجہ توہین آمیز سلوک پہ وہ بے ساختہ سہمتی لرزنے لگی، خفت خجالت کا احساس اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھیں بھگو کے رکھ گیا۔

''ابا جی کی مجبوری نہ ہوئی تو کبھی بھی تمہیں تمہاری مکارانہ چال میں کامیاب نہ ہونے دیتا، نہ ہی میں خود کو دوسری مرتبہ اس تجربے کی بھٹی سے گزارنے پہ مجبور کرتا ہو، بی کوز میں جانتا ہوں تم جیسی نفس کی غلامی کرنے والی عورتیں کسی ایک جگہ پہ زیادہ دیر نہیں ٹک سکتی ہیں، چاہے کسی بھی چیز میں انہیں کتنی ہی اٹریکشن کیوں محسوس نہ ہوئی ہو، اینی ویز، میں تمہاری اسی وقتی کیفیت وقتی جذبے کے خمار اترنے کا انتظار کروں گا۔'' وہ جتنی بھی معصوم تھی، بے ضرر تھی، بے ریا اور پر خلوص تھی، مگر اس کا نصیب کہ ایسے شخص کے ہتھے لگی تھی جو پہلے تجربے میں ناکامی اٹھا چکا تھا، اس کا ہر عمل ہر بات ہر جنبش اسی تجربے کی عکاسی تھی، شعوری یا لاشعوری سہی مگر وہ اس ایک حادثے کا ذمہ دار اس عورت کو نہیں ہر عورت کو ہی ٹھہرانے لگا تھا، اس وقت بھی اس نے صرف اپنی کہی اور آگے بڑھ کر وارڈ روب سے اپنا شلوار سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا، غانیہ جھلستی پیشانی لئے وہیں بیٹھی رہ گئی تھی، ساکت، شاکڈ اور اس بے مائیگی و پامالی پہ متحیر۔

یہاں تک کہ منیب چوہدری کپڑے بدل کر باہر آ گیا، یہی وہ لمحہ تھا جب غانیہ کے احساسات

پہ اوس گری اس کی سرد مہری کی برف ذرا پگھلی تھی اور بے بسی کا احساس آنسو بن کر آنکھوں سے بہتا گالوں کو تر کر گیا۔

''اٹھو یہاں سے۔'' بستر سے کچھ فاصلے پہ ٹھہرتا ہوا وہ پھنکار کر گویا ہوا، غانیہ ہڑبڑا سی گئی، فق چہرے ہونق نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر میرے دل میں تمہارے لئے جگہ نہیں بن سکی تو بستر پہ کیسے نکل سکتی ہے، زبردستی زندگی میں شامل ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تمہیں ہر قسم کی اجارہ داری کا حق بھی حاصل ہو گیا ہے۔''

منیب اس کے آنسوؤں کو دیکھ کر جتنا تلملایا تھا، اس لحاظ سے اس کا لہجہ کرخت اور تاثرات میں برہمی و کدورت تھی، غانیہ کی ہراسگی و بوکھلاہٹ کچھ اور بڑھ گئی، وہ سٹپٹا کر تیزی سے اٹھی تو کلائی کے کنگن اور پازیب کا شور جلترنگ بجا اٹھا، یہ جھنکار اس کے ہر اٹھتے قدم اور جنبش کے ساتھ تسلسل اختیار کرتی چلی گئی تو منیب کا پہلے سے کشیدہ اور برہم مزاج کچھ اور بھی نخوت سمیٹ لایا۔

''اور ہاں...... اتارو یہ سب واہیات جیولری، آئندہ میں تمہیں پہنے نہ دیکھوں، سنا تم نے؟''

اس کا سرد روکھا سپاٹ لہجہ نخوت آمیز تحکم لئے تھا، غانیہ ساکن ہو کر رہ گئی، حسیات کو ادھیڑتی دھڑکنیں چیخنے لگیں، بے بسی کی انتہا کو چھوتے اس نے نم آنکھوں کو لمحہ بھر کو اٹھا کر نم گریز ان نظروں سے اس شخص کو دیکھا تو اپنی طرف متوجہ منیب کی چمکدار آنکھوں میں ڈولتی حد درجہ تندی اور کدورت اسے ہولا کر رکھ گئی، ان نظروں میں چیختے نفرت کے انگاروں نے گویا اسے لمحہ بھر میں خاکستر کر دیا تھا، زبان سے صرف شکایت ادا کیے بنا اس نے وہیں کھڑے کھڑے پہلے چوڑیاں پھر کنگن اور پازیب بھی اتار دیں۔

اس کے بعد دوسرے زیورات کی باری آئی تھی، جنہیں ایک ایک کر کے اتارتے سمیٹ کر رکھتے اس کی نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں جھلملاتے منیب کے عکس سے جا ملی، سفید کرتا شلوار میں ملبوس وہ بستر پہ دراز لحاف اپنے اوپر کھینچ رہا تھا اور اس کی جانب متوجہ نہیں تھا، گویا اب سونے کی تیاری تھی، غانیہ کا دل اس بے حسی و بے مائیگی کے مظاہرے پہ بھیگتا چلا گیا، دوپٹے سے پنیں نکالتے ہوئے اس نے سارے آنسو اندر اتار لئے، جس وقت وہ لباس تبدیل کر کے باہر آئی منیب کے ہلکے خراٹوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی، وہ سو چکا تھا، اس کے نصیب کی طرح، صوفے کا رخ کرنے سے قبل اس نے لائیٹس آف کر دی، اب وہ اپنے ہر نقصان پہ پوری طرح غم منانے میں آزاد تھی۔

☆☆☆

دن میں نکلنے والی دھوپ دوپہر سے ہی رخصت ہو گئی تھی، اس کی جگہ ہلکے ہلکے بادلوں نے لے لی، جو شام تک خوب گہرے اور بوجھل ہو گئے، پہلے رات اتری تھی کہ دھند، اس کا فیصلہ کرنا مشکل تھا، دھند نے سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا، تھوڑی سی دیر کے لئے ہلکی پھوار بھی پڑی، صحن پورا بھیگا بھی نہیں تھا کہ پھوار ختم گئی، انہوں نے مغرب کی نماز کے بعد بھی جائے نماز نہیں چھوڑا، وہیں بیٹھی وظائف پڑھتی رہیں، ہیٹر بہت ہلکا چل رہا تھا، کمرے کا درجہ حرارت بہت خوشگوار بیت آمیز حدت لئے سکون کا باعث بن رہا تھا، مگر انہیں راج دلارے بھائی کی فکر گھلا رہی

تھی، کسی پل بھی چین نہ لینے دیتی، معا اس خاموشی و سناٹے میں گاڑی کی آواز سن کر بے قراری سے اٹھیں، کھڑکی سے پردہ سرکا کر گیراج کی جانب دیکھنا چاہا مگر دھند لا غبار کچھ نظر نہ آنے دیتا تھا، ہر سمت دھند کی اجارہ داری تھی، لان میں جلتی لائیٹس بھی دیئے کے لو جیسی تھی، بس شائبہ معلوم ہوتی ہوئی، انہوں نے شال اچھی طرح پھیلا کر اوڑھی اور خود خبر گیری کو باہر آ گئیں، باہر سرد ہواؤں کی شوریدہ سری تھی، یخ بستگی کا احساس کپکپاہٹ کو بڑھاتا تھا، تیز قدموں سے برآمدہ عبور کر کے وہ صحن میں اترنے والی تھیں کہ مون ایک دم سامنے آ گیا۔

بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس دراز قامتی اور خوبروئی اپنی جگہ مگر وہ انہیں تھکا ہوا محسوس ہوا، چونکی وہ اس کے ہاتھوں میں لپٹی ہوئی کسی شے کو دیکھ کر تھیں۔

''مون...... کہاں سے آ رہی ہو؟'' وہ ٹھٹک کر سوال کر رہی تھیں۔

''یہ کیا ہے بتاؤ؟'' وہ ششدر سی سوال کر رہی تھیں۔

''اندر آ جائے آپا؟'' وہ خود بھی آگے بڑھ گیا، رخ اپنے کمرے کی جانب تھا، وہ افتراں و خیزاں اس کی رفتار کا ساتھ دیتیں بھاگتی ہی آئیں تھیں گویا۔

''یہ میری آپ کے پاس امانت ہے آپا!'' ابھی وہ سنبھلی بھی نہ تھیں کہ اس نے لپٹی ہوئی چیز ان کے حوالے کر دی، گلابی کمبل سرک گیا، وہ گنگ رہ گئیں، مبہوت سی چاند چہرے ستارہ آنکھوں کی مالک نومولود بچی کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ...... تمہارے پاس......؟'' وہ ہکلا کر رہ گئیں، انہیں جیسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''میرے پاس ہی رہے گی ہمیشہ۔'' وہ ذرا سا مسکرایا، بہت بوجھل تھی یہ مسکان تھی، ذرا سا جھکا اور پہلی بار گویا بچی کو دیکھا اور پیار کیا، وہ گنگ ہونے لگیں، ان کا دلوں کو مسخر کرنے والے حسن کا مالک بھائی اس پل یکسر مختلف لگا، وہ تمکنت وہ سحر غائب تھا، جو اس کی شخصیت کی پہچان تھا، بیٹی کو پیار کرتا وہ اک عام شخص تھا، صرف ایک باپ تھا۔

''آپا پلیز ایک گلاس گرم دودھ بھجوا دیجئے گا۔'' وہ اپنے کپڑے نکال کر واش روم کی طرف بڑھتا ہوا بولا، انہوں نے پھر چونک کر اسے دیکھا، وہ بار بار کھو رہی تھیں۔

''مون...... اس نے کیسے دے دیا تمہیں بچی کو۔'' انہیں جیسے ہنوز یقین نہ آتا تھا۔

''ان باتوں میں کیا رکھا ہے آپا، کیا یہ کافی نہیں کہ جو آپ چاہتی تھیں وہ ہو گیا ہے۔''

''مگر ہمارا بچہ...... ہماری نسل تو اسی سے چلتی۔'' اک اور حسرت، وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئے۔

''نسل بیٹی سے بھی چلتی ہے آپا، کوئی جینے کا آسرا ادھر بھی رہنا چاہیے، یہی فیئر کس ہے۔''

انہیں لگا اس کی آواز گھٹ گئی ہے، بوجھل ہو کر ڈوب رہی ہے، وہ پھر چونکیں، اسے دیکھنا چاہا، چہرے سے کسی قسم کے تاثر سے کچھ اخذ کرنا چاہا، مگر وہ واش روم میں بند ہو چکا تھا، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور جھک کر بچی کا دلربا چہرہ پھر سے دیکھا، چوما اور مسکرا دیں۔

''ہاں، نسل بیٹی سے بھی چلتی ہے، ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل بیٹیوں سے ہی چلتی آ رہی ہے۔''

☆☆☆

کیا اندھیروں کے غم کیا اجالوں کے دکھ
جب ہرا دیں مقدر کی چالوں کے دکھ
جن کی آنکھیں نہیں وہ نہ روئیں کبھی
جان جائیں اگر آنکھ والوں کے دکھ
تم ملے ہو تمہاری محبت نہیں
ہجر سے بھی بڑے ہیں وصالوں کے دکھ
دو گھڑی کے لئے پاس بیٹھو اگر
بھول جائے گا دل کتنے سالوں کے دکھ
میری سوچوں کے جلتے ہوئے دشت سے
چھین لے آ کے اپنے خیالوں کے دکھ

اگلی صبح اس کی آنکھ ہی کسی کے سختی سے جھنجھوڑنے پہ کھل سکی، خمار آلود سرخ آنکھوں کو بامشکل کھول کر دیکھنے پہ اسے منیب چوہدری کا کرخت مگر بے حد وجیہہ چہرہ نظر آیا تھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اصل ٹھٹھرا دینے والی تو اس کی نظریں ہوتی تھیں، ایسی سرد ایسی پتھریلی کہ اسے بھی پتھر کا کرنے کو کافی ہوتیں۔

''میڈیم اٹھ جائیں، دروازہ کھلا ہے، کوئی بھی اندر آ سکتا ہے۔'' صرف چہرہ ہی نہیں اس کا لہجہ بھی بے مہر بے مروت اور کھردارا تھا، غانیہ کی ہمت تھی بھلا کہ انکار کرتی، حالانکہ نیند کا غلبہ ایسا شدید تھا کہ نہ اس کی آنکھیں کھل پا رہی تھیں، نہ بیٹھا جاتا تھا، ایسی ہی لاچار تھی اس کی حالت، رات پتا نہیں کب تک وہ جاگی اور روئی تھی، اس پہ ایسی سردی میں اس کے پاس اوڑھنے کے لئے بھی صرف اپنی گرم شال تھی، جو اس نے اپنے ساتھ آنے والے سوٹ کیس سے نکالی تھی، وہ شخص اتنا مہربان تھا نہ بالحاظ کہ بلا جھجک اس سے اپنی حاجت بیان کر دیتی، جبھی ساری رات ٹھٹھرتے گزاری، منیب اسے اٹھ کر بیٹھتا دیکھ کر مطمئن ہوتا باہر جا چکا تھا، اس نے باہر کی جانب نگاہ کی، مگر کچھ نظر نہ آیا، ہاں البتہ صحن کی لائٹ جل گئی تھی، جو کھڑکی کی درزوں کے رستے اندر جھانکنے لگی، نماز کے لئے نکلتے لوگوں کی آوازیں گلی سے یہاں تک آ رہی تھیں، اس نے جمائیاں لیتے اٹھ کر دروازہ بند کرنا چاہا، صبح منہ اندھیرے کا پرفسوں وقت اور اس کی آنکھوں میں جلتی رات، جو ابھی بھی پلکوں کی دہلیز پہ بیٹھی رتجگا منانے کی کہانی سناتی تھی۔

بار بار جمائیاں روکتے اس نے بہت کوشش کی تھی، جاگتے رہنے کی مگر سامنے موجود گرم بستر اور سب سے بڑھ کر اس شخص کی غیر موجودگی اسے اکسا رہی تھی کہ ٹھنڈ سے اکڑے جسم کو سکون آمیز حدت کے لئے، چاہے چند گھڑیوں لمحوں کو سہی، اس کا ارادہ بھی فقط اتنا ہی تھا مگر بستر میں آ کر وہ خود کو غافل ہونے اور گہری نیند سے بچانے پہ قادر نہیں رہی، دو گھنٹے بعد جب اماں اسے دیکھنے آئیں، تب بھی وہ ہنوز بے خبر تھی، انہوں نے دو آوازیں بھی دیں، مگر اس کی نیند اتنی گہری اور بھرپور تھی، جواب دینا تو دور کی بات تو ہلی تک نہیں، اماں جو اسے منیب کے بستر پہ اس بے تکلفی سے سوتے پا کر ہی مطمئن ہو گئیں تھیں، اتنی گہری نیند سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرتیں اچھی

خاصی نہال ہو کر مسکراتی گئی تھیں۔

''اٹھی نہیں دیورانی۔'' آج کنیز کی بجائے چولہے کے آگے بھرجائی تھی، ایسے مواقعوں پہ وہ آگے ہو کر چودراہٹ کرنا اور اپنی اچھائی کی دھاک بٹھانا خوب جانتی تھیں، اماں جواباً طمانیت آمیزی سے مسکرائیں۔

''سو رہی ہے، بہت گہری نیند تھی، مجھے بے آرام کرنا چنگا نئیں لگا، ناشتے کا کیا ہے، ذرا ٹھہر کے کرے گی۔'' اماں کے لہجے و انداز میں محبت و اپنائیت بھری ہوئی تھی، بھرجائی البتہ بہت سطحی انداز میں ہنسیں۔

''آہو تے ہور کی، خیر سے سہاگ والی ہوگئی ہے اب تو، دیور جی نے بھی کئی ورے اکیلا رہ کے گزارے، رات جاگنا ہی تھا انہیں، اچھا ہے کرے نیند پوری، یہاں بھی کوئی ہل تھوڑے چلانے ہیں۔'' اسی پل بسکٹ اور رسک کے بڑے بڑے لفافے اٹھائے کچن میں آتے منیب کو ترچھی نظروں سے دیکھتے بھرجائی نے گویا اسی پہ نشانہ لگایا، منیب کا چہرہ جانے کسی جذبہ کے تحت بے تحاشا سرخ پڑ گیا، لفافے شلیف پہ رکھنے کے بہانے وہ ہر تاثر مخفی کر گیا تھا ان سے۔

''دیور جی آپ ابھی ناشتا کرو گے یا اپنی نئی نویلی ووہٹی کے انتظار میں بھوکے رہو گے، ویسے جاگے تو تم بھی ہو رات بھر مگر سو اب وہ اکیلی رہی ہے، تم بھی آرام سے اٹھ جاتے۔'' بھرجائی ن ایک بار پھر اسے چھیڑا، منیب نے ان کی کسی بات کا جواب دینا گوارا نہیں کیا۔

''مجھے ایک کپ چائے دے دیں اماں اور حمدان ابھی تک نہیں جاگا؟'' اس نے ان کی بجائے اماں کو مخاطب کیا، مگر وہ بھرجائی ہی کیا جو تیلی پھینکنے آگ لگانے سے باز آ جائے۔

''اوئے ہوئے، یعنی اب ناشتہ بھی اکیلا نہیں کرے گا تو، ایک ہی رات میں اتنا دیوانہ ہو گیا تو پھر......'' اپنی بات سے محظوظ ہو کر وہ خود ہی ٹھٹھا لگا کر ہنسنے بھی لگیں، جبکہ منیب اندر امنڈتا اشتعال دباتا ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل آیا، انہیں سخت جواب دے کر وہ تماشا کھڑا کرنے کے حق میں نہیں تھا، ورنہ ایسے واہیات مذاق بالکل برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس شدید غضب بھرے انداز میں پیر پٹختا وہ پھر کمرے میں آیا تو غانیہ کو اپنے بستر پہ محوخواب دیکھ کر اپنی جگہ پہ ٹھٹک کر تھم گیا، اسے غانیہ کی ڈھٹائی پہ غضب کا تاؤ آیا تھا، جبھی اندر امنڈتا اشتعال دبائے بغیر وہ آگے بڑھا اور اس کی کلائی پکڑ کر ایسا زوردار جھٹکا دے کر کسی بے وزن شے کی طرح دوسری جانب دھکیل دیا، غانیہ تو سو رہی تھی، بے ہوش بھی ہوتی اگر تو اس افتاد پہ تب بھی ہوش میں آ جاتی، وہ ہلکی سی چیخ مار کر اٹھی تھی اور منیب کے موڈ کو دیکھ کر جیسے نیند تو کیا سانس بھی تھم گئی۔

''بے شرم عورت، میں تمہیں جگا کر گیا تھا، رات تمہیں کچھ باور بھی کرایا تھا، کہ میرے بستر پہ تمہاری ہرگز جگہ نہیں، پھر اس جسارت کا کیا مطلب ہے؟'' ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے دیکھتے ہوئے آتش فشاں کی مانند چنگاریاں اڑاتا کھولتا جھلستا وہ کمرے میں ادھر ادھر پاگلوں کی طرح چکراتا اسی شعلہ بار انداز میں غرایا جس میں، جس میں وہ رات کو گرج رہا تھا، غانیہ کی روح فنا ہونے لگی، خوف کا احساس اس کے وجود پہ لرزے کی صورت ظاہر ہوا۔

''مم...... معاف کر دیں، ...... مم...... میرا ارادہ آپ کی حکم ادولی نہیں کرنا تھا، قسم سے

لیس...... مم...... میں تو۔'' وہ اپنی صفائی دیتے ہوئے کانپنے لگی۔

''کیا میں تو......'' وہ بھڑکا، وہ پھنکارا، بھرجائی کی باتوں کا اثر تھا کہ اس کا دماغ گھوما ہوا تھا، ایسے میں وہ ناجائز جو اس کے ساتھ بے سلوکی کا مرتکب ہو رہا تھا، اس کا احساس بھی کیسے ہوتا۔

''آئی ایم ساری، رات کمبل نہیں تھا میرے پاس، سردی بہت تھی تو۔'' روتے ہوئے اس نے اٹک اٹک کر وضاحت کی، کہ جواب ضروری تھا، ورنہ گستاخی نہ ہو جاتی شان میں، ستا ہوا چہرہ آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے شاداب چہرہ اترا ہوا تھا، گلابی رنگت میں رات بھر میں زردیاں اتر آئی تھیں۔

''سردی زیادہ تھی یا تمہارے نفس کی بھوک...... جو تمہیں یہاں تک لے آئی۔'' منیب نے اس کی کلائی اس وحشت سے پکڑ کر دوہری کی کہ برداشت کرتے کرتے بھی اس کے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی، مگر اس سے زیادہ تکلیف اس کے الفاظ نے دی، اس کا جملہ تھا کہ تلوار کی کاٹ کہ اس کا جیتا جاگتا بدن دولخت ہو گیا، ایسی شدید تکلیف ہوئی تھی اسے کہ آنسو بھی آنکھوں میں جم گئے، وہ سکتہ زدہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی، پھر جانے کیا ہوا کہ منہ پہ ہاتھ رکھے پلٹ کر بھاگتی واش روم میں جا گھسی، دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا، بند دروازے کے پیچھے آہوں کراہوں اور سسکیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا تھا، جسے ہونٹ بھینچے سنتا منیب کوفت زدہ ہوتا جھلا کر کمرے سے ہی نکل گیا۔

☆☆☆

دوبارہ واش روم سے باہر وہ تب نکلی جب کسی نے بہت زور زور سے دروازہ پیٹا تھا، اس کی سسکیاں ایکدم سے تھم گئیں، ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے گال پونچھتے اسے یہ فکر لاحق ہوئی تھی، کسی نے اس کے گریہ وزاری کا راز تو نہیں پالیا، اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی کہ منیب کمرے میں نہیں ہے، ٹونٹی کھول کر اس نے ٹھنڈے یخ پانی کے چھپاکے بے دریغ منہ اور آنکھوں پہ مارے تھے، کچھ ایسے کہ جلتی ہوئی آنکھیں اور تمتماتا ہوا چہرہ بھاپ چھوڑنے لگا، اس کام سے فراغت کے بعد منہ پونچھنے کو تولیہ ڈھونڈنا چاہا جو نہیں ملا تو غیر شعوری طور پہ دوپٹے کے پلو کو کام میں لانا چاہا تھا، مگر اس پہ منکشف ہوا دوپٹہ بھی اس کے پاس نہیں ہے، گہرا سانس بھرتے اس نے بے بسی کے احساس سمیت چہرے سے پانی کے قطرے جھٹکے اور خود کو سنبھال کر باہر نکل آئی، پہلے ہی مرحلے پہ مگر شرمندہ ہونا پڑا منیب کے ساتھ کنیز بھی کمرے میں موجود تھی، ناشتے کی ٹرے میز پہ رکھتی ہوئی، پلکیں اٹھائے بغیر بھی اس منیب کی سلگتی بھڑکتی نظروں کی تپش اپنے چہرے پہ محسوس ہوئی تو قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

''السلام علیکم! میری شونی بھابھی زندگی کی نئی صبح مبارک ہو۔'' کنیز اسے دیکھتے ہی کھل گئی تھی، دونوں بازو پھیلا کر والہانہ انداز میں اسے لپٹا لیا، وہ بامشکل مسکراہٹ کا تاثر دے سکی۔

''میرا ویرا کیسا لگا تمہیں؟'' بیڈ پہ پڑا اپنا دوپٹہ جو آدھے سے زیادہ لحاف میں دبا ہوا تھا کھینچ کر نکالتے وہ کاندھے پہ ڈال رہی تھی جب کنیز نے اسے شانوں سے تھام کر سرگوشی کی، غانیہ پھر سے ساکن ہو گئی، جھکی نظروں سے الماری سے کچھ ڈھونڈتے منیب کو دیکھا، جو انہیں سن پایا بھی تھا

کہ نہیں، مگر وہ ضرور خائف ہو گئی تھی۔

''مجھے کون سے کپڑے پہننے چاہیں، کچھ سمجھ نہیں آ رہی، پلیز تم مدد کر دو کنیز۔'' وہ کمرہ سمیٹنے کا آغاز کر چکی تھی، گیلا تولیہ منیب کے سلیپر اک ساتھ دونوں چیزیں اٹھائیں تو کنیز نے جھلا کر دونوں ہی چھین لیں۔

''ناشتہ کرو، اسے میں دیکھ لوں گی۔''

''نہیں میں کر لوں گی کنیز۔'' وہ رواداری سے مسکرائی، کنیز نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں تم ہی کرو گی، مگر ابھی تو وہ بتا دو جو میں نے پوچھا ہے۔'' غانیہ کے اندر تک اذیت پھیل گئی، منیب کے ہر انداز میں موجود حقارت اس کے اندر تک ٹوٹ پھوٹ پیدا کر گئی تھی، پھر کیا بتاتی بھلا وہ۔

''پلیز۔'' بے بس کی نگاہ سے اسے دیکھتے وہ یہی کہہ سکی، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''آؤ ناشتہ کرتے ہیں۔'' بات بدلتے اس کے لہجے میں از خود اعتماد بھر گیا تھا، جسے کنیز نے بالخصوص محسوس کیا۔

''میں تو کر چکی ہوں، یہ تمہارا اور ویر کا ہے، آ جاؤ ویرے۔'' کنیز نے ہنس کر کہتے اس کا اعتماد ایک بار پھر بکھیر دیا۔

''مجھے چائے ہی پینی تھی، وہ لے چکا میں۔'' ہاتھ میں کوئی لفافہ لے کر باہر نکلتے اس نے جواب بھی اپنی بہن کو دیا تھا، غانیہ جیسے ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی بیٹھی رہی کنیز نے پلٹ کر اس پہ اک نگاہ کی تھی، وہ اسے ہاری ہوئی لگی، تو دل جیسے کسی نے کلیجے سے نوچ نکالا۔

''غانیہ! تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو۔'' کنیز اس کے پاس آ کر مضطربانہ سوال کیا، غانیہ کی دلکشی رعنائی میں کہیں بھی سہاگن جیسا چلبلا پن وہ حجاب نہیں تھا، وہ شرم و حیا نہیں تھی، جو کسی دلہن کے انداز میں از خود چھلکتی محسوس ہوا کرتی ہے، وہ بے رونق گم صم اور ویران لگتی تھی۔

''کیا بولوں؟'' وہ آہستگی سے ہنسی، گویا خود کو بہلانا چاہا۔

''میرے پاس ابھی بتانے کو کچھ نہیں ہے کنیز، تم نے کہا تھا، میرا صبر میری برداشت جیت گئی تو انہیں بھی جیت لوں گی، ابھی تو آغاز ہے۔'' وہ اپنے ساتھ کنیز کو بھی حوصلہ دے رہی تھی، کنیز اب بھی کچھ نہیں بولی، ہاں اسے اصرار کر کے ناشتہ ضرور کراتی رہی، پھر کپڑے نکال کر دیئے تھے۔

گاؤں میں رواج ہوتا ہے محلے کے بچے اور خواتین دلہن کو دیکھنے آیا کرتے ہیں، کنیز نے اسے اسی حساب سے تیار کیا دوپہر تک یہی سلسلہ چلتا رہا، غانیہ خاصی بے چینی محسوس کر رہی تھی، اس بے تکی نمائش سے، خواتین کے تبصروں سے وہ اندازہ کر پائی تھی کہ وہ سب کی سب منیب کی قسمت پہ رشک کر رہی تھیں، جسے پھر سے اتنی حسین کم عمر اور سنہری لڑکی مل گئی تھی، یہ الگ بات جس کی قسمت پہ ناز کیا جا رہا تھا، اسے اس خوش بختی پہ اعتبار تھا نہ یقین۔

ادھر اس کے لیے بیوٹیشن کا انتظام نہ ہو سکا تھا، گاؤں میں ان چونچلوں میں پڑنا کوئی گوارا بھی نہیں کرتا، جبھی بھر جائی نے اسے خود سے تیار ہونے کا کہہ دیا۔

''اگر تمہاری جگہ کوئی پنڈ کی کڑی ہوتی تو اسے اس کی سکھیاں مل کر دلہن بنا دیتیں، پر ہم جانتے ہیں تجھے ان کی لگائی سرخی پاؤڈر پسند نہیں آئے گا، فیر آپی کر لے تو۔'' اور غانیہ نے بہتر یہی سمجھا تھا کہ وہ خود تیار ہو لے بجائے اس کے کہ اناڑی لڑکیاں اسے عجوبہ بنا لیتی۔

''حمدان کہاں ہے بھابھی! مجھے ابھی تک ملنے نہیں آیا۔'' بھرجائی پلٹ کر جا رہی تھی جب اس نے دل میں بے چینی پھیلاتا سوال کر لیا اور اگلے لمحے احساس بھی ہو گیا غلط سوال کر لیا ہے، کہ بھاوج کے چہرے پہ کرختگی آمیز سا تمسخرانہ تاثر پھیل گیا تھا۔

''باپ کے ساتھ دادے اور چاچے کا بھی سر چڑھا ہے، ہوگا انہی میں سے کسی کے کندھے پہ سوار، تجھے ملنا ہے تو بھیج دیتی ہوں، پر اتنا سر نہ چڑھانا اسے، سوتن کی اولاد ہے، تیرا کبھی نہیں بنے گا، بس تو دیور جی کو مٹھی میں کر۔''

جس وقت بھاوج اسے یہ گر سکھا رہی تھیں عین اسی پل منیب نے چوکھٹ پہ قدم دھرا تھا، میرون بھاری پشواز میں ملبوس آئینے کے آگے بیٹھی میک اپ کی تیاری میں بیوٹی باکس کی چیزیں نکالتی غانیہ کی نظریں منیب سے ملیں، یہ تصادم بہت معنی خیز نہیں تھا، تلخی و تنفر کے ساتھ گڑبڑاہٹ کے ہمراہ تھا، غانیہ کا رنگ فق ہوا تو وجہ منیب کی نگاہوں کا طنزیہ انداز تھا، وہ غلط نہ ہوتے ہوئے بھی گویا ایک بار پھر اس پہ غلط ثابت ہوئی، جبھی بہت گھبرائی سی نظر آئی، بے چینی بے تابی اضطراریت کے ساتھ شرم گھبراہٹ خفت و خجالت بھی اس پہ حملہ آور ہوئی، بھاوج تو منیب کی جھلک دیکھ کر ہی غائب ہو گئی تھیں، جبکہ وہ خزاں زدہ پتے کی مانند لرزتا دل لئے ہراساں سی بیٹھی اسے قدم با قدم اپنی جانب بڑھتا دیکھتی رہی۔

اس کا خیال تھا وہ طنز کے تیر چلائے گا، اپنے الفاظ کی سنگینی و سفاکانہ طرز عمل سے پھر اس کے دل کو زخمی و گھائل کرے گا، مگر غیر متوقع طور پہ اس جانب خاموشی تھی، اسی خاموشی سے وہ اس سے کچھ فاصلے پہ رک کر ڈریسنگ ٹیبل کی لاکڈ دراز کھول کر کچھ نکالنے میں مصروف ہوا تھا تو غانیہ کو اک لمحے کو لگا وہ بھاوج کو گوہر افشاں سے محظوظ رہا ہے مگر ایسا نہیں تھا، منیب چوہدری کی زہر میں بجھی بظاہر پرسکون آواز نے اسے جتلا دیا تھا۔

''تمہیں پوری اجازت ہے، اس تجربے کار گھاگ عورت کی شاگردی اختیار کرنے اور اس کے بتلائے تیز ہدف طریقوں پر طبع آزمائی کرنے کی، مگر جب ناکام رہو تو اسے مت بھولنا یہ بتانا کہ ہر مرد نہ تو بھا حبیب ہوتا ہے نہ ہی تمہارے والا گرامی جیسا بے حس اور جورو کا غلام کہ باقی تمام ذمہ داریوں اور حقوق سے دستبردار ہو کر سکون سے زندگی بسر کر لیتے ہیں۔'' اس کے سراسیمگی کے مظہر چہرے پہ چھیدتی نگاہوں کو جماتا کڑواہٹ بھرے بے لچک بے مہر انداز میں مشورے سے نواز رہا تھا، غانیہ کچھ نہیں بولی، آنسو چھلکاتی آنکھیں بھینچے ہوئے ہونٹ اس کے کرب اس کی بے بسی کی گواہی ضرور دیتے تھے۔

''آ......آپ غلط سمجھے ہیں منیب، میں تو ان سے کچھ بھی۔'' اس کی بات مکمل نہیں ہو سکی، منیب نے اس کا بازو وحشی انداز میں جکڑا اور طوفانی انداز میں کھینچ کر اپنے مقابل کرتے ہی اس کا چہرہ اپنے فولادی ہاتھ میں اس بری طرح جکڑا کہ وہ ہل بھی نہیں سکی۔

''ول یو شٹ اپ، مجھے تمہاری جھوٹی وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے، تم...... کچھ بھی کر لو کامیاب نہیں ہو سکتیں، یہ بھی نہ بھولنا تم کہ تمہاری یہ حسن و خوبصورتی میری کمزوری ثابت ہو گی، تمہاری دلکشی و جاذبیت قدموں کی ٹھوکروں میں پڑے ہیں میرے اور پڑے رہیں گے، اس لئے بھی کہ میں جانتا ہوں یہی ڈیزرو کرتی ہیں تم جیسی عورتیں۔'' اس کے لفظ لفظ سے آگ برس رہی تھی، غانیہ پتھرا سی گئی اس درجہ ذلت کے مظاہرے پہ، اسے لگا وہ بالکل درست کہہ رہا ہے، اس وقت حسن و جاذبیت کے سوتے پھوٹ رہے تھے اس کے وجود سے اس مغلیہ طرز کی فراک میں اس کا زہر شکن سراپا اپنی تمام تر رعنائی اور سحر انگیزی کے ساتھ گویا کسی بیش قیمت جگمگاتے فانوس کی روشنیوں کو بھی مات کرتا تھا، مگر منیب چوہدری پہ اس جیتی جاگتی قیامت نے کوئی حشر نہیں ڈھایا، وہ وہی بدگمان جارح اور درشت خو منیب تھا جسے اس کی صورت سے چڑ اور بے جا نفرت تھی، وہ اسے جھٹک چکا تھا، جیسے کوئی بے کار ردی کاغذ کو لاپرواہی سے دور اچھال دے، ایسا ہی انداز تھا، غانیہ لڑکھڑائی اور بیڈ کا کونہ تھام کر خود سنبھلی، دماغ سنسنا رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے کانپتی اور سسکتی رہی، جانے کتنی دیر یونہی بیتی، وہ خود کو سنبھالنے پہ قادر نہیں رہی تھی، ذلت کا یہ سلسلہ کتنا دراز تھا نہیں جانتی تھی، وہ خوددار تھی، عزت نفس کا یوں بار بار مجروح ہونا قدم قدم پہ ٹھوکر کھانا کیسے سہتی، اسے سہنا نہیں آ رہا تھا، وہ اسی اضطرابی کیفیت کے زیر اثر تھی کہ بھرجائی نے ایک بار پھر اندر جھانکا۔

''تم تیار نہیں ہوئی دیورانی؟'' ان کے لہجے میں تجسس تھا اور نظریں گویا چھید کر اندر تک اترتی بھید پانے کی خاطر کسی درندے کی مانند چابک دستی سے گردش کرتی تھیں، تمام تر سادگی و معصومیت کے باوجود غانیہ نے ان کے ٹوہ لیتے انداز سے جان لیا تھا کہ وہ اس کے والی معاملات سن گن لینے کو بے قرار ہیں، اس سوچ نے ہی اس کے چہرے کے عضلات کو تناؤ کی کیفیت بخشی تھی، کچھ کہے بغیر اس نے چہرے و آنکھوں کی نمی کو صاف کیا اور رخ پھیر لیا۔

''میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ کنیز کو بھی تم ہی دلہن بنا دینا، ہاں؟'' وہ آگے بڑھ آئی تھیں اور نظر نکا کر اس کے نم آلود گلاب چہرے کو بغور دیکھنے لگیں، غانیہ کو اس پل خود پہ ضبط محال ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں کچھ دیر میں آ جاتی ہوں۔'' ناگواریت کے باوجود اسے رسان سمیت جواب دینا پڑا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو آج، جبھی تو دیور جی کا باہر دل نہیں لگ رہا ہے، بہانے بہانے بار بار اندر آتا ہے، ویسے ابھی کچھ خاص کہا تم سے، میرا مطلب ہے پریشان لگ رہی ہو۔'' وہ اپنی فطرت سے مجبور تھیں، کمینگی کا مظاہرہ کیے بغیر گزارہ نہیں تھا، غانیہ کا دل چاہا تمام مروت و لحاظ بالائے طاق رکھ کر انہیں دروازے سے باہر دھکا دے ڈالے، حد تھی یعنی ڈھٹائی بے شرمی و بے غیرتی کی بھی، اس قدر مسلط ہو جانے والے لوگ اس سے پہلے کہاں دیکھے تھے اس نے، ہونٹوں کو سختی سے بھینچتی ہوئی وہ انہیں نظر انداز کرتی اپنا کام کرنے میں مصروف ہوئی، میک اپ کو فائنل ٹچ دیا اور دوپٹہ اٹھا کر سیٹ کرتی اٹھ کھڑی ہوئی، اگر منیب چوہدری کو ہی اس کی آرائش سے مطلب نہیں تھا تو اس کی اہمیت و جواز از خود ختم ہوتے تھے، انہیں وہیں کمرے میں چھوڑ کر وہ برابر کے

کمرے میں آئی تو کنیز کو اس کی سہیلیوں کے گھیرے میں پایا تھا، یقیناً لڑکیاں تیار کر رہی تھیں اسے اور یہ تیاری آخری مراحل میں تھی، کنیز اسے دیکھ کر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی جانب لپک آئی۔

''میں صدقے جاؤں، کتنی پیاری لگ رہی ہو، نظر لگ جانے کی حد تک، سچ بتانا، کی نا دیرے نے بھی تعریف؟'' کنیز کے شوخ وشنگ لہجے میں خوش گمانی بھی تھی، شرارت کے ساتھ ساتھ آس اور امید کا رنگ بھی، مگر غانیہ کا بجھتا ہوا چہرہ اپنی ناقدری کی خود کہانی سناتا کنیز کو چپ سی لگا گیا، شاید نہیں یقیناً غانیہ کو ابھی تاثرات چھپا کر بھرم رکھنے کا ہنر نہیں آسکا تھا، اپنی اپنی جگہ دونوں ہی نے اک دوجے سے نگاہ چرائی تھی، کنیز کی سہیلیاں البتہ ضرور غانیہ کو رشک وحسد سے دیکھتی تھیں۔

''باؤ وکیل کی ووہٹی ہے، کتنی پیاری ہے؟''

''باؤ وکیل ہی کم ہے؟ اڑیئے وہ تو خد شہزادہ ہے، پھر ایسی حور پری ہی ملنی تھی اسے۔'' لڑکیوں کی سرگوشیاں اس تک پہنچتی مدھم ہوئی جاتی تھیں، جن پہ دھیان دیئے بغیر وہ کنیز کو مخاطب کر گئی۔

''بھابھی کہہ رہی تھیں تیار کر دوں تمہیں، مگر تم تو آل ریڈی تیار ہو چکی ہو۔'' پھیکی مسکان سمیت کہتی وہ بات بدل گئی تھی، کنیز جانے کیوں جھینپی، پھر اس کا گال محبت بھرے انداز میں چھو کر گویا ہوئی۔

''ارے نہیں، تم تو خود دلہن ہو، اتنے بھاری لباس اور زیورات کو سنبھال کر اک جگہ بیٹھ جانا بھی بہادری ہے، کمال درجے کی مشقت ہے گویا، اس پہ مزید ستم کیا ڈھاتے۔'' کنیز مسکرا کر قدرے خوشدلی سے بولی تو اس میں اضافے کا شوخ تڑکا اس کی پڑھی لکھی سہیلی نے بھی لگانا ضروری سمجھا۔

''جبکہ یہ جتنی حسین ہیں ان پہ ان کے دولہا نے ہی پیار کے ستم آل ریڈی بہت ڈھا دیئے ہوں گے، پھر ہمیں تو خیال کرنا چاہیے تھا۔''

کنیز نے غانیہ کا رنگ پھیکا پڑتا دیکھ کر ہی اپنی سہیلی کے بازو کو ٹہوکا دے کر ایسی قسم کی گفتگو سے روکا، ماحول میں ایک دم سہیلی کے محتاط ہونے پہ خاموشی چھا گئی، عجیب سی خاموشی، جس میں بے چینی بھی تھی، اضطراب بھی سانس لیتا تھا، اس سے قبل کہ کوئی کچھ بولتا سہیل دادی اماں کے ہمراہ چلا آیا تھا، دادی یقیناً کنیز سے ملنے آئی تھیں، مگر اسے بھی وہاں پا کر انہوں نے بے حد شفقت ومحبت سمیت اسے گلے لگایا، پیار کیا تھا۔

''سدا سہاگن رہو، اللہ نصیبا اچھا کرے۔'' انہوں نے سلامی کے طور پہ ایک نوٹ بھی اس کی مٹھی میں دبا دیا، سہیل اسے متبسم نظروں سے دیکھتا ہاتھ ماتھے پہ لے جا کر عاجزانہ سلام کر چکا تھا۔

''شادی کا سب سے بڑا فائدہ تو مجھے یہی لگتا ہے، بیٹھے بٹھائے دولہا دلہن ہزاروں کما لیتے ہیں، اب تو میرا بھی جی چاہ رہا ہے فٹافٹ شادی کرا لوں، جیب خاصی غریب ہو رہی ہے قسم سے۔'' اس کی بے تکی بات پہ کنیز کی سہیلیوں میں دبی دبی ہنسی کی جھنکار اور سرگوشیاں بکھرنے لگیں، چند شوخ فقرے بھی اچھالے گئے، جنہیں سہیل نے خاصی تبرک سمجھ کر وصولا اور مزید پھلجھڑیاں چھوڑی تھیں۔

''چاچو اور بیبو دونوں یہاں ہیں، میں باہر اتنی دیر سے ڈھونڈ رہا تھا آپ کو۔'' چھوٹے سے

پینٹ کوٹ میں ملبوس حمدان اک نئی چھب کے ساتھ سامنے تھا، وہ ابھی بچہ تھا، محض آٹھ سال کا بچہ، مگر اس کے چہرے کی سنجیدگی اپنی عمر سے میل نہیں کھاتی تھی، وہ باپ کی طرح لگتا تھا، گمبھیر اور دلکش، غانیہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''میرے شہزادے صرف چاچو اور پپو نہیں آپ کی ماما بھی ادھر ہی ہیں، ملے آپ ان سے؟'' سہیل نے بڑھ کر اس کے کاندھے پہ بازو حمائل کر کے اسے غانیہ کے روبرو لا کھڑا کیا، غانیہ اک خوشگوار تجربے سے آشنا ہوئی، دل سینے میں بے ساختہ انوکھے محبت سے لبریز شفقت آمیز انداز میں دھک دھک کرنے لگا، آنکھوں میں اداس کی جگہ ایک چمک نے لے لی، حمدان اس تعارف پہ خفیف سا چونکا تھا اور بے حد اشتیاق سے جوش بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''یہ مما ہیں؟'' اس کی آواز خوشی سے لرزی، وہ کتنا کھل اٹھا تھا، چہرے پہ آنکھوں میں یکلخت دیئے سے جل اٹھے تھے۔

''ہاں بیٹے، یہ آپ کی مما ہیں۔'' سہیل مسکرائے گیا تھا، پھر غانیہ کو دیکھا جس کی آنکھوں پہ اس سے جانے کس احساس کے تحت نمی تیرنے لگی تھی۔

''مجھے پپو نے بتایا تھا، میں گیا تھا ان کے روم میں بٹ تب سو رہی تھیں مما، رات کو پپا نے مجھے خود سلایا، میں نے مما کا پوچھا کہ اب تو گھر آ گئی ہیں، میں مل لوں، کہتے ہیں بعد میں ملنا۔'' تفصیلات بتاتے حمدان کے لہجے و انداز میں اس عمر کی مخصوص معصومیت و بھولپن تھا، غانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا تو حمدان کسی مقناطیسی کشش کے زیر اثر اس کے گلے لگتا سر شانے پہ ٹکا کر بولا تھا۔

''اب آپ مجھے چھوڑ کر دوبارہ تو نہیں جائیں گی ناں مما، میں ہر روز آپ کا ویٹ کرتا تھا، پر آپ آتی نہیں تھیں، آپ آتیں تو پپا مجھے ہاسٹل سے گھر لاتے، پھر میں اب گھر سے ہی اسکول جاؤں گا نا مما، ہاسٹل مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ اسے اپنے ننھے ننھے بازوؤں میں بھینچتا ہوا دل کی ساری باتیں کرنا چاہتا تھا، منوانا چاہتا تھا، قائل کر لینا چاہتا تھا جیسے، غانیہ کو لگا وہ اک دم چلچلاتی دھوپ سے گھنے سائے میں آ گئی ہو، یہ سچ تھا، اس شخص کی محبت اگر نخلستان تھا، تو حمدان کی محبت ٹھنڈے میٹھے چشمے کی مانند تھی، وہ اک دم سیراب ہوئی، مشکل کٹھن سفر میں اس کے لئے کوئی زاد راہ ہونا چاہیے تھا، یہ زاد راہ حمدان تھا، ہاں حمدان تھا۔

''بے فکر رہو میرے چاند، اب یہ کہیں نہیں جائیں گی، آپ کے پپا نے انہیں زنجیریں ہی ایسی پہنا دی ہیں۔'' سہیل کا تسلی دینے کا بھی اپنا انداز تھا، کھلکھلا کر بولا تو غانیہ کے چہرے پہ سرخی سی چھا گئی۔

''اب ہر روز میں آپ کے ساتھ سوؤں گا، ٹھیک ہے نا مما۔'' وہ اس کی تصدیق کی مہر ثبت کرانا چاہتا تھا مگر اس سے قبل کنیز کی سہیلی نے پھر ٹانگ اڑا لی۔

''پتر اپنے ابے کے حق پہ کیوں ڈاکہ مار رہا ہے، اینا ظلم تے نہ کر۔'' اک اجتماعی قہقہہ بلند ہوا، کنیز اپنی سہیلیوں کو گھورتی رہ گئی، حمدان کو خاک سمجھ آنی تھی، غانیہ کا چہرہ سپاٹ رہا، حمدان کی البتہ تسلی اس کا گال سہلا کر کر دی تھی اس نے۔

''لیکن پپا نہیں مانتے مما، زبردستی ہر بار ہاسٹل چھوڑ آتے ہیں، لیکن آپ اب آ گئی ہیں تو

آپ انہیں کہیے گا، حمدان کو مما کے ساتھ رہنا ہے رائیٹ۔" وہ اک ساتھ سارے وعدے لے لینا چاہتا تھا، غانیہ عجیب مشکل میں پڑی، بھلا اس شخص کی مرضی کے خلاف چل لیتی وہ مگر یہ معصوم فرشتہ اپنے باپ کے نزدیک زبردستی بن جانے والی اس ماں کی حیثیت سے آگاہ نہیں تھا، وہ ابھی وہیں تھی جب شہر سے مہمانوں کی آمد اور استقبال کی ہلچل مچی، ہر کوئی انہیں خصوصی اہمیت سے نواز رہا تھا، کنیز کی سہیلیاں جو ابھی یہاں تھیں پھولوں کی پتیوں سے لدی پلیٹیں اٹھائے باہر بھاگ گئیں، تائی ماں تاؤ جی اور سہیل کی معیت میں اس کی فیملی وہیں چلی آئی، اک وہی نہیں تھا جسے ہونا چاہیے تھا، غانیہ باری باری سب سے ملی مگر نغمہ نے جس طرح خصوصی طور پہ اسے گلے لگایا وہ اس کی محبت کی شدت کا گواہ تھا، ایک بار پھر اس کا دل گداز ہوا اور آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

"منیب صاحب کدھر ہیں، اسے تو بلا کے لاؤ بھئی یہاں، سورے آئے ہیں اس کے۔" بھا حبیب کے ہنس کر کہنے پر تاؤ جی نے فوراً ٹوک ڈالا۔

"کوئی سورے شورے نئیں، چاچا ہی ہے جمالا اس کا پہلے کی طرح اور غانیہ جیسے پہلے میری دھی تھی، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی، نہ میں نے اسے نوں بنایا نہ سمجھوں گا۔" اپنی بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے بالخصوص غانیہ کو مخاطب کرتے اس کے سر پہ دست شفقت رکھ دیا تھا۔

"پتری تجھے کوئی لوڑ نئیں ہے منیبے سے ڈرنے کی، کبھی الٹا سیدھا کچھ بولے تو مجھے بتانا، چنگی طرح کن کھنچوں گا اس کے۔" ان کے مان بھرے انداز میں عجیب سا ٹھسا بھی تھا، پپا اس ٹھسے پہ ہنسنے لگے تھے۔

"آپ کی عادتیں اور مزاج نہیں بدلا بھائی، دنیا کہاں کی کہاں پہنچ گئی۔" تاؤ جی بھائی کی بات پہ فخریہ مسکرائے، گویا داد وصول کی۔

"دنیا کی کیڑی گل ہے، اگر وہ مشرکوں منافقوں کے پیچھے تر پی ہے تو ہم بھی اپنا چال چلن چھوڑ دیں گے تو بے وقوفی ہماری ہے، تاں کہ کسی ہور کی۔"

"یہ بیٹا ہے منیب کا، ماشاء اللہ بہت کیوٹ ہے۔" عامر بھائی نے غانیہ کا آنچل تھامے کھڑے معصومیت سے سب کی شکلیں دیکھتے حمدان کا گال چھوا، غانیہ نے حمدان کو بازو کے حلقے میں لے کر مسکرا کر اسے دیکھا اور شگفتگی سے بولی۔

"جی بالکل یہ حمدان ہے، بیٹے سلام کرو انکل کو، اور یہ عمر بھائی ہیں، عمر جانی بھائی سے شیک ہینڈ نہیں کرو گے آپ۔" وہ پوری طرح بچوں میں مگن تھی جب منیب نے وہاں قدم رکھا اور اس کا یہ مگن انداز سرسری نگاہ سے دیکھ کر دوسری سمت متوجہ ہو گیا، فرداً فرداً سب سے ملتے اس نے کسی کی نرم نظروں کا حصار اپنے گرد بندھتا محسوس کیا تو حلق میں تلخ تر احساس بھر کر رہ گیا۔

"اوئے کپڑے کیوں نہیں بدلے تو نے، آج ولیمہ ہے تیرا، اپنی ووہٹی کو ہی دیکھ لینا تھا، کتنی سوہنی لگ رہی ہے ماشاء اللہ، پر تو اس کے مقابل اتنا ہی کوہجا، یہی خیال کر لینا تھا سب کیا سوچیں گے۔" منیب بارات کے انتظام سنبھالے ہوئے تھا، صحیح معنوں میں اسے اتنی فرصت ہی نہ میسر آئی تھی کہ لباس تبدیل کر لیتا، رات کے سفید کرتا شلوار میں ہی گھوم رہا تھا، جن پہ شکنیں پڑ چکی تھیں، اک دو بار دیگوں کے پاس سے گزرتے کالک بھی کپڑوں پہ لگ چکی تھی، جس پہ اس کا تو کم از کم

دھیان نہیں جا سکا تھا، چلا بھی جاتا تو وہ کہاں ان باتوں کو اہمیت دینے والا تھا، جب شادی کے نام پہ ہونے والا یہ ڈرامہ ہی اسے نہ بھایا تھا تو ان نزاکتوں پہ کس کافر کو خیال رکھنے کی پڑی تھی، مگر ابا جی کو ضرور اسے آڑے ہاتھوں لینے اور لتاڑنے کا شوق چڑھا رہتا، غانیہ نے سب کے درمیان ہونے والی اس عزت افزائی پہ خائف ہوتے مگر محتاط نظروں سے گریزاں انداز میں اسے دیکھا، اس کی توقع کے عین مطابق سرخ چہرے کے ساتھ وہ ہونٹ بھینچے بیٹھا نظر آیا، یوں گویا بہت مشکل سے خود پہ ضبط کیا ہو۔

"صرف اس کا ولیمہ ہی نہیں ہے بھائی جان، بہن کی بارات بھی ہے، کاموں میں لگ کر فرصت نہ ملی ہوگی، ایسے بھی سب سے پیارا لگ رہا ہے ماشاء اللہ۔" پپا کے انداز میں منیب کے لئے چھلکتا محبت کا رنگ بہت بے ساختہ و گہرا تھا، وہ تاؤ جی کا غصہ کم کرنا چاہ رہے تھے یقیناً مگر غانیہ کی پھر بھی گھبراہٹ کم نہیں ہو پائی، مگر تاؤ جی پھر بھی کہاں قائل ہو پائے، جبھی بڑبڑاتے رہے، منیب کو کچھ دیر بعد پھر بلاوہ آ گیا تو وہ اس خاموشی و سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے اٹھ گیا جس کا وہ اب تک مظاہرہ کرتا آیا تھا، فضہ کی پرتشویش نگاہیں بہت سوال لئے غانیہ کی سمت اٹھیں جو سب ٹھیک ہے کا ثبوت دینے کی کوشش میں بدستور لبوں پہ مسکان سجائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

کنیز کی رخصتی ہوتے ہی اکثر مہمان بھی واپس ہو لئے تھے، صرف بہت نزدیکی رشتے دار قیام پذیر تھے، کہ جنہیں کنیز کے ولیمہ میں شرکت کرنی تھی، چونکہ ایک حد تک مہمان رخصت ہو چکے تھے، جبھی گھر کی فضا میں یکلخت سکون اور خاموشی اتر آئی، بھرجائی تائی اماں اور نائن (کام کرنے والی عورت جو شادی بیاہ میں کام کاج کیا کرتی ہیں) کے ساتھ مل کر پھیلاوہ سمیٹنے اور کرائے پہ منگائے برتنوں کی گنتی کرا کے سہیل کے ہاتھ باہر بھجوا رہی تھیں، بھرجائی نے اس دوران گھر کی صفائی اور دھلائی کا کام نپٹایا چونکہ رات ہو چکی تھی جبھی مہمانوں کو ازسرنو کھانا کھلا کر بستر لگا دیئے۔

تاؤ جی کے ساتھ منیب باہر ٹینٹ اتروا رہا تھا، اس نے لباس بدل لیا تھا مگر مزاج کا رنگ وہی تھا، سردسپاٹ، تناؤ بھرا تلخ، تھکاوٹ تو غانیہ کو بھی بہت ہو گئی تھی، ویسے بھی اک تھکاوٹ جسمانی ہوتی ہے اک روحانی و اعصابی، اسے آخرالذکر تھکانوں نے آ دبوچا تھا، اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے پہلے زیورات اتارے تھے، پھر نسبتاً سادہ لباس پہن لیا، جس وقت وہ کپڑے سمیٹ کر رکھ رہی تھی دروازہ کھلنے کی آواز پہ بے ساختہ گردن موڑی اور فضہ کو روبرو پا کے بے اختیار گہرا سانس بھر لیا۔

"اتنی جلدی کپڑے بھی بدل دیئے۔" فضہ کی آنکھوں میں خفگی سی خفگی تھی، غانیہ کیا جواب دیتی محض مسکرا دی۔

"اب بدلنے ہی تھے ناں، تقریب تو ختم ہو گئی۔" اس کا لہجہ جتنا سرسری اور عام سا تھا فضہ نے اسی قدر بغائر نظر اسے دیکھا، جائزہ لیا اور جیسے کچھ اخذ کرنا چاہا۔

"کیا تمہیں منیب نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا؟" فضہ کا گمبھیر تر انداز غانیہ کو یکدم محتاط کر کے رکھ گیا، مگر پھر بھی کچھ الٹ بول گئی۔

"میں بھی نہیں، انہیں کیا کہنا چاہیے تھا۔" فضہ کی نظروں نے ہی اسے احساس بخشا تھا کہ وہ کوئی حماقت کر بیٹھی ہے تو از خود رہا سہا اعتماد بھی زائل ہوتا چلا گیا۔

"ولیمہ کی دلہن تمام لوگوں کو تعریفیں وصول کر کے بھی نامکمل رہتی ہے غانیہ، جب تک اسے شوہر کی تعریفی نگاہیں نہ وصول ہو جائیں، کیا تمہیں یہ چاہ نہیں تھی؟" فضہ کی سنجیدگی کا ہنوز وہی عالم تھا، غانیہ کی رنگت متغیر ہوئی، وہ ناتجربے کار اور کم فہم ہی نہیں فطری طور پہ سادہ و معصوم اور کم فہم بھی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی اس صورتحال کو کیسے سنبھالے قابو میں کرے، اپنا بھرم وہ کھونا بھی نہیں چاہتی تھی، یہ بھی سچ تھا کہ اس کا اعتماد اس کا مکمل طور پہ ساتھ چھوڑ چکا تھا، ایسے میں فضہ کی نظریں کچھ اور بھی قیامت تھیں۔

"اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ رونمائی کیا دی وکیل صاحب نے؟" فضہ نے از خود موضوع تبدیل کر دیا، مگر غانیہ کے لئے بھلا سولی اور پھانسی میں کیا فرق ہو سکتا تھا، اذیت و تکلیف کا احساس تو ایک جیسا ہی تھا نا، روح کو بچھو کے لگا تا ہوا، نارسائی ناقدری کے احساس سمیت رونما سا کرتا ہوا، قصور یا غلطی فضہ کی بھی نہیں تھی، وہ بیچاری تو عام اور رسمی سوال ہی کر رہی تھی، اسے کیونکر خبر ہو سکی تھی اس کا ہر لفظ اک پل صراط کا مرحلہ ثابت ہوا جاتا ہے، غانیہ کا رنگ ایکدم اڑا، اتنا تو جانتی تھی اگر اس مقام پہ جھوٹ کا بھی سہارا لیا تو جان بخشی نہیں ہو سکتی، فضہ کی فرمائش اسے پھنسا سکتی تھی، کہ وہ لازماً رونمائی گفٹ دیکھنے کی فرمائش کرتی، اس مشکل سے نجات اسے اس صورت مل سکی کہ دستک دیتے عامر بھائی کے ساتھ اسد بھائی اور مما بھی عمر کے ساتھ وہیں آگئیں۔

"ہم تمہارا کمرہ دیکھنے آئے تھے، مگر بیرسٹر صاحب نے تو سادگی و سنجیدگی میں اپنا کوئی ثانی ہی نہ چھوڑا۔" اسد بھائی کا لہجہ و انداز شگفتہ و شریر تھا، وہ ایک ہی نظر میں کمرے کا جائزہ لے چکے تھے۔

"ہم نے سوچا اصل محفل تو یہاں لگی ہو گی، مگر گڑیا رانی کا دولہا تو یہاں سے بھی غائب ہے۔" عامر بھائی کا سر تھپک کر کہتے مسکرائے، غانیہ نے خیر مقدمی مسکان کے ساتھ اٹھ کر انہیں صوفے پہ جگہ دی اور خود بیڈ کی پائنتی ٹک گئی، مما کی تنقیدی نظریں اس کے کمرے اور کمرے کی ہر شے پہ بھٹکتی اور تاسف و ملال چھلکاتی رہی تھیں، ان کے سوا ہر کوئی خوش نہیں تھا تو راضی بارضا ضرور نظر آتا تھا، جبھی ہلکی پھلکی بات چیت کے ساتھ ہنسی مذاق چلتا رہا اور ٹائم گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا، عامر بھائی کی نظر دس بجاتے وال کلاک پہ پڑی تو گزرتے ٹائم کا احساس کرتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے، غانیہ بھی تھکی ہوئی لگتی ہے، اسے بھی آرام کرنا چاہیے۔"

یہی وہ لمحہ تھا جب منیب دروازہ کھول کر مالکانہ بے تکلفی سمیت اندر آ گیا، مگر ان سب کو وہاں براجمان دیکھ کر محض اک لمحے کو ہی حیرانی اس کی آنکھوں میں اتری، اگلے لمحے وہ نارمل تھا، غانیہ جان سکی تھی کہ اسے خود پہ بہت کنٹرول حاصل تھا، بہت مضبوط تھے اس کے اعصاب مگر اس کے معاملے میں اسے ہرگز ہرگز برداشت نہیں تھی، اس کے معاملے میں ساری مضبوطی بھی بکھر بکھر جاتی تھی۔

"بیٹھیے آپ لوگ۔" انہیں کھڑے پا کر وہ بہت رواداری سے کہہ گیا۔

"ہم لوگ آپ سے ملنے ہی آئے بیٹھے ہیں کب کے، اب سونے کا ارادہ تھا۔" عامر بھائی کا جواب ان کے مزاج اور فطرت کے عین مطابق سادہ و پرخلوص تھا۔

"کچھ کولیگز آ گئے تھے لاہور سے، ان کے ساتھ مصروف رہا، آپ تشریف رکھیئے۔" قمیض کے کف فولڈ کرتا ہوا وہ آ کر بیڈ پہ غانیہ کے برابر بیٹھ گیا لہجے کی کلف بھی نسبتاً کم تھی، غانیہ جو اس کی نارمل گفتگو سے اچھی خاصی مطمئن ہوئی تھی مگر اس کے یوں برابر بے تکلفانہ انداز میں آ بیٹھنے پہ لمحہ بھر کو حق دق رہ گئی، منیب کا یہ یقیناً بھرم قائم رکھنے کے لئے کیا گیا معمولی اقدام تھا، مگر وہ اس گھبراہٹ کا کیا کرتی جو اس ساحرانہ نقوش کے حامل مغرور شخص کی قربت میں آتے ہی اس پر حملہ آور ہونے لگتی تھی، اسے منیب کے احساسات کی خبر نہ تھی، البتہ اس کا ہر احساس ضرور آمائش سے دوچار ہو چکا تھا۔

فضہ کی نگاہ اس پہ تھی، جبھی وہ اس تغیر سے باخبر ہو سکتی تھی جو غانیہ کے چہرے پہ انداز میں رونما ہوا، گھبراہٹ و حجاب آمیز تاثرات سے مزین لو دیتے چہرے کے ساتھ اس کی رنگت کی تمتماہٹ نیوی بیلو ہلکے کام کے سوٹ میں جتنی بھی جاذب نظر اور دلکش نظر آتی تھی، لیکن فضہ کے نزدیک باعث تشویش امر یہی تھا کہ ہمسفر کی یہ معمولی قربت غانیہ کی آسودگی کے بجائے بے چینی یا پھر سٹپٹاہٹ کا باعث آخر کیونکر بنی تھی۔

ہاں البتہ اس سے قطع نظر اگر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے ترچھے زوایئے سے بیٹھے منیب چوہدری کے انداز نشست سے لے کر انداز گفتگو کے اعتماد قابل دید اور پر اعتماد تھے وہ ہر لحاظ سے شاندار اور وجیہہ تھا، نپے تلے الفاظ، گمبھیر تر دھیما شائستہ لہجہ، نشست و برخاست کے انداز پر وقار، وہ واقعی چاہے جانے کے قابل لگتا تھا، غانیہ کا اس کی خاطر پاگل ہو جانا سمجھ آتا تھا، یہ جوڑ پرفیکٹ تھا، مگر غانیہ کی کچھ حرکات ضرور اسے ٹھنکا رہی تھیں، پریشان کر چکی تھیں، شادی شدہ عورت اپنے ہمسفر کی قربت میں مکمل اور با اعتماد نظر آیا کرتی ہے ہاں معاملہ برعکس تھا تو کیوں؟ وہ سوچتی اور الجھتی تھی، اسے گہرا تفکر گھیرنے لگا تھا، اس نے پھر پر تشویش نگاہ منیب پر ڈالی۔

"یہ کیا یہ روڈ اور زور آور نظر آنے والا شخص غانیہ کی شخصیت کو مسخ کرنے والا روایتی مرد ثابت ہوگا۔" اس کا دل گھبرا سا گیا، سوچ اتنی پر تشویش تھی، ایسی تفکر آمیز تھی کہ وہ از خود ماحول سے کٹنے لگی، اسے یاد آیا کچھ دیر قبل جب وہ غانیہ سے رونمائی کے تحفے کے بابت سوال کر رہی تھی تب بھی غانیہ کس درجہ کنفیوژ نظر آئی تھی، وہ اک اک بات کو جزئیات سے سوچتی تھی اور مضطرب ہوئی جاتی تھی۔

کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے تھے، غانیہ نے کمرے میں اس شخص کے ساتھ تنہائی میسر آنے پہ بہت محتاط قسم کی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"حمدان کہاں ہے؟" اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث منیب کی تیکھی سرد نظریں تھیں، الفاظ اس کی زبان پہ لڑکھڑائے، حلق میں پھنس گئے۔

"میں نے ہی منع کیا ہے، یار من کو یہاں اس کمرے میں آنے سے، جو ڈرامہ تم کر رہی ہو

اس میں میرے بیٹے کا معمولی کردار بھی نہیں ہونا چاہیے محترمہ، آپ جتنی دیر بھی یہاں قیام پذیر ہیں بہتر ہے کہ میرے بیٹے کو اپنا عادی نہ بنائیں، بہرحال تمہیں تو اک نہ اک دن دل اوب جانے پہ یہاں سے بھاگنا ہی ہے، میں نہیں چاہتا میرے معصوم بچے کے معصوم جذبات مجروح ہوں۔''

وہ محض بات نہیں کرتا تھا اپنی زبان سے انگارے برساتا تھا، کہ وہ جھلس جھلس جاتی، نشتر چلاتا تھا ایسے کہ غانیہ لہولہان ہوئے بغیر نہ رہ سکتی، پتھر برساتا تھا کہ اس کا بلوریں وجود اس ضرب کاری سے چکنا چور ہوئے جاتا، اس وقت بھی غانیہ کا رنگ بالکل پیلا ہو کر رہ گیا، ہونٹ بے بسی و رقت کی شدید کیفیت کے زیر اثر لرزنے لگے، آنکھیں بے ساختہ بھر آئیں لیکن اسے نہ پہلے رحم آیا تھا اس پہ نہ اب آیا، اسے تند نظروں سے گھورتا وہ جھٹکے سے پلٹ کر واش روم میں بند ہو گیا، پیچھے دروازہ ایک دھماکے سے چوکھٹ میں فٹ ہوا، اتنی زور سے کہ غانیہ اپنی جگہ پہ دہل کر رہ گئی، سہم سی گئی۔

''یہ منیب کے لئے دودھ ہے، تم نے پینا ہے تو بتا دو، لا دیتی ہوں۔'' بھر جائی اب اس بہانے اس کے سر پہ سوار تھیں، غانیہ کے چہرے سے بھاپ سی نکل رہی تھی، وہ خود کو ابھی سنبھال ہی نہ پائی تھی۔

''نہیں شکریہ۔'' وہ محض یہی کہہ سکی، اس کی آواز بوجھل اور مدھم تھی، دروازہ کھول کر باہر آتے منیب کو دیکھ کر اس نے نظریں دانستہ جھکا لیں۔

''بھر جائی اماں سے کہہ کر اک لحاف اور بھجوا دیں، غانیہ کو سردی کچھ زیادہ لگتی ہے۔''

''بھیج تو دیتی ہوں پر لحاف بیچارہ بھی کیا کرے گا اگر اس سردی کو تم کم کرنے میں ناکام رہے ہو دیور جی۔'' غانیہ جو منیب کی اس ہمدردی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی بھابھی کے چٹکلے پہ بالکل دہک سی گئی، پچھتایا تو منیب بھی تھا، کف لنکس پلٹ کر آستین فولڈ کرتے وہ بہت خوبی سے ان سنی کا تاثر دیتا دراز کھینچ کر کچھ ڈھونڈنے لگا، غانیہ البتہ اتنی آسانی سے اتنی سہولت سے خود کو نہیں سنبھال سکتی تھی، اس نے لرزتی ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹ کر خود کو مزید سمیٹ لیا، دانستہ اک دوسرے سے غفلت برتتے رہے تھے، برتتے رہے، یہاں تک کہ سر پہ لحاف رکھے سات آٹھ سالہ بچہ اندر آ گیا۔

''چاچو امی نے یہ رضائی بھیجی ہے چاچی کے لئے؟'' منیب نے محض ہنکارا بھرا اور اشارے سے لحاف رکھنے کو کہا تھا، فاروق لحاف بیڈ پہ اچھال کر خود اچھلتا کودتا باہر نکل گیا، منیب نے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کرتے اک سرسری نگاہ اس پہ ڈالی، جس کی پوزیشن میں ہرگز فرق نہیں آ سکا تھا۔

''یہ لحاف سنبھالو، بہرحال میں نہیں چاہتا تمہاری اکڑی ہوئی لاش اٹھانی پڑے۔'' اسی سرد و سپاٹ آواز نے پھر اس کو مخاطب کیا، غانیہ کچھ نہیں بولی، اٹھ کر لحاف بیڈ سے صوفے پہ منتقل کر لیا، دوپٹہ سر سے سرک گیا، کھلے بال گھٹاؤں کی مانند پھیل گئے، بکھر گئے، ریشمی لٹوں سے جھانکتا چاند چہرہ، منیب سرسری متوجہ تھا، مگر انسان تھا، وہ بھی مرد، کشش کے حسن کے بے بہا خزانے سے کیسے آسانی سے خود کو بچاتا، وہ تو دلکشی رعنائی نزاکت اور رنگ و خوشبو کا حسین سنگم تھی، اس کے نام تھی، اس پہ مرمٹی تھی، مگر اس پل کچھ بے نیاز اور لاپرواہ یا شاید بہت جز بز تھی، بے نیاز بھی لگی تو اس بے

نیازی کو ٹھیس لگائے بغیر نہ رہ سکا، آخر انا بھی بچانا تھی، جو اس پل اپنی بے خودی پہ نالاں تھی۔

''احسان مندی کے جواب میں اظہار تشکر نیکی کے جذبات کو تقویت دیتا ہے، لیکن ضروری نہیں ہر کوئی اس فہم و فراست اور فراخدلی کا مظاہرہ بھی کرے۔'' ابھی وہ سیدھی بھی نہ ہوئی تھی، اس درجہ نخوت آمیز جتلاتے انداز پہ بھونچکی ہو کر اسی زاویئے پہ ساکن رہ گئی، معاً وہ گردن موڑ کر متوجہ ہوئی، اس شخص کی نگاہ اس کے پر فسوں چہرے کی دلکشی میں کہیں اٹک رہی تھی، غانیہ کی بوکھلاہٹ کا عالم انوکھا ہونے لگا۔

''تھینکس...... تھینکس الے لاٹ۔'' وہ اتنا ہی بوکھلا چکی تھی کہ بے ربط ہونے لگی، اب کے منیب کچھ نہیں بولا، اپنے بستر پہ اطمینان سے بیٹھا پر نیم دراز ہونے کے بعد لحاف اپنے اوپر کھینچ لیا، غانیہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سنبھل کر صوفے پہ دراز ہوتے ہی لحاف میں گھس گئی، سردی کا احساس تھا یا کوئی اور گھبراہٹ کہ وہ کروٹیں بدلتی بے چین ہوئی جاتی تھی۔

''لائٹ کس نے بند کرنی تھی؟'' غانیہ اس خشک آواز پہ ایک دم ساکن ہوئی، سرعت سے لحاف چہرے سے سرکایا، وہ شخص تکیے سے اونچا ہو کر ناگواریت سے استفسار کر رہا تھا، غانیہ ٹپٹا کر اٹھی۔

''مم...... میں کرتی ہوں۔'' وہ عجلت میں سوئچ بورڈ کی جانب گئی تھی جب وہ پھر گویا ہوا۔

''اگر سردی اک لحاف سے ختم نہیں ہوئی تو میرے بستر میں آ جانا، ویسے بھی تمہیں اگر میرے گھر تک آنے میں مسئلہ نہیں ہوا تو یہ کام بھی تمہارے لئے قطعی مشکل نہیں ہونا چاہیے۔'' غانیہ پتھرا سی گئی، صرف سماعتوں میں شور برپا رہ گیا، اسے یقین نہیں آسکا یہ بظاہر اتنا معتبر باوقار نظر آنے والا شخص ایسی سطحی گفتگو بھی کر سکتا ہے، وہ کچھ نہیں بولی، اب وہ کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی، اس نے لائٹ بھی بند نہیں کی، لائٹ خود بند ہو گئی، شاید بجلی چلی گئی تھی، وہ وہیں بیٹھ گئی، وہ سرتاپا کانپتی تھی، مگر روتی نہیں تھی، یہ کیسا دکھ تھا جو اسے دکھ نہیں پچھتاوے میں مبتلا کر رہا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

ادھورے خوابوں کا نوحہ
مصباح نوشین
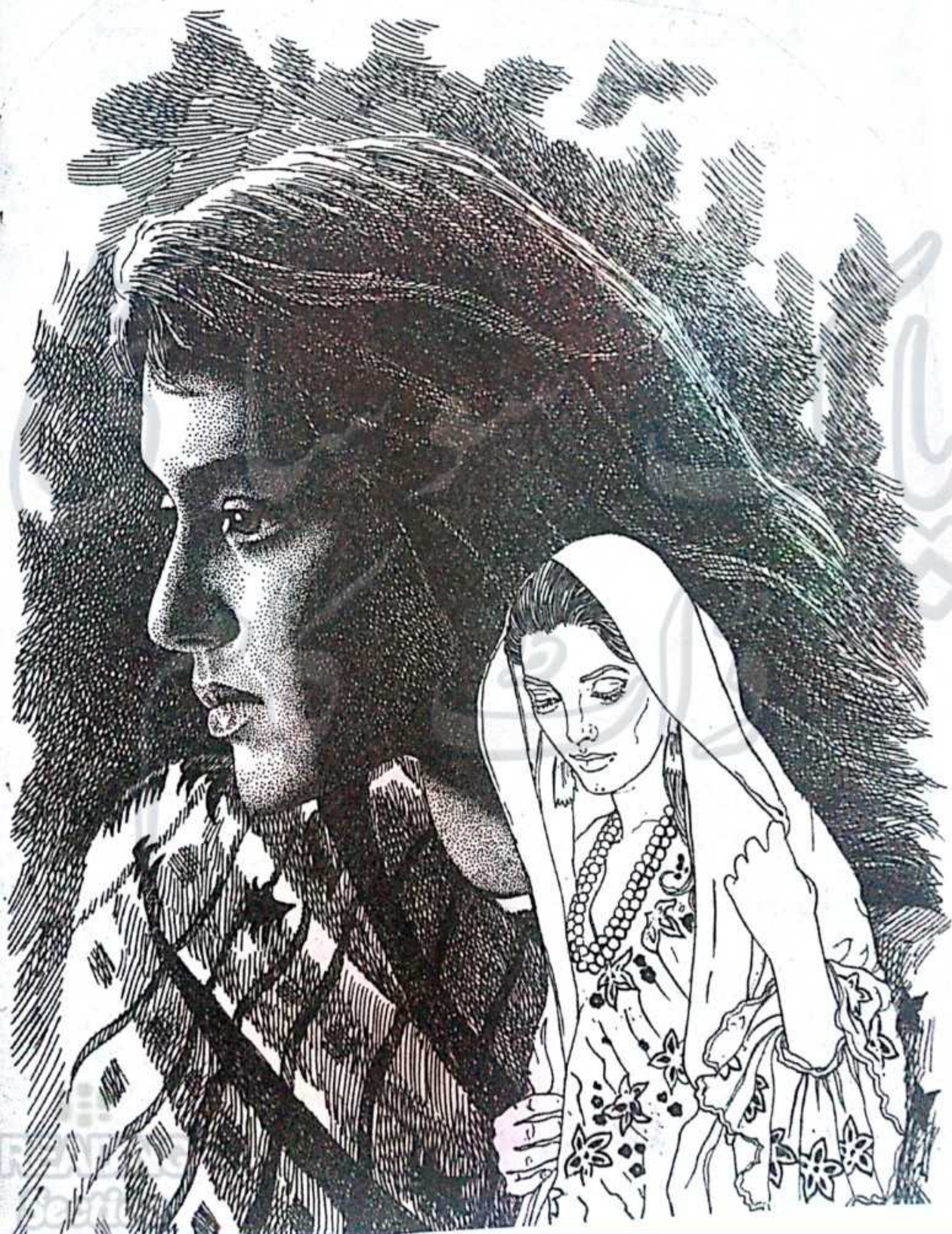
دسمبر کی ٹھٹھرا دینے والی سردی میں اس نے خود کو قتل ہوتے اپنی بے جان اور پتھرائی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے اپنے پیروں میں ٹوٹی سینڈل کو دیکھا جو باریک اسٹریپس والی ہونے کے باعث پاؤں میں آنے والی موچ کے باعث ٹوٹ چکی تھی اس کے پاؤں شدید سردی میں نیلے سرمئی مائل ہو رہے تھے کم و بیش یہی حال اس کے ہونٹوں کا بھی تھا سردی سے بجنے والے دانتوں کی تیز دھاری ضرب اس کے نچلے ہونٹ کو بری طرح کاٹتے زخمی کر گئے تھے، وہ پتھرائی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی جس سے ابھی کچھ دیر پہلے اسے بے عزت کر کے نکالا گیا تھا، درد کی سسکی نے اس کے لبوں پر آخری ہچکی لیتے دم توڑا، اذیت کی اذیت تھی جو گہرے کرب اور بے بسی میں ڈھلی تھی، ضروری تو نہیں کہ کسی کو زہر دے کر مارا جائے یا کسی کے سینے میں خنجر اتارا جائے تو ہی وہ قتل ہوگا، کچھ لوگ زبان کی تیزی سے بھی تو کسی کو گھائل کر کے خاموشی سے قتل کر دیتے ہیں اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اندر کتنا حشر برپا ہے، کوئی زندہ وجود کو گھسیٹے بے جان روح کا بار اٹھائے زندگی جی رہا ہے اس کے نزدیک شاید دنیا کا سب سے زیادہ قابل مذمت اور قابل نفرت کام کسی کو لفظوں کی مار مارنا تھا کسی کو شک کی آنکھ سے دیکھتے اذیت کی بھٹی میں جھونکنا تھا کسی سے زندہ رہنے کی وجہ چھین لینا تھا اور آج اسے اسی صورتحال کا سامنا تھا اس نے ایک نظر پھر بند دروازے کو دیکھا، جس کے پیچھے موجود اس شخص کے ذہن میں شک اور نفرت کا کیڑا کچھ اس طرح سے بلبلایا کہ آج وہ دروازے سے باہر ننگے سر اور ٹوٹی چپل پہنے سردی میں کھڑی کپکپا رہی تھی، اس کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں تھی نہ ہی گرم کپڑا، جس کو پہن کر وہ اپنی

مکمل ناول

سانسیں بحال کر پاتی، وہ کس قدر اکیلی اور حرماں نصیب محسوس کر رہی تھی خود اس سے، بند دروازے کے پار اگر وہ جان جاتا تو شاید اپنے ظلم کی روداد استان میں کچھ کمی کرتے اپنے فیصلے پر نظر ثانی ضرور کرتا، کتنی دیر گزر گئی، اس نے اپنے وجود کو برف میں ڈھلتے محسوس کیا تھا، تبھی اچانک کوئی گاڑی اس کے قریب رکی تھی اس میں سے گرم کپڑوں میں ملبوس وجاہت سے بھرپور ایک نوجوان اترا تھا جو سیدھا اس کے پاس آیا تھا دونوں کی نظریں لمحہ بھر کو آپس میں ٹکرائیں کچھ کہنے کی ضرورت تھی نہ ہی الفاظ کا ایسا ذخیرہ جو دکھ واذیت کی اس کڑی تکلیف پر کسی مرہم کی مانند لیپ کر کے سکون بخشتا، دونوں خاموش تھے مگر خاموشی وتنہائی ہم کلام تھی۔

☆☆☆

گیٹ کے پلر سے لٹکی بوگن ویلیا کی بیل کے ڈھیروں ڈھیر گرے پتوں اور پھولوں کو پیا نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اکٹھا کیا تھا، سارا دن آندھی کے جھکڑ چلتے رہے تھے گرد وغبار کے بنتے بگڑتے بگولے منوں کے حساب سے چھائی ہوئی باریک مٹی گھر کی درزوں تک میں بھر گئے تھے، کیونکہ آندھی کے بعد کی جانے والی باریک بینی پر مبنی صفائی اس کی ہڈیوں کا چورا بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی، ابھی پہلی تکان اترنے بھی نہ پائی کہ نئے سرے سے آندھی کے بگولے فضا میں تیرنے لگتے پیا کا سر انہیں دیکھ کر چکرانے لگتا۔

''چلو اچھا ہوا، حبس سے نجات تو ملی؟'' اماں شکرانہ کیا ادا کرتیں گویا پیا کو جلتے توے پر بٹھا دیتیں۔

''یہ جو اتنی دھول مٹی جمع ہو رہی ہے اسے صاف کرنا پڑتا تو شاید کبھی آندھی آنے پر شکر نہ کرتیں، مگر سارے عذاب تو مجھی بدبخت کے لئے ہیں ناں؟'' وہ باآواز بلند خود کو کوسنے لگتی۔

واثق بھائی اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتے جس کی بڑبڑاہٹیں بام عروج پر پہنچی ہوتیں۔

''صاف کہے دے رہی ہوں اماں! کوئی ملازمہ رکھ لو یہ کام اب میری ناتواں ہڈیوں کے بس کے نہیں ہیں؟'' وہ چڑ کر اعلان کرتی۔

''ارے اتنی سی عمر میں ہی ہڈیاں جواب دے گئیں کیا، ہمارے زمانے میں تو......'' پان دان سے چھالیہ نکال کر پھانکتے تائی اماں ماضی کی خوشگوار یاد کو پلو تھامے تو توقف کرتیں مگر پیا کمال مہارت سے اس لمحے کے وقفے سے فائدہ اٹھائے بات کا موقع اچک لیتی۔

''وہ آپ کا زمانہ تھا تائی اماں! جب خالص غذائیں، دودھ، دہی اور دیسی گھی کی بہتات ہوا کرتی تھی اس پہ طرہ کہ لڑکیوں کو موٹاپے کا بھی خدشہ نہیں ستاتا تھا اور اب ہمارے زمانے میں تو ان سب چیزوں کے استعمال کا سوال ہی نہیں اٹھتا اور یہ موا موٹاپہ ہمیں تو پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے بھی خائف کیے رکھتا ہے۔'' اس کی رقت آمیز تقریر بھرپور جملے اور منظر کشی چند لمحوں کے لئے واقعی میں تائی اماں کو سوچنے پر مجبور سا کر دیتیں۔

''ہک...... ہاہ۔'' وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہنکارا بھر کر جیسے اس کی بات سے اتفاق کرتیں۔

''اب ایسی بھی قیامت نہیں آن پڑی سب تیری ہڈحرامیوں اور بدنیتی کے گھڑے قصے ہیں، جب اچھل اچھل کر محلے کے بچوں کے ساتھ باسکٹ بال اور کرکٹ کھیلتی ہے تب ہڈیاں نہیں چٹختی تیری ذرا سی صفائی ستھرائی کرنے کو کہہ دو تو ہزاروں بیماریاں جان کو چپک جاتی ہیں۔'' اماں

اس کی تقریر سے ذرا بھر متاثر نہ ہو پاتیں اور جواباً یوں کھری کھری سناتیں کہ پیا بس دل مسوس کر رہ جایا کرتی۔

گیٹ کے قریب بوگن ویلیا کے ڈھیروں پھولوں اور پتوں کے نیچے دبے مٹی کے ڈھیر کو اس نے اکتاہٹ سے دیکھا اس کے ساتھ ایک یہ بھی بڑا مسئلہ تھا طو ہا کرہاً وہ صفائی تو کر لیتی مگر کوڑا اٹھا کر کوڑا دان میں پھینکنا اسے عذاب لگتا، اگر وہ کوڑا اٹھانا بھول جاتی یا گول کر جاتی مگر اماں کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی شاندار ہوتی اس لئے اکثر یہ ''ناپسندیدہ کام'' بھی اسے لازمی کرنا پڑتا۔

ابھی وہ کوڑا صاف کر کے پلٹی ہی تھی کہ ڈور بیل بجی تھی ہاتھ میں پکڑی جھاڑو اس نے پیچھے پھینکی اور آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا، سامنے تھکے تھکے پژمردہ واثق بھائی کھڑے تھے، سی ایس ایس کی تیاری کر رہے تھے ان دنوں، صبح کے گئے شام کو بلکہ اکثر رات گئے ہی لوٹا کرتے، پیا نے سامنے سے ہٹ کر اندر آنے کا رستہ دیا انہوں نے پیا کو ایک نظر دیکھا گرد سے اٹے بال اور پسینے سے تربتر بھیگا چہرہ اسے اس وقت خاصے مضحکہ خیز بنا رہے تھے، واثق بھائی کو بے اختیار ہنسی آ گئی، پیا نے ان کی نگاہوں کا مفہوم اور ہنسی کا مقصد سمجھتے ہی انہیں ایک ''جاندار گھوری'' سے نوازا تھا اور تیز تیز قدم پٹختے واپس جانے کو مڑ گئی۔

''پلوشے آفریدی۔'' واثق بھائی کی پکار میں بہت نرمی اور حلاوت تھی وہ کھا جانے والے انداز میں پلٹی۔

''مر گئی پلوشے آفریدی؟'' واثق بھیا بے حد محظوظ ہوئے تھکن ہوا ہوتی محسوس ہوئی۔

''اچھا؟'' انداز میں اچنبھا تھا۔

''کمال ہے یار مجھے کسی نے خبر ہی نہیں دی؟'' تخت پر فائل اور کتابیں رکھتے ہوئے انہوں نے بے حد حیرانی اور تاسف سے کہا تھا پیا مزید جلنے لگی ہر کسی کو اسے چڑانے میں مزہ آتا تھا اور پیا کو اسی بات سے چڑ تھی۔

''کچھ پتا ہے جنازے کا کیا وقت دیا اس کے لواحقین نے؟'' انداز میں ہنوز شرارت تھی پیا سلگ سلگ اٹھی۔

''جنازہ نہیں ہوگا اس کا ایسے بنا ہی دفنائیں گی اس کی اماں کہیں گی، کیا ضرورت ہے غسل دے کر جنازہ پڑھنے کی مٹی ہیں مٹی میں ہی تو جانا ہے؟'' پیا نے ہو بہو اماں کے لہجے کی نقل اتاری جو اکثر اس کے مرنے کے بارے میں یہی کہتی تھیں سو اس کی یہ دھمکی بھی کارگر ثابت نہ ہو پاتی۔

''اور آپ؟'' وہ بے ساختہ اور اچانک ان کی جانب مڑی، واثق بھائی نے اس کی کٹیلی آنکھوں کو لمحہ بھر کر دیکھا۔

''آپ بھی ان سے ملے ہوئے ہیں یقین آ گیا مجھے۔'' انگلی اٹھا کر جیسے انہیں متنبہ کرتے فرد جرم عائد کی گئی اس نے، واثق بھائی نے ڈرنے کی شاندار ایکٹنگ کی تھی غصہ کہیں کا بھی ہوتا نکلتا تو بے چارے واثق بھائی ہی پر، سو وہ عادی تھے ایسی صورتحال کے اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے مغرب کی نماز ادا کر کے اماں اور تائی اماں باہر آئیں تھیں۔

''السلام علیکم!'' واثق بھائی نے مشترکہ سلام کیا تھا۔

''جیتے رہو، آج بڑی دیر لگا دی۔'' تائی اماں وہیں تخت پر واثق بھائی کے پاس بیٹھ گئی تھیں، اماں البتہ وظیفے میں مشغول تھیں، سر کی ہلکی جنبش سے سلام کا جواب دیا تھا۔

''جی! اکیڈمی میں ذرا دیر ہوگئی، کچھ آندھی کی وجہ سے تھی۔'' تائی اماں نے سمجھ کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''پیا! بیٹا لائٹ ابھی ہے تم نہا دھولو، ورنہ پھر رات کو متی پریشان کرے گی۔'' تائی اماں اس کی حالت کے پیش نظر اسے نہانے کو کہہ رہی تھیں، وہ سر ہلاتی اندر کو بڑھی، ابھی وہ اندر بڑھ ہی رہی تھی کہ واثق بھائی نے پکارلیا۔

''نہا کر تیار ہو جاؤ پھر بازار کے لئے نکلتے ہیں۔'' پیا نے ایک خاموش مگر ناراض نظر ان کے تھکے تھکے چہرے پر ڈالی۔

''سوری مجھے یاد نہیں رہا کہ تمہیں بازار جانا ہے ورنہ تھوڑا جلدی آنے کی کوشش کرتا۔''

''آپ جیسے اماں جانے دیں گی ناں۔'' پیا بے حد خفا تھی۔

''انہیں منانا میرا کام ہے تم بس فٹافٹ تیار ہو کے آؤ اب کھانا واپسی پہ کھائیں گے؟'' انہوں نے کہا اس کا غصہ پل بھر میں غائب ہو گیا تھا، پیا نہانے گئی تو واثق بھائی بھی فریش ہونے کو اپنے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔

☆☆☆

واثق بھائی کے ساتھ وہ بازار جا کر اپنے نئے کپڑوں کے ساتھ کی میچنگ لیسز اور بٹن وغیرہ لینے گئی تھی، کام بظاہر تو چھوٹا سا ہی تھا مگر ایسا پر پیچ ہو گا واثق بھائی کو اگر اندازہ ہوتا تو کبھی بھی شام ڈھلنے کے بعد اسے لے کر نہ جاتے ایک تو وہ ویسے ہی تھکے ہوئے تھے، مستزاد یہ کے بھوکے پیاسے انہیں پیا کو بازار لانا تھا، دکان دار کے پاس رش حد سے سوا تھا ایسا لگتا تھا سارے شہر کی عورتوں کو سوائے میچنگ لیسز لینے کے اور کوئی کام نہیں کرنا تھا، دکاندار کی تو چاندی تھی اپنی مرضی کے دام لگائے خوب پیسے اینٹھ رہا تھا مہنگائی کا رونا روتے روتے ہماری قوم نے اسے اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

''اُف تم عورتیں کتنا بولتی ہو یار!'' ایک گھنٹے کی بحث و مباحثے کے بعد جب پیا اپنی حسب منشاء لیسز اور بٹن لے کر آئی تو واثق بھائی نے چھوٹتے ہی اس کو کہا تھا۔

''ہاں آپ مرد تو پیدائشی گونگے ہوتے ہیں ناں؟'' پیا نے اپنے ہی انداز میں جلا کٹا جواب دیا تھا۔

''گونگے نہیں مگر کم گو تو ہوتے ہیں نا، کم گوئی مرد کی شان میں اضافہ کر کے اسے پرکشش بناتی ہے۔'' واثق بھائی نے اس کی نالج میں اضافہ کرتے بتایا۔

''میرے نزدیک تو کم گوئی مرد کو بونگا اور سڑیل بناتی ہے۔'' پیا ذرا بھی متاثر نہ ہوتے ہوئے اپنی سوچ بیان کر رہی تھی۔

''البتہ مرد کی بھاری جیب اور کھلا دل اسے عورت کے لئے پرکشش بناتا ہے، چلیں ٹوٹی فروٹی تو کھلا دیں اتنی گرمی ہو رہی ہے۔'' بہت گہری بات نہایت عام سے لہجے میں کرتے اس نے واثق بھائی کو چلنے کے لئے کہا تھا۔

واثق بھائی نے بغیر کچھ کہے بائیک اسٹارٹ کر دی تھی، اس کے من پسند آئسکریم پارلر پہ اس کی پسندیدہ آئسکریم کھلاتے انہیں بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی، وہ یونہی پیا کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتا دیکھ کر نہال ہوتے، وہ دس برس کی تھی اور واثق اٹھارہ برس کے جب ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ان دونوں کے والد حضرات لقمہ اجل بنے زمانے کی سختیوں سے منہ موڑ گئے تھے وہ تو کچھ بزنس کے ورکرز معقول اور دیانت دار تھے سو گزارا ابھی ہوتا جا رہا تھا اور نفع بھی، دس مرلے کا موزائیک پتھر سے مزین گھر بھی اپنا تھا

سو معاشی تنگی بہر حال ان دونوں کو کبھی بھی دیکھنے کو نہیں ملی تھی۔

"آپ کے پیپرز کب ہوں گے؟" ٹوٹی فروٹی آئسکریم سے تین چار اکٹھی جیلی نکال کر اس نے اپنے چمچ پر رکھ کر کھاتے واثق بھائی سے پوچھا تھا۔

"ابھی کچھ دن ہیں، کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" واثق بھائی کو اچنبھا ہوا۔

"ارے بھئی! جلدی سے آفیسر بن جائیں ناں، مجھے بھی سہولت ہو جائے گی کم از کم ایک میڈ تو افورڈ کر ہی سکیں گے ناں۔" واثق بھائی کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

"سچ مجھ سے نہیں ہوتے یہ گھر کے کام کاج۔"

☆☆☆

"تائی اماں! آپ کا آتشی غرارہ میں سعدیہ کی مہندی پر پہن لوں کیا؟" اپنے لمبے بالوں میں تیل کا مساج کرتے ہوئے اسے اچانک ہی یاد آیا تو پوچھ بیٹھی، وقت بے وقت اس کے فرمائشی پروگرام تو ویسے بھی جاری وساری رہا کرتے تھے تائی اماں کو ذرا برابر حیرت نہیں تھی۔

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے پہن لینا جب جی چاہے۔" انہوں نے عینک اٹھا کر اخبار بینی کی غرض سے آنکھوں پر ٹکاتے کہا۔

"مجھے تو پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں نے سوچا کیا خبر آپ نے وہ اپنی بہو کے لئے سنبھال کر رکھا ہو اس لئے پوچھ لیا۔" اس نے پاس آتے واثق بھائی کو دیکھتے قصداً اونچی آواز میں شرارت سے کہا تھا، پر وہ متوجہ نہیں تھے۔

"بہو کے لئے رکھا ہوتا تو تب بھی اس کا پہننا تمہارے سے زیادہ اہم نہ ہوتا میرے نزدیک، صبح میرے ساتھ اوپر سٹور کی صفائی کروانا میں تمہیں تمہاری پسند کے کپڑے نکال کر دے دوں گی۔" انہوں نے محبت سے اس کے بلیچ چہرے کو دیکھتے کہا تھا مگر کچن سے نکلتی اماں کو یہ بات گوارا ہرگز نہ تھی تبھی کلستے ہوئے بولی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے رابعہ! اس کے پاس اتنے ڈھیروں کے حساب سے کپڑے رکھے ہیں انہی میں سے کوئی پہن لے گی اس کا تو ویسے بھی جی نہیں بھرتا کسی بھی چیز سے ہر وقت ندیدوں کی طرح مانگتی پھرتی ہے۔" موسم کی شدت اور گرمی ساری کی ساری اماں کے لہجے میں سمٹ آئی تھی، پیا نے منہ بنایا جبکہ واثق نے بھی چونک کر دیکھا تھا۔

"ایسا کیوں کہتی ہو سکندرہ! بچی ہے ابھی، ہم سے فرمائش نہیں کرے گی تو پھر کس سے کرے گی۔"

"نہیں بھابھی! اس کی عادتیں روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہیں، آپ لوگوں نے بھی تو اسے سر پہ چڑھا دیا ہے مجھے تو ساری رات فکر کے مارے نیند نہیں آتی، کیا بنے گا اس لڑکی کا؟" وہ سخت متاسف و پریشان تھیں ماں تھیں فکر بے جا نہیں تھی مگر حد درجہ تفکر انگیز رویہ واثق کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کے ہوتے ہوئے بھی چچی کو پیا کی فکر کرنے کی ضرورت تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا سکندرہ! تم بلاوجہ خود کو فضول کی سوچوں میں ہلکان مت کیا کرو، پیا بہت سمجھ دار بچی ہے تم بس اس کے اچھے نصیبوں کی ہمہ وقت دعا کیا کرو۔" انہوں نے سکندرہ کو تسلی دیتے ہوئے بات ختم کی تھی اور دوسرے ہی دن صبح پیا کو اپنی شادی کے تمام ملبوسات نکال کر دیے تھے کہ جو بھی پسند ہو اپنے حساب سے ہلکی پھلکی کانٹ چھانٹ کر کے پہن لے، اپنے زمانے میں انہوں نے اپنی شادی کے وقت خوب

اچھی بری بنوائی تھی اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً کامدانی جوڑے بنوائے رکھتیں انہیں بننے سنورنے کا بے حد شوق تھا اور شاید یہی شوق آگے پیا میں منتقل ہوا تھا۔

''اللہ کتنا پیارا غرارہ ہے ناں تائی اماں۔''
اس نے پوتھ کے غرارے پر ہاتھ پھیرتے اشتیاق سے کہا تھا۔

پچیس سال گزر جانے کے باوجود بھی اس کا کپڑا نفیس اور ملائم تھا ہاں تھوڑی چمک ماند پڑی تھی مگر دکھ وہ نیا ہی رہا تھا، اس کے ساتھ سبز رنگ کی شیفون کی کرتی تھی جس پر گوٹا کناری لگی تھی، مگر اس کی حالت خاصی خراب ہو چکی تھی اس نے لمحوں میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کرتی اور دوپٹہ شیفون کا نیا بنا لے گی اس نے تائی اماں سے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا انہوں نے بھی اس کی تائید کی تھی۔

''ہاں یہ صحیح ہے، شام کو میرے ساتھ بازار چلنا میں تمہیں اس کے ساتھ نئی کرتی اور دوپٹہ لے دوں گی۔'' پیا بے حد خوش ہوگئی۔

''شادی کے وقت آپ یہ پہن کر کتنی پیاری لگی ہوں گی ناں تائی، میں بھی اسے پہن کر یقیناً بہت اچھی لگوں گی۔'' پوتھ کے غرارے پر اپنی سفید لمبی انگلیاں پھیرتے پیا کے لہجے میں دہکتے ارمانوں کا الاؤ روشن تھا حسرتیں پوری آب و تاب کے ساتھ روشن آنکھوں میں پناہ گزین تھیں ایسے خواب، جو ہر کنواری لڑکی کی آنکھوں میں سنہری رنگت کی مانند چمکتے دمکتے نظر آتے ہیں، خواب دیکھنے کی عمر تھی اسی لئے تو نوخیز چہرے پر بجی گہری بھنورا آنکھوں میں سپنوں کے تاج محل استوار ہوتے نظر آ رہے تھے۔

☆☆☆

سعدیہ کی مہندی پر اس نے خوب جی جان سے تیاری کی تھی، اس کے متناسب سراپے پر شیفون کی قدرے تنگ کرتی اور آتشی غرارہ خوب جچ رہے تھے، شیفون کا سبز اور آتشی دو رنگا دوپٹہ اس نے کندھوں پر پھیلا رکھا تھا لمبے بال کھلے تھے اور آنکھوں میں کاجل کی گہری تحریر تھی شنگرفی لبوں پر ہلکی گلابی لپ اسٹک لگا رکھی تھی اور ابھرتے ہوئے رخساروں پر بلش آن کی بھاری تہہ تھی اسے سارے میک اپ میں زیادہ بلش آن ہی پسند تھا اور اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی لپ اسٹک کاجل سے زیادہ تیز بلش آن لگا ہی نظر میں آتا تھا، جو کہ اس کے ابھرے ہوئے رخسار پر قیامت کی حد تک خوبصورت دکھتا تھا، پیا اس بات سے آگاہ اور میک اپ کرنے کے فن سے واقف تھی، سو خوب دل لگا کر تیار ہوا کرتی، اس نے آخری مگر بھرپور ناقدانہ نگاہ آئینے پر ڈالی اور مطمئن انداز میں باہر نکل آئی گھر میں سے اور کوئی تو جا نہیں رہا تھا لہٰذا اسے جلدی لوٹ آنا تھا مگر تائی اماں اسے خود چھوڑنے جانا چاہتی تھیں بے شک ایک ہی محلے میں دو گھر چھوڑ کر ان کا گھر تھا۔ مگر پھر بھی رات کے وقت وہ اکیلی وتن تنہا پیا کو ہرگز جانے کی اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔

''چلیں تائی اماں!'' وہ تیار ہو کر اماں کے کمرے میں آئی تھی جہاں واثق بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، واثق نے ایک نظر اسے دیکھا اور مسمرائز سا اسے دیکھے گیا وہ چاندی جیسی رنگت والی لڑکی اس کے دل کے نہاں خانوں میں اترتی جا رہی تھی۔

''میرے گجرے تو لانا بھول گئے ہوں گے یقیناً؟'' پیا نے انہیں خود کو یوں وارفتگی سے دیکھتے پا کر چڑتے ہوئے طنز کیا تھا وہ کسی بہانے کو سننے کے موڈ میں نہیں تھی بہر حال، واثق بے اختیار مسکرا دیئے۔

''تم کوئی فرمائش کرو اور میں لانا بھول

جاؤں ایسا پہلے ہوا ہے کبھی؟'' ان کا لہجہ آپوں آپ ہی مغمور ہو گیا آنکھوں میں خمار اترنے لگا پیا نے شان بے نیازی سے کندھے اچکائے وہ کوئی بہت خوبصورت لڑکی نہیں تھی مگر اسے خوبصورت دکھنا آتا تھا اور نخرے کرنا بھی، سو اس کی ایک ایک ادا میں ڈھیروں نخرہ تھا اور ایسی مقناطیسی کشش جو مقابل کو چاروں شانے چت کر کے گرنے پر مجبور سا کر دیا کرتی۔

''لائیں دیں پھر، مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے اپنا لمبی انگلیوں والا سفید ہاتھ واثق بھائی کے سامنے پھیلا دیا، واثق بھائی نے پہلو میں رکھا گجروں کا پیکٹ اسے تھما دیا اور اسے نظر بھر کر دیکھا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' انہوں نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھتے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''میں جانتی ہوں؟'' پیا ایک ادا سے کہتے واپسی کے لئے مڑی تھی، تائی اماں کچن میں برتن رکھنے گئی ہوئی تھیں سو وہ انہیں وہیں سے لے کر سعدیہ کے گھر روانہ ہو گئی تھی۔

سعدیہ اس کی محلے دار اور سکول فرینڈ تھی دونوں میں کمال کی دوستی و محبت کا رشتہ استوار تھا، دونوں نے ایک ساتھ ایف اے کر کے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا، ایف اے کے بعد سعدیہ کا تو رشتے طے ہو گیا تھا جبکہ پیا کو تو پڑھنے کا موڈ ہی نہیں تھا سو راوی چین ہی چین لکھتا نظر آتا تھا، سعدیہ کے گھر اس کا بھرپور انداز میں استقبال ہوا تھا، وہاں موجود سب لڑکیوں میں وہ سب سے زیادہ پیاری اور منفرد نظر آ رہی تھی، لڑکیوں کے جھرمٹ میں گھری اس طرحدار چیز کو دیکھ کر امریکہ پلٹ فرحاب شفیق کا دل نئی لے پر دھڑکا، وہ بس مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا وہ کوئی بہت حسین لڑکی تو نہیں تھی اس سے زیادہ حسین اور طرحدار لڑکیاں اس کی دوست رہ چکی تھیں، وہ کسی سے بھی یوں امپریس نہیں ہوا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ سامنے بیٹھی انیس بیس سالہ لڑکی میں ایسی کیا خاص بات تھی جو وہ یوں اپنا آپ لٹتا محسوس کر رہا تھا، پورے مہندی کے فنکشن میں وہ فرحاب شفیق کی ٹھہری نظروں کے حصار میں مقید رہی تھی پیا نہیں جانتی تھی کہ یہ اتفاق اس کی زندگی میں کیسا نیا اور اچھوتا موڑ لانے والا ہے۔

☆☆☆

پندرہ دن اس جھلسا دینے والی گرمی کے مزید گزر گئے جون کا وسط بس شروع ہونے کو تھا، فضا گرمی، حبس، گھٹن سے اٹی پڑی تھی، تبھی ایک حبس زدہ شام کو فرحاب شفیق اپنی اکلوتی والدہ کے ہمراہ پیا کے لئے اپنا دست سوال دراز کیے ان کی دہلیز پر آ بیٹھا، پیا نے سنا تو چند لمحے بول نہ سکی۔

''بہن! اکلوتا بیٹا ہے میرا، امریکہ میں اپنا جنرل اسٹور چلاتا ہے، پندرہ لڑکے ہیلپر ہیں نیک شریف اور سعادت مند ہے آپ ہر طرح سے تسلی کر لیجیے مگر پیا ہماری جھولی میں ڈال دیجیے آپ کو کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' اماں کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہوئے انہوں نے جیسے اماں کو تسلی کروائی تھی، جلیبیاں اور سموسے لا کر دیتے واثق کے قدم اس آخری جملے پر لمحہ بھر کے لئے ڈگمگا سے گئے، پیا لب بستہ خاموش کھڑی رہ گئی۔

''شادی کے بعد بیوی کو بھی اپنے ساتھ رکھے گا، روپیہ پیسہ کسی چیز کی کمی نہیں ہے شریف اور برسر روزگار ہے یہ تو کب سے شادی کے لئے ٹال رہا تھا مگر سعدیہ کی شادی میں اسے آپ کی ہیرا بٹی من کو بھا گئی میری تو مانیں لاٹری نکل آئی ہے اکلوتے بیٹے کی شادی کا ارمان کس ماں کے

دل میں نہیں ہوتا، آپ بس جلدی سے ہاں کر دیں ساری عمر آپ کی احسان مند رہوں گی۔''
ان کے لہجے میں لجاجت تھی۔

''بیٹی کا معاملہ ہے اتنی جلدی فیصلہ کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، تھوڑا سوچنے کے لئے وقت دیں انشاء اللہ آپ کو اچھا جواب ہی دیں گے۔'' اماں نے بہت سوچ بچار کرنے کے بعد یہ چند جملے ادا کرتے پیا کی متوقع ساس کے ہاتھ سے امریکہ میں مقیم فرحاب شفیق کے جنرل اسٹور اور گھر کا ایڈریس والی چٹ تھام لی تھی پیا کو حیرت ہوئی اماں نے انکار کیوں نہیں کیا تھا اس کی دانست میں اکلوتی بیٹی کو اتنی دور بیاہنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، اماں کے نزدیک کچھ اس طرح کے ملے جلے سوالات واثق اور تائی اماں کے ذہنوں میں بھی کھلبلی مچائے ہوئے تھے مگر سکندرہ ماں تھی، تو ظاہر ہے کہ وہ فیصلے کا بھی اختیار رکھتی تھیں، رات وہ واثق کے کمرے میں آئیں وہ انہیں دیکھ کر ہرگز بھی حیران نہیں ہوا تھا، وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت کو نہ سہی پر صبح کو اس کام کے لئے ضرور اس کے پاس آئیں گی مگر رات کو ہی آ جائیں گی یہ اندازہ نہیں تھا اسے۔

''سعدیہ کی باں بہت تعریف کر رہی تھی ان لوگوں کی، خاندانی لوگ ہیں اور شریف ہیں فرحاب کے بارے میں بھی تسلی دینے کے ساتھ ضامنی دینے کو تیار ہیں تم یہ ایڈریس رکھ لو ذرا اپنے کسی جاننے والے سے پتہ تو کروا دو کہ جو معلومات انہوں نے ہمیں دی ہیں وہ کس حد تک درست ہیں۔'' واثق نے بے جان ہاتھوں سے بغیر کچھ کہے چٹ تھام لی تھی جس پر ایڈریس لکھا تھا۔

☆☆☆

''اتنی دور سمندر پار بیٹی کو بیاہنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی سکندرہ!'' تائی اماں ملول سی اون سلائیاں ہاتھ میں تھامے بیٹھی تھیں، سردیوں کے آنے سے پہلے پہلے وہ پیا کے لئے سویٹر بن لینا چاہتی تھیں جواباً سکندرہ نے ٹھنڈی آہ فضا کے سپرد کی تھی۔

''جو اس ملک کے حالات ہیں انہیں دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ درست ہے رابعہ! اور پھر کراچی کے حالات تو ویسے بھی بہت خطرناک ہیں صبح گھر سے نکلتے ہی شام کو زندہ گھر واپس لوٹنے کا یقین دل میں نہیں ہوتا، ہر طرف بدامنی اور دہشت گردی کا راج ہے، یہاں اس ملک میں ترقی کے کیا چانسز، مجھے فرحاب پسند آیا ہے اگر باقی معلومات بھی صحیح ہوئیں تو بس پیا کو رخصت کرنے میں ایک پل کی تاخیر نہیں کروں گی۔''

پیا تو جی جان سے سلگ اٹھی اسے قطعاً اماں کا یہ فیصلہ پسند نہ آیا تھا بلکہ ان کی اس قدر سطحی اور ذہنی گراوٹ کا اندازہ ہوتے ہی عجیب طرح کی شرمندگی نے بھی گھیر لیا تھا اماں کب سے اتنی باریک بینی سے حالات کا تجزیہ کرنے لگیں اور پھر اپنے ملک اپنے شہر کے بارے میں، ایسی باتیں انہوں نے آج تک نہ کی تھیں، فرحاب شفیق کے رشتے میں سرخاب کے پر لگے تھے، جو وہ ایسی باتیں کرنے لگیں خود کو ہر طرح سے صحیح ثابت کرنے کے لئے۔

''مسلمانوں کو امریکہ والے تیسرے درجے کا شہری بھی بمشکل تسلیم کرتے ہیں اماں، اپنا ملک تو پھر اپنا ہے یہاں آزادی ہے کوئی درجہ بندی نہیں آپ اپنے فیصلے کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لئے اپنے ملک کی برائی نہ کریں پلیز۔'' کچن کی کھڑکی سے اماں کی باتیں سنتے اور ضبط کرتے ہوئے وہ بالآخر میدان میں آ کر بولتے اماں کو صحیح معنوں میں آگ لگا گئی۔

''ماں ہوں تیری، تیرے اچھے کے لئے ہی کروں گی جو بھی کروں گی اور کیا غلط بول دیا میں نے اس ملک کے لئے، ٹی وی پر کبھی خبرنامہ یا کبھی اخبار پڑھ کے دیکھو کہ کیا حالات ہیں اس ملک کے اس شہر کے تو خود بھی اس ملک میں ایک منٹ بھی رہنے کو ترجیح نہ دو۔'' اماں کو ذرا پسند نہ آئی تھی اس کی بروقت مداخلت تبھی تو وہ فوراً بولیں تھیں۔

''مگر میں اپنا شہر اور اپنا ملک چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی اماں، بتا رہی ہوں آپ کو۔'' اس نے جاتے جاتے مڑ کر اپنا فیصلہ سنایا کہ سکندرہ بیگم مزید بھڑک گئیں۔

''ماں ہوں تمہاری جب تک زندہ ہوں تیری زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتی ہوں اپنے پاس تو زیادہ سیانی بننے کی کوشش نہ کر، جس کی شہہ پر اتنا اکڑنے کی کوشش کر رہی ہے ناں، بیکار ہے میرا فیصلہ ہی مقدم ہو گا۔'' دزدیدہ نظروں سے تائی اماں کے اون سلائیوں کے گولے پر جھکے سر پر نگاہ جماتے انہوں نے باآواز بلند پیا کو متنبہ کیا۔

☆☆☆

چند دن وقت کے کشکول میں سے ریت کے ذروں کی مانند سر کے فرحاب شفیق کے بارے میں کی جانے والی ساری معلومات درست ثابت ہوئی تھیں، اماں تو بے حد خوش تھیں اکلوتی بیٹی کا غیر ملک میں اتنا اچھا رشتہ طے کر دینے پر وہ بے حد خوش تھیں مگر جانے کیوں پیا خوش نہیں تھی، یہ سچ تھا کہ فرحاب شفیق کے رشتے میں کوئی خامی یا کجی نہیں تھی، اس کی جگہ اور کوئی بھی لڑکی ہوتی تو اپنی قسمت پر رشک کرتی وہ خود بھی خوش ہونا چاہتی تھی پر ہو نہیں پاتی تھی تائی اماں اور واثق بھی دلگرفتہ اور ملول سے تھے تاہم وہ بولے کچھ نہیں

کیونکہ تائی اماں کے سامنے واثق کے رشتے کے لئے اماں نے خود انکار کیا تھا، ظاہر ہے فرحاب شفیق وجیہہ اور کامیاب بزنس مین اپنے قدم عملی زندگی میں جما چکا تھا جبکہ واثق کو ابھی بہت وقت درکار تھا باپ چچا کا بچایا اتنا ترکہ بھی نہیں تھا کہ عیش پرستی کی زندگی گزر سکتی، سو اماں نے قصداً ان سب کے اترے چہروں سے نظر چرا کر فرحاب شفیق کی والدہ کو ہاں کہلوا بھیجی، پیا پر آنے والے وقت کے خیال سے ہی مردنی سی چھا گئی تھی وہ حسب عادت ہر مشکل درپیش ہونے پر اب بھی واثق کے پاس آئی تھی جواب رات دیر تک جاگنے لگا تھا، پیا سے جدائی اور اس کے بغیر زندگی کے سفر کو طے کرنے کا انہوں نے کبھی سوچا ہی نہ تھا، انہوں نے تو زندگی کے ہر قدم پر پیا کو اپنے مقابل چلتے دیکھا تھا، پیا متورم آنکھوں میں درد کا سمندر موجزن کی دروازے میں آن کھڑی ہوئی۔

''آپ واقعی میں اماں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں واثق بھائی، مجھے یقین ہو گیا۔'' ہچکیوں کی زد میں ٹوٹتے بکھرتے الفاظ میں اس نے اپنا شکوہ پورا کیا تھا، واثق بھائی کے اندر آندھیاں چلنے لگیں تھیں، ان کا جی چاہا وہ مرد ہونے کے باوجود دھاڑیں مار مار کر روئیں۔

''مجھے باہر نہیں جانا، مجھے یہیں رہنا ہے آپ سب کے پاس۔'' وہ ان کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے روتی رہی واثق بھائی کا دل کٹ کر گرا۔

''فرحاب شفیق بہت اچھا لڑکا ہے پیا۔'' بدقت تمام انہوں نے خود کو کہنے پر مجبور کیا۔

''تو میں کیا کروں؟'' پیا کا جواب بڑا بے ساختہ اور ناراضی لئے ہوئے تھا۔

''لیکن پیا! فرحاب شفیق تو تمہاری اماں کی

پسند ہے ناں، یہ ان کا فیصلہ ہے جس کا تمہیں احترام کرنا چاہیے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔''
حسب عادت انہوں نے اب کی بار بھی اسے مطمئن کرنا چاہا تھا، بالکل ایسے ہی جیسے بچپن میں چچی کی لائی ہوئی چیز پیا کو پسند نہ آنے پر وہ اسے پچکار کر اس کی وہ تمام خوبیاں بھی گنوا دیا کرتے جو سرے سے اس میں ہوتی ہی نہیں تھیں یہ واثق کے سمجھانے کا ہی اثر ہوتا کہ پیا اس چیز پر راضی ہو جایا کرتی مگر اب وہ کوئی بچی تو نہ تھی نہ ہی اس کی ناپسندیدہ کسی چیز کا سوال تھا اب تو اس کی ساری زندگی پر محیط اس فیصلے کا بوجھ تھا جس کے نیچے واثق نے خود کو دبا ہوا محسوس کیا تھا۔
''میں نے یہ کب کہا کہ فرحاب شفیق مجھے خوش نہیں رکھے گا اپنی پسند سے بیاہ کر لے جا رہا ہے تو یقیناً خوش بھی رکھے لیکن......'' کچھ دیر کا توقف واثق بھائی پر ٹنوں کنکریٹ کے ملبے کے مترادف گراں گزرا تھا۔
''لیکن پیا!'' ان کے لہجے میں ناقابل فہم سی مگر موہوم امید کی جوت تھی۔
''لیکن...... مجھے بیاہ کر امریکہ نہیں جانا۔'' بلی تھیلے سے بالآخر باہر نکل ہی آئی تھی گویا اسے اعتراض صرف امریکہ جانے پر تھا فرحاب شفیق کی ہمسفری پر نہیں، واثق بھائی کو نجانے کیوں دکھ ہوا۔
''ارے پگلی! لڑکیاں تو خواب دیکھتی ہیں امریکہ، لندن جانے کے اور تم ہو کہ امریکہ جانے سے خائف ہو۔'' زندگی میں پہلی مرتبہ شاید واثق بھائی کو مسکرا کر بات کرنا بے حد مشکل لگا تھا۔
''نہیں ہوں میں ان لڑکیوں جیسی، میں اکیلی وہاں کی آزاد دنیا میں کیسے سروائیو کر پاؤں گی اور مجھے تو انگریزی زبان بھی نہیں آتی۔'' اس کے اپنے ہی مسائل تھے، واثق بھائی پھیکے سے انداز میں مسکرائے۔
''تو یہ کون سی اتنی بڑی پرابلم ہے تمہارا شوہر تمہیں بہت اچھی انگریزی بولنا سکھا دے گا۔'' انہیں اس کے اس ''بودے سے عذر'' سے الجھن بھری حیرت ہوئی تھی۔
''سعدیہ بتا رہی تھی وہاں یہ سارا دن عورتوں کو بھی جاب کرنا پڑتی ہے پھر گھر کے کام کاج، بچے پالنا ان سب کی الگ ذمہ داری اور میں اتنی ڈھیر ساری ذمہ داریاں اٹھانے کے اہل ہرگز نہیں ہوں واثق بھائی، یوں کبھی بھی وہاں خوش نہیں رہ پاؤں گی اماں میری بات کبھی بھی سمجھ نہیں پائے گی، آپ تو مجھے سمجھتے ہیں ناں، آپ تو میرے اچھے دوست ہیں ناں۔'' پیا بہت بے چارگی سے معصومیت سے کہتی واثق کے دل میں پچھتاؤں کا الاؤ دہکا رہی تھی وہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی جو وقت بڑی بے رحمی کے ساتھ ان سے چھین رہا تھا۔
''پیا بہت بہادر لڑکی ہے، وہ ہر طرح کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی میں جانتا ہوں۔'' انہوں نے بہت مشکل سے یہ آخری چند الفاظ کہنے پر خود کو آمادہ کیا تھا، ٹوٹے خوابوں کی جانے کتنی ہی کرچیاں ان کے دل کو زخمی کر رہی تھیں، مگر انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا، پیا ان کے لئے ایسا نہیں سوچتی تھی جیسی واثق کی چاہت اور خوشی تھی یہ دکھ خاصا ناقابل برداشت تھا مگر وہ کمال مہارت و مضبوطی سے برداشت کر گئے تھے کہ جذبوں کی ناقدری تو انہیں کسی صورت گوارا نہ تھی۔

☆☆☆

سہ پہر ڈھلنے کے بعد حسب عادت پیا نے سارا صحن دھویا خود بھی نہائی اور آموں کو پانی کی بالٹی میں بھگو کر ٹھنڈے ہونے کو رکھ دیا، اس نے

گلابی اور عنابی امتزاج کا لان کا سوٹ پہن رکھا تھا جس زدہ شام میں وہ بہار کا تر و تازہ جھونکا دکھ رہی تھی واثق بھائی کے آج کل پیپرز ہو رہے تھے سو وہ صبح کے گئے شام کو لوٹا کرتے، گھر میں اکثر محلے سے کوئی نہ کوئی مہمان آیا رہتا مگر پیا کے دل کا موسم آنے والی جدائی کے صدمے سے بوجھل سا رہتا تھا، اس نے تو فرحاب شفیق پر ایک نگاہ غلط ڈالنا بھی گوارا نہ کی تھی جو پہلی نظر کی محبت کا دعویدار تھا، پیا نے ایک طائرانہ نگاہ دھلے دھلائے صحن پر ڈالی اور ناقدانہ نگاہوں سے خود کا جائزہ لیا برآمدے میں لگے بڑے سے آئینے میں اس کا عکس بڑا ابھر پور تھا۔

''کیا ہے اس چہرے میں جو فرحاب شفیق کے دل کو بھا گیا؟'' اس نے اپنے چہرے کے نقوش کو دیکھتے خود کلامی کی۔

''خوب صورت تو میں ہوں مگر اتنی بھی تو نہیں کہ کوئی لمحوں میں فیصلہ کرے۔'' ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے کٹاؤ دار شنگرفی لبوں کا احاطہ کیا سوچ میں ہلکا سا غرور آیا۔

''فرحاب شفیق!'' پیا نے دل ہی دل میں اس کا نام دہرایا۔

''ابھی تک تو تمہارے نام پر میرے دل نے دھڑکن مس نہیں کی، پیا کوئی عام لڑکی تھوڑی ہے جو اتنی آسانی سے اپنا دل کسی کو دے دے۔''

پیا نے اس کے تصور سے ہم کلام ہوتے کہا جس کی ایک جھلک تلک نہ دیکھی تھی، تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی تائی اماں نے اسے آئینے کے سامنے کھڑے دیکھا اور دروازہ کھولنے چل دیں، پیا نے آئینے میں نظر آتے مہمانوں کا عکس دیکھا تو ہاتھوں کے سارے طوطے اڑتے محسوس کیے دوپٹہ سر پر اوڑھتی وہ جلدی سے ان کی جانب لپکی تھی، اس کی ہونے والی ساس، رشتے کی چچی کے ساتھ ان کے گھر ڈھیر سارے فروٹس اور مٹھائی سمیت موجود تھیں، پیا نے جھکتے ہوئے انہیں سلام جھاڑا انہوں نے جواباً بہت محبت سے اسے چٹا چٹ محبت بوچھاڑ کر دی تھی وہ تو واری ہو رہی تھیں۔

''آپ نے تو میرا مان بڑھا دیا بہن! میں وعدہ کرتی ہوں کہ پیا کو بیٹی سے بڑھ کر محبت دوں گی۔'' عابدہ خاتون نے اماں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے انہیں یقین دلایا تھا۔

''آپ ہی کی بیٹی ہے اب تو آج سے آپ کی ذمہ داری۔'' اماں نے خوشی سے معمور لہجے میں جواب دیا۔

''انشاء اللہ ہم اپنی ذمہ داریاں خوب اچھے سے نبھانے کے قائل ہیں اور پیا تو خود اتنی نیک سیرت بچی ہے بس بہن اب آپ ہمیں رخصتی کی تاریخ دے دیں۔'' وہ تو آج سارے حساب کتاب چکانے کے موڈ میں تھیں، پیا تو پیا اماں اور تائی اماں کے اوسان بھی خطا ہونے لگے۔

''اتنی جلدی...... ایک نئی زندگی کا آغاز...... جس سے متعلق کوئی پلان، کوئی سوچ ترتیب ہی نہ دی تھی۔''

''فرحاب ایک ماہ کی چھٹی پر آیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اب کی بار وہ واپس اپنی دلہن کو لے کر ہی جائے۔'' لیدر کے بیش قیمت بیگ سے نیلے مخملی کیس کو نکالتے ہوئے انہوں نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''لیکن بہن! اتنی جلدی آخر...... بیٹی والے ہیں کچھ نہ کچھ تیاری بھی تو کرنی ہے ہمیں۔'' تائی اماں نے ہی بات سنبھالی تھی ورنہ اماں تو خاموش تھیں گویا انہیں تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔

''ارے بہن! تیاری کیسی پیا اپنے گھر ہی تو جا رہی ہے اور پھر اسے کون سا یہاں رہنا ہے جو

اتنے سامان کی ضرورت ہو آپ بس اس بات کی ٹینشن مت لیں مجھے میری امانت جلدی سے دے دیں۔" انہوں نے مخملی کیس سے جگر جگر کرتی ہیرے کی انگوٹھی نکال کر پیا کی انگلی میں پہناتے اور سر چوم کر ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"یہ منگنی کے شگن کے طور پر پچاس ہزار ہیں، کپڑے پیا اپنی مرضی سے بنالے گی بری کے۔"

"جیسے آپ کی مرضی عابدہ بہن، ہم مشورہ کر کے آپ کو تاریخ دینے کے لئے بلوا لیں گے۔" اماں نے کہتے کہتے بات ختم کی تھی پیا نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا وہ تو نجانے کیا ٹھانے ہوئے تھیں نہ کسی سے صلاح نہ مشورہ بس فیصلہ صادر کیے دے رہی تھیں، پیا ان کی تواضع کے لئے اٹھ گئی، ڈھیروں لوازمات کے ساتھ آم بھی کاٹ کر پلیٹوں میں رکھ دیے تھے اور منگنی کی انگوٹھی پر نگاہیں جما کر آنے والی زندگی کے متعلق سوچ میں پڑ گئی ایک عجیب سا سر خوشی کا احساس من آنگن میں چٹکیاں لینے لگا تھا۔

انہیں لینے کے لئے فرحاب شفیق خود آیا تھا تائی اماں کی اوٹ میں کھڑی پیا نے چور نظروں سے اسے دیکھا وہ چھ فٹ لمبا کسرتی بدن رکھنے والا وجیہہ نوجوان تھا جس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی جو پیا پر نظر پڑتے ہی دوگنی چوگنی ہوتی محسوس ہوئی تھی ایک تپش کی کوندسی لپکتی محسوس ہوئی پیا کو اس کی آنکھوں سے اس کا وجود پسینہ پسینہ ہو گیا نگاہیں ایسی جھکیں کہ دوبارہ اٹھنے سے انکاری ہو گئیں، اس کا دل ایک عجیب سی لے اور طرز پر دھڑکنے لگا تھا پیا سے اپنا دل سنبھالنا بے حد مشکل ہو گیا آنکھیں خود بہ خود خوابوں کو بستہ دینے پر مجبور ہو گئیں۔

☆☆☆

رات کو واثق گھر دیر سے آیا پیا اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی فوراً اس کے لئے کھانا گرم کرنے کے ساتھ پھل اور مٹھائی لے گئی تھی، واثق منہ ہاتھ دھو کر بستر پر آکر بیٹھا ہی تھا جب پیا کھانا لے کر آئی۔

"کیسا ہوا پیپر؟" کھانا قریبی تپائی پر رکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"کافی سے زیادہ اچھا، لیکن تھک بہت گیا ہوں یار، لمبی نیند سونا چاہتا ہوں۔" انہوں نے گہری سانس لیتے آنکھیں موند کر جواب دیا پیا کو وہ واقعی میں بہت تھکے ہوئے لگے تھے۔

"چلیں پہلے کھانا کھالیں، پھر سو جائیے گا۔" اس نے ٹرے پر سے کور ہٹا کر اس کے سامنے کیا۔

"یہ اتنی ساری مٹھائی کس لئے؟" واثق نے حیران ہو کر پوچھا، پیا نے اپنا سفید ہاتھ ان کے سامنے کر دیا جس میں بڑی انگوٹھی اس کے ہاتھ کی دلکشی کو مزید بڑھا رہی تھی، واثق کو لگا کسی نے بے دردی سے اس کے دل پر برچھی چلا دی ہو۔

"میری منگنی ہو گئی آج۔" واثق کی آنکھوں میں دھواں سا بھرنے لگا۔

"شادی کی تاریخ بھی مانگ رہے تھے وہ لوگ، اف میں اتنی پریشان ہوں واثق بھائی کہ بتا نہیں سکتی۔" واثق بھائی سے بولنا محال ہو گیا پوچھ ہی نہ سکے کہ اسے کس بات کی پریشانی ہے۔

"ڈائمنڈ رنگ کے ساتھ پچاس ہزار بھی دے کر گئی ہیں آنٹی، کہہ رہی تھیں کہ اپنی مرضی سے کچھ بھی خرید لوں۔" اس نے مزید بتایا تھا۔

"تمہارے تو مزے ہو گئے بھئی! خوب عیش کرنا ان پیسوں سے۔" وہ بمشکل تمام اس کا

دل رکھنے کو یہ چند جملے بول پائے، الفاظ کا فقدان یکدم ہی محسوس کرنے لگے تھے وہ، پیا کچھ دیر خاموش کھڑی سوچتی رہی پھر پوچھ بیٹھی۔

''ایک مشورہ دوں؟'' واثق بھائی نے نوالہ توڑ کر خود کھانا کھانے کے لئے آمادہ کرنا چاہا پر کر نہیں پائے پیا کی بات پر نوالہ واپس ٹرے میں رکھ کر متوجہ ہو گئے۔

''اب اس کی کیا ضرورت، اب اپنے شوہر کو دینا ساری سچویشنز اور آپشنز۔''

''ارے وہ تو شوہر ہو گا ناں، دوست تو نہیں۔'' وہ اٹھ کر ان کے مقابل آ بیٹھی اور آنکھیں بند کر کے کچھ دل ہی دل میں سوچنے لگی پھر ایک فگر ذہن میں رکھ کر تین فگرز واثق بھائی کے سامنے رکھ کر ان میں سے ایک چوز کرنے کو کہا۔

''تیس، چونتیس، اڑتیس ان میں سے کوئی ایک چوز کریں تاکہ مجھے پتا چل سکے کہ آپ کو میں کتنی عزیز ہوں۔'' واثق بھائی کو اپنا آپ سنبھالنا بے حد مشکل ہو گیا وہ کس مشکل میں ڈال رہی تھی انہیں، وہ ان کی زندگی کی اولین چاہت و خوشی تھی پر پیا کو پھر بھی یقین چاہیے تھا، مگر فائدہ کیا تھا، کیا مذاق ہے، انہوں نے جیسے کچھ سوچتے ایک فگر بتا دیا، پیا نے پٹ سے آنکھیں کھول کر حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ انہیں دیکھا بالکل ویسے ہی تاثرات جو ہمیشہ واثق بھائی کے درست اندازے پر اس کے چہرے کی زینت بنا کرتے تھے۔

''چونتیس، میں نے بھی یہی چوز کیا تھا اللہ واثق بھائی آپ نے ثابت کر دیا کہ میں آپ کی کتنی عزیز ہوں؟'' واثق بھائی پھیکے سے انداز میں ہنس دیئے پھر کچھ دیر بعد بولے اور خود کو کمپوز کرنے کے بعد بول اٹھے۔

''تم مجھے بہت عزیز ہو پیا! شاید اس دنیا میں سب سے زیادہ، زندگی میں کبھی کوئی پریشانی کوئی مصیبت اگر آئے جہاں تم اکیلی ہو کر گھبرانے لگو تو مجھے کہنا، خود کو کبھی بھی تنہا تصور مت کرنا میرے دل سے تمہارے لئے تمہاری خوشیوں کے لئے ہمیشہ دعائیں نکلتی رہیں گی بس تم کبھی دکھی مت ہونا ہمیشہ بہادر بن کر حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرنا، حالات چاہے جیسے بھی آئیں پر تمہیں ثابت قدم رہتے اپنی استقامت دکھانی ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی پیا سے وہ سب کہتے واثق رو دیئے تھے، دھندلائی آنکھوں سے انہوں نے پیا کی آنکھوں میں جھانکا جو پانیوں سے لبریز تھیں وہ بھی رو رہی تھی اس رات وہ دونوں کزنز ایک انجانے دکھ پر روئے تھے اور بہت ڈھیر سارا روئے تھے کسی نے بھی ایک دوسرے کو چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☆☆☆

ساون کے مہینے میں واثق کی آنکھوں کو آنسوؤں کی بارش دے کر وہ رخصت ہو گئی تھی، فرحاب شفیق ہر طرح سے مکمل اور بھرپور شخصیت کا حامل تھا، شادی کی رات وہ پہلی مرتبہ اس کے روبرو ہوئی تھی اس کی مقناطیسی آنکھوں میں بلا کی کشش تھی ساحرانہ سی کہ مقابل کھنچا چلا جائے، پیا اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر سے زیادہ نہیں دیکھ پائی، پیا کا چھپا چھپا سا انداز دیکھ کر وہ پیا جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی کچھ دیر وہ آئینہ کے سامنے کھڑا کچھ سوچتا رہا دفعتاً اس کی جانب مڑا۔

''دو دن بعد ہماری فلائٹ ہے اور میری خواہش ہے کہ اپنی نئی زندگی کی شروعات ہم اپنے گھر میں کریں وہ گھر جسے میں نے بڑی مشکلوں سے بنایا ہے۔'' اور پیا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا

تھا فوراً سر جھکا کر تائیدی انداز میں ہلا کر اپنی رضا مندی دے دی تھی۔

''تھینک یو سو مچ پیا!'' فرط جذبات سے فرحاب شفیق نے اس کا موی ہاتھ چوم لیا، پیا اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی۔

☆☆☆

''یہ رہا تمہارا گھر۔'' گھر کے سامنے اترتے ہی فرحاب شفیق نے پیا سے محبت سے لبریز لہجے میں کہا تھا پیا سرشاری ہو گئی اس نے فرحاب کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، سفید کلر کا بے حد خوبصورت اپارٹمنٹ تھا بلکہ صرف انہی کا گھر کیا کوئین سٹی ہاؤس کے سارے اپارٹمنٹ اسی اسٹائل کے تھے۔

''واؤ...... کتنا پیارا گھر ہے۔'' پیا مبہوت سی بے ساختہ دو قدم آگے بڑھی۔

''آؤ تمہیں اس کا لان دکھاؤں۔'' فرحاب نے اس کا ہاتھ تھامے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

''پہلے سامان تو اٹھا لیں۔'' پیا کو فکر ہوئی کہیں سامان میں سے کوئی چیز آگے پیچھے ہو گئی تو؟

''کم آن وائف! یہ نیویارک ہے پاکستان نہیں یہاں چوری چکاری کا کوئی ڈر نہیں۔'' فرحاب نے مسکرا کر کہتے اسے دیکھا، گھر کے آگے ہی چھوٹا سا لان تھا ڈیزی کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا پیا کو وہ سب بے حد پیارا لگا اس نے لمحے بھر کے لئے سوچا تھا نیویارک تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ خوبصورت شہر ثابت ہوا تھا وہ اسے پہلی ہی نظر میں بے حد پسند آیا تھا، گویا وہ ادھر رہ سکتی تھی۔

''اور یہ رہا ہمارا بیڈ روم، یہ اس کے سامنے ڈرائینگ روم ہے اور اس سے آگے باتھ روم، ہر چیز آٹو میٹک ہے کوئی تنگی نہیں ہو گی تمہیں بلکہ برتن دھونے کے لئے میں نے مشین نصب کروا رکھی ہے۔'' محبت پاش نظروں سے دیکھتے فرحاب نے اسے کہا تھا پیا دھیمے سے انداز سے مسکرا دی۔

''تھینک یو مجھے کام کرنے سے سخت چڑ ہوتی ہے وہاں اماں کے گھر میں بھی مجھے سارا کام کرنا پڑتا تھا اور میں روتے دھوتے کام تو کرتی ہی تھی مگر سارا دن کوستی رہتی تھی کاموں کو کہ آخر گھر کے کام ختم کیوں نہیں ہوتے روز کرنے پڑتے ہیں۔'' اس نے جوش سے کہتے فرحاب کی جانب نگاہ کی تو زبان دانتوں تلے دب کر سر جھکا گئی فرحاب جو اسے بے حد محبت اور محویت سے دیکھ رہا تھا اس کے فوراً خاموش ہو جانے پر چونکا۔

''کیا ہوا خاموش کیوں ہو گئیں؟''

''آپ ایسے دیکھتے رہیں گے تو میں خاک بات کر پاؤں گی؟'' پیا کے لہجے میں ناراضی تھی فرحاب اس کے روٹھے انداز پر دل کھول کر ہنسا تھا تبھی ڈور بیل بجی تھی، فرحاب اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا تھا، پیا سفر کی تھکان سے بہت بوجھل محسوس کر رہی تھی سو باتھ روم میں فریش ہونے چلی گئی واپس آئی تو لاؤنج میں فرحاب کے ساتھ کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے، وہ جھکتے ہوئے آگے بڑھی تو دیکھا ایک لڑکی ان کے اوپن ایئر کچن میں کھڑی کچھ کر رہی تھی۔

''ارے آؤ پیا! ان سے ملو یہ ہمارے پڑوسی ہیں جسی سنگھ اور یہ ان کی بیوی پریت اور جسی پاء جی اے تواڈی بھرجائی پیا۔'' فرحاب شفیق نے بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ ان کا تعارف کرایا، فرحاب کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہیں۔

''سری کال بھرجائی جی!'' جسی سنگھ فوراً پیا کی تعظیم میں اٹھ کھڑا ہوا تو پیا نے بھی جھجکتے

ہوئے سلام جھاڑا تھا۔

''باہا جی سوں فرحاب بھائی! آپ کی ووہٹی تو بہت سوہنی اے۔'' پریت نے بہت اشتیاق سے پیا کے سفید رنگ اور گہری آنکھوں پر نظریں جماتے تعریف کی، پیا نے دیکھا وہ سانولی سلونی سی پرکشش لڑکی تھی بالوں میں لمبا پراندہ ڈال رکھا تھا، سلیولیس چھوٹی قمیض گھیردار شلوار کے ساتھ پہن رکھی تھی اور بالوں میں انڈین اسٹائل کے بڑے بڑے آویزے، وہ پیا کو پہلی ہی نظر میں پنجاب (انڈیا) کی ماڈل لگی تھی پھر وہ پیا کے قریب آئی۔

''مائی نیم از پریت فرام چنڈی گڑھ پنجاب۔'' پیا نے مسکراتے ہوئے اس سے مصافحہ کی بجائے معانقہ کیا تھا اسے وہ دونوں میاں بیوی پہلی ہی نظر میں بے حد اچھے لگے تھے۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر خصوصاً آپ کا غیر ملک میں بھی اپنے کلچر کو زندہ رکھنے کی کوشش۔'' پیا نے اس کے لباس اور انداز کی جانب دیکھتے اس کی تعریف کی۔

''تھینکس، مجھے تو امریکہ آئے ہوئے دس سال ہوگئے جی، مگر میں نے تو ان کے کہنے کے باوجود بھی اپنا لباس بدلا نہ ہی زبان، ہم سکھ برادری کے بچے ہیں ہم کیوں انگریزوں کی تقلید کریں روزی روٹی کے لئے بھلے اس دیس میں رہ رہے ہیں مگر اپنی اقدار کو کیوں ختم کریں ہم محنت کی روٹی کما کر کھا رہے ہیں مفت تو نہیں ناں، میں شام کو پارٹ ٹائم جاب بھی کرتی ہوں یہاں کے ایف ایم پر اور وہاں پر بھی اسی لباس میں جاتی ہوں بلکہ میرا لباس و انداز تو اب میری پہچان بن چکا ہے۔'' پریت نے اسے تفصیل سے بتایا تو نہ چاہتے ہوئے بھی پیا کی ذہنی رو اپنے پاکستانی لوگوں کی طرف بڑھی جو مغربی دنیا کی اندھی تقلید میں اپنا کلچر، رواج اور اقدار و روایات کو مسخ کر رہے تھے کاش ان لوگوں کی سوچ بھی پریت سنگھ کی طرح ہو جاتی، اس نے دل ہی دل میں دعا کرتے پریت کی اس خوبی کو سراہا۔

''آپ لوگ بیٹھیں میں چائے بنا کر ساتھ میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' پریت پراندہ جھلاتی اوپن ایئر کچن کی جانب مڑی تھی پیا کو واقعی میں چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔

''بھابی! پلیز ادرک والی چائے بنایئے گا۔'' فرحاب نے پیچھے سے فرمائشی ہانک لگائی تھی۔

''آپ لوگ شام کو کھانا نہ بنانا آج، آپ لوگوں کا کھانا آج ہماری طرف ہوگا۔'' جسی سنگھ نے کہا تو پیا ان کی مہمان نوازی پر دل ہی دل میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی اس نے سن تو رکھا تھا کہ سکھ دل کے بہت کھلے اور مہمان نواز ہوتے ہیں پر وہ دیکھ آج رہی تھی۔

''یہ رہی جی گرما گرم چائے اور پریت کے ہاتھ کے بنے لذیذ سموسے۔'' تقریباً پندرہ منٹ بعد بھاپ اڑاتی چائے اور اشتہا انگیز سموسوں کے ساتھ پریت نے دوبارہ لاؤنج میں انٹری دی تھی پیا نے بہت حیرت کے ساتھ اس کی کوئیک سروس کو دیکھا۔

''میں آتے ہوئے گھر سے چائے اور سموسوں کا سامان بنا کر لائی تھی، کیونکہ مجھے پتا تھا اتنا لمبا سفر کرنے کے بعد فرحاب پاء جی میں اتنی ہمت بالکل بھی نہیں ہونی کہ بازار جا کر گھر کا راشن خرید کر لاسکیں اور پھر ہماری بھرجائی جی کیا سوچتی کہ اچھے پڑوسی ہیں کہ جنہوں نے نئی نویلی دلہن کی خبر ہی نہ لی۔'' پریت کو شاید بولنے کا بہت شوق تھا تبھی تو اتنا تفصیلی بولا کرتی تھی فرحاب

نے اپنی شادی کی اطلاع انہیں دے رکھی تھی اور واپسی کی تاریخ اور فلائٹ سے بھی وہ لوگ باخبر تھے، سو اسی لئے دونوں میاں بیوی منتظر تھے ان دونوں کے۔

''ایسی کوئی بات نہیں مجھے فرحاب نے آپ لوگوں کے بارے میں بتا رکھا تھا اور پھر یہاں کی زندگی ہے ہی اتنی مصروف کہ خود کے لئے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے کجا پڑوسیوں یا دوستوں کے لئے وقت بچا کر ان سے ملنا، لیکن آپ لوگوں نے وقت نکالا اتنی محبت سے پیش آئے اس کے لئے میں واقعی میں آپ کی ممنون ہوں۔'' پیا نے ان لوگوں کی محبت کے جواب میں نہایت حلاوت اور پیار سے کہا تھا ان دونوں میاں بیوی کی پہلی ہی ملاقات میں پیا کے ساتھ اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے آنکھیں کھول کر خود کو اپنے گھر میں پایا تھا، اس نے دوبارہ آنکھیں موند کر سوچنے کی کوشش کی کہ گزشتہ رات وہ کہاں پر تھا اور اسے اس کے گھر کون چھوڑ کر گیا تھا، بند آنکھوں کے پیچھے گزشتہ رات کسی فلم کی ویڈیو کی مانند اس کی آنکھوں کے آگے چلنے لگی تھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کلب میں تھا، ووڈکا کے پیگ پر پیگ چڑھاتے بری طرح وہ نشے میں دھت ہو گیا تھا اور اس کے دوست ہی اسے گھر کے اندر تک چھوڑ گئے ہوں گے، اس نے بے اختیار اپنی جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر اپنی اہم اور ضروری چیزوں کی تلاشی لی اور اس کا کریڈٹ کارڈ، موبائل فون اور گاڑی کی چابیاں تینوں غائب تھیں۔

''اوہ میکس، تم نے رات پھر زیادہ پی لی؟'' گولڈن براؤن بالوں میں انگلیاں پھنساتے اس نے لاؤنج کے صوفے پر آڑھے ترچھے لیٹے سوچا تھا، وہ جانتا تھا اس کی تینوں ضروری چیزیں اس کے چاروں دوستوں میں سے کسی ایک نے سنبھال کر رکھ لی ہوں گی مگر وہ میکس کو کسی صورت بھی اتنی آسانی سے اور بغیر قیمت چکائے چیزیں نہیں ملنے والی تھیں، اس نے اپنے چٹختے ہوئے اعصاب کو بمشکل کنٹرول کیا اور واش روم تک خود کو گھسیٹتے ہوئے لے گیا، پانی کے دو چار چھپاکے مارنے کے بعد اس نے نل بند کر دیا، برش کرنے کی زحمت اس نے گوارا نہیں کی کہ ٹوتھ پیسٹ کی خوشبو اور ذائقے سے زیادہ اسے وائن کی خوشبو پسند تھی، وہ وائن کا ایسا رسیا کہ اکثر پرفیومز بھی وہ ہی خریدتا جن میں الکحل بھاری تعداد میں استعمال کیا ہوتا، اس نے کچن میں آکر دودھ گرم کرنے کو رکھا اور خود کپ میں کافی پھینٹنے لگا تھا، آج سنڈے تھا تو اسے آفس نہیں جانا تھا، اپنے لئے کافی کا زبردست سا شوگر فری کپ تیار کر کے وہ آنسر مشین کے پاس آبیٹھا تھا کل رات اور آج آدھے دن کی اسے تمام فون کالز کا ریکارڈ چیک کرنا تھا اس نے کافی کا چھوٹا سا سپ لے کر آنسر مشین کا بٹن دبایا۔

''ہائے میکس! کہاں ہو تم ڈارلنگ! مجھ سے فوراً کانٹیکٹ کرو مائی سن، میں بہت پریشان ہوں ان فیکٹ تمہارے ڈیڈ بھی تمہارے لئے بہت وریڈ ہو رہے ہیں تم نے کہا تھا کہ تم آؤ گے ہمارے پاس یہاں لندن میں مگر تم نہیں آئے کیوں ڈارلنگ، میری بھی تمہارا بار بار پوچھ رہی ہے میں اسے کیا......'' پوری بات سنے بغیر ہی اس نے نیکسٹ میسج اوپن کر لیا تھا مام کی فکر اسے عجیب لگا کرتی تھیں۔

''اوہ مام میکس از ناٹ اے ماماز بوائے؟''

اس نے ہیشہ کا دہرایا جملہ ایک بار پھر دہرایا تھا

مگر اپنی ماں کو کال کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی، دوسرا میسج اس کے دوست جوزف کا تھا۔

''ہیلو میکس! آج رات کا نینٹیفل ڈیپارٹمنٹ میں آ جانا رات آٹھ بجے، تمہاری چیزیں اور گاڑی میرے پاس ہے اچھا سا ڈنر کریں گے وہاں پر ریڈ وائن کی بہت اچھی ورائٹی ملتی ہے۔''

''یو بلڈی۔'' جوزف کی بات میں چھپے مفہوم سے وہ اچھے سے واقف تھا، مطلب صاف ظاہر تھا اس کے کریڈٹ کارڈ سے دس پندرہ ہزار ڈالر کی قیمتی وائن پی جانا ان کا معمول تھا، خود میکس بھی ان کا ساتھ دیا کرتا مگر جب بھی اسے یہ لگتا کہ اس کے دوست صرف اسے استعمال کر رہے ہیں تب وہ بدل جاتا بلکہ بدتمیزی کی حد تک اپنا رویہ روکھا کر لیا کرتا، آنسرنگ مشین سے مزید کوئی ریکارڈ میسج سنے اس نے اسے آف کر دیا تھا اور اٹھ کر بالکونی میں آ کھڑا ہوا تھا، تبھی اس کی چندھیائی آنکھوں نے دور بہت دور کچھ نیا اور انوکھا دیکھا تھا اس نے اپنی مندی مندی آنکھوں کی پتلیوں کو سکیڑ کر دیکھا اسے کچھ منفرد اور نایاب نظر آیا تھا وہ فوراً الٹے پاؤں اپنے بیڈ روم کی جانب یعنی دوربین اٹھانے کو بھاگا تھا چند سکینڈ میں وہ بری طرح بھاگتے دوبارہ بالکنی میں کھڑا تھا اس نے دوربین کی نظر سے اس منظر کو دیکھنا چاہا تھا، ایک لڑکی اداس سی بالکنی کی منڈیر پر کہنیاں ٹکائے بیٹھی تھی۔

''اوہ پور میکس تم تو گئے کام سے۔'' اس نے وہ منظر دیکھتے خود کلامی کے سے انداز میں کہا، وہ منظر اس قدر شاندار بھرپور اور اتنا دلفریب تھا کہ میکس کے اندر کا مصور تڑپ اٹھا وہ کتنے عرصے سے کسی ایسے ہی مشرقی چہرے کی تلاش میں تھا اور میکس کی سب سے بڑی بدقسمتی بھی یہی تھی کہ اسے جو بھی چیز پسند آ جاتی تھی وہ اس کا پورٹریٹ بنائے بغیر رہ نہیں پاتا تھا، اسے یاد تھا جب وہ نیا نیا فائن آرٹس میں منی ایچر پینٹنگ کی باریکیاں سمجھ رہا تھا انہی دنوں اسے اپنے کالج کے ہمراہ واشنگٹن ڈی سی جانے کا اتفاق ہوا تھا وہاں وائٹ ہاؤس کے سامنے سے گزرتے اسے پینٹ کرنے کی بچپن کی دل کی نہاں خانوں میں چھپی خواہش نے ایکدم سر ابھارا تھا اس نے وائٹ ہاؤس کو پینٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، دوسرے ہی دن وہ علی الصبح اپنا پورٹیبل اٹھائے وائٹ ہاؤس کی شاندار عمارت کے سامنے اپنا ایزل سیٹ کیے کھڑا تھا ابھی اس نے اسٹروک بھی نہیں لگایا تھا کہ وائٹ ہاؤس کے پہرے پر مامور اسٹاف نے اسے جا کر پکڑ لیا تھا انہوں نے بغیر پرمنٹ کے اسے پینٹ کرنے کی اجازت نہیں تھی، انہوں نے پہلی نظر میں اسے جاسوس سمجھا تھا مگر اس کے کالج پرنسپل نے بڑی مشکلوں سے ان کی غلط فہمی کو دور کرتے ان سے معذرت کی تھی تب جا کر اس کی جان خلاصی ہوئی تھی، مگر اس نے اپنا ارادہ ترک نہیں کیا تھا نہ ہی وہ فوجی اسٹاف سے خوفزدہ ہوا تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے وائٹ ہاؤس کو پینٹ کرنا ہے اور اس نے اسے پینٹ کیا تھا وہ علی الصبح وائٹ ہاؤس سے ذرا دور اپنا پورٹیبل اٹھایا کر لے جایا کرتا اور بائی نوکیگر کی مدد سے دور کھڑے ہو کر کر پاتا، صبح چار بجے سے لے کر صبح سات بجے تک وہ وہاں پر رہتا اور ان تین گھنٹوں میں وہ وائٹ ہاؤس کو زیادہ سے زیادہ پینٹ کرنے کی کوشش کرتا، تین دن میں اس نے وائٹ ہاؤس کو پینٹ کر لیا تھا اور اپنی پینٹنگ لے جا کر اس نے اپنے فائن آرٹس کے ٹیچر کو دکھائی تھی، جی بھر کر حیران ہونے کے بعد انہوں نے دل کھول کر اس کے کام کی تعریف کی تھی۔

"تم نے یہ کیسے پینٹ کی کیا تم نے اسے کسی تصویر سے کاپی کیا ہے؟" ٹیچر ہیلن نے اس کے کام کی مہارت اور صفائی دیکھتے اس سے پوچھا مگر جواباً اس کی تفصیل سنتے انہوں نے متاثر کن لہجے میں ایک ہی جملہ کہا تھا، جسے میکس نے عمر بھر کے لئے اپنے پلو سے باندھ لیا تھا۔

"تم زندگی میں کچھ بھی کر سکتے ہو میکس! تمہارے لئے ناممکن کا لفظ بنا ہی نہیں ہے۔" مگر اب میکس یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہ نئی خواہش وائٹ ہاؤس کو پینٹ کرنے سے بھی کہیں زیادہ بڑی تھی اور ضروری نہیں کہ ہر خواہش پوری ہونے کے لئے ہی ہو۔

☆☆☆

فضا میں منجمد کر دینے والی ٹھنڈک کے احساس نے طول پکڑنا شروع کیا تو وہ اٹھ کر اندر آ گئی اسے تو ویسے بھی بہت سردی لگتی تھی، وہ سارا دن گھر کے کام ختم کرنے کے بعد بولائی بولائی پھرا کرتی یا بالکنی کی گرل پر کہنیاں ٹکا کر کوئین سٹی کے اپارٹمنٹ دیکھتی رہتی یا کونٹینینٹل ڈیپارٹمنٹ کی عمارت کو گھورتی رہتی، نیو یارک تو ویسے بھی حد سے زیادہ صاف ستھرا شہر تھا نہ دھواں تھا نہ مٹی نہ ہی آندھی آتی تھی اور پیا تو ویسے ہی موسم کو دیکھنے کے لئے ترس گئی تھی، پاکستان فون کرنے پر وہ ساون کی بارش اور آندھی کا بالخصوص پوچھا کرتی تھی سچ تو یہ تھا کہ وہ ان سب کاموں سے چڑنے کے باوجود بھی ان کی عادی ہو گئی تھی اور اجنبی ماحول میں اس مانوس اور گرم فضا کی کمی محسوس کرتی خصوصاً جب اسے زیادہ سردی لگتی تو اسے پاکستان کی گرمی بے حد یاد آتی، ابھی بھی وہ واثق بھائی کی سالگرہ کا دن یاد کر رہی تھی کہ پچھلی بار کیسے اس نے تائی اماں کے ساتھ مل کر ان کی سرپرائز برتھ ڈے سیلیبریٹ کی تھی واثق بھائی بالکل بے خبر تھے جب اس نے اور تائی اماں نے ایک ساتھ مل کر بلیک فارسٹ کیک ریسپی دیکھ کر بنایا تھا، واثق بھائی یونیورسٹی جاتے تھے امراء کے بچوں سے دوستیاں پال رکھی تھیں اکثر و بیشتر ان کے ہاں جانا رہتا وہاں ان کے خانساماؤں نے بیکنگ کی نت نئی ڈشز ایجاد کر کے ٹیبل سجا رکھی ہوتی، اسی لئے انہیں بیکنگ بہت پسند تھی اور اکثر ہی وہ پیا کو بھی بیکنگ سیکھنے کا مشورہ دیتے رہتے جسے پیا ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی مگر اس روز اس نے تائی اماں کی منت سماجت کر کے ان سے وہ تمام اشیاء منگوائی تھیں جن سے بلیک فارسٹ کیک بنتا تھا، سارا دن اس کو بنانے میں گزرا، ہلکان و پریشان ایسی ہوئی کہ چاکلیٹ آئسنگ میں شوگر ڈالنا بھول گئی، کیک بے حد نفیس اور خستہ بنا تھا، پیا اور تائی اماں نے خوشگوار انداز میں اس کیک کو نثار ہو جانے والی نظروں سے دیکھا اور فریج میں رکھ دیا، رات واثق بھائی کے آنے کے بعد انہوں نے پیا کو اشارہ کیا پیا جھٹ کیک پر موم بتیاں سجا کر لے آئی، واثق بھائی کیک سے زیادہ اس پر موم بتیاں دیکھ کر حیران ہوئے، پھر کچھ کہے بغیر ان جلتی موم بتیوں کو ایک ایک کر کے اتارا۔

"ارے پہلے انہیں بجھا تو لیں۔" پیا برہم ہوئی اماں نے بھی تائید کی اماں کو تو ویسے بھی واثق کو دیا جانے والا اس کا التفات ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا سو وظیفے میں مشغول رہیں، واثق بھائی نے ایک ہی سانس میں پچیس موم بتیاں بجھا ڈالیں پھر خوشگوار موڈ کے ساتھ کیک کاٹا۔

"ارے میری پسند کا کیک منگوایا آپ لوگوں نے؟" کیک کا چھوٹا سا پیس اماں کے منہ میں ڈالتے انہوں نے خوشی سے کہا تھا تائی اماں منہ بھینچے اس کڑواہٹ کو نگلنے کی سعی میں خاموش

رہیں اور اماں کو کھلانے کے بعد واثق بھائی نے پیا کو کیک کھلایا تھا اور پھر اماں کو کھلانے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا کیک چکھتے ہی پیا نے شدتوں سے دعا مانگی تھی کہ کوئی معجزہ ہو جائے اور واثق بھائی کیک نہ کھائیں اس کی ساری محنت اکارت گئی تھی اسے بری طرح سے رونا آ رہا تھا پیا کو تائی اماں کے ناقابل فہم تاثرات اور بھینچے لبوں کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی مگر پیا کی تو گناہ گار آنکھوں نے خود دیکھا واثق بھائی وہ کیک بہت مزے لے لے کر کھا رہے تھے سجاوٹ کے لئے اوپر لگائی اسٹرابریز انہوں نے نکال کر پیا کی پلیٹ میں رکھ دی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیا کو اسٹربریز بہت پسند ہیں اور خود کیک لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے پیا اور تائی اماں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا تھا۔

''تائی آپ نے مجھے یاد کیوں نہ کروایا کہ اس میں، میں نے شوگر بھی ڈالنی ہے؟'' واثق کے جاتے ہی پیا تائی اماں پر پھٹ پڑی تھی۔

''تو مجھے کیا الہام ہوا تھا کہ تو نے چینی نہیں ڈالی وہ تو اچھا ہوا کہ میں نے اسے بتایا نہیں کہ کیک تم نے بنایا تھا ورنہ خواہ مخواہ تمہاری کتنی سبکی ہوتی ناں۔'' آخری جملے پر نرمی لہجے میں سموئی وہ اسے چھوٹے بچے کی مانند پچکارتے ہوئے بولیں، اسی اثناء میں واثق بھائی کیک کی خالی پلیٹ لئے باہر آئے تھے۔

''تھینک یو پیا! تم نے میرے لئے اتنی محنت سے اتنا اچھا کیک بنایا؟'' واثق بھائی نے تو ایسا کہہ کر پیا پر گھڑوں کے حساب سے پانی ڈالا تھا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ کیک میں نے بنایا ہے؟'' پیا کے لہجے انداز سے حیرت نمایاں تھی۔

''ارے اسے بتانے کی کیا ضرورت ہے تمہارے ادھورے کام ہی تمہاری شناخت ہیں دور سے ہی نظر آ رہا تھا کہ ایسا کیک صرف تم ہی بنا سکتی ہو۔'' اماں کا وظیفہ ختم ہو چکا تھا اب توپوں کا رخ پیا کی طرف ہو چکا تھا اور اماں کی زبان گولہ داغ چکی تھی، جہاں پیا جزبز ہوئی وہیں تائی اماں اور واثق بھائی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ارے نہیں چچی! پیا نے واقعی میں کیک بہت مزے کا بنایا ہے دیکھیں میں سارا کھا گیا۔''

''لیکن واثق بھائی اس میں تو میں نے چینی ہی نہیں ڈالی تھی، جو آپ نے کیسے کھا لیا؟'' پیا نے دہل کر اس خالی پلیٹ کی طرف دیکھا۔

''اچھا، اس میں تم نے چینی نہیں ڈالی کمال ہے مجھے تو محسوس ہی نہیں ہوئی اتنی بڑی کمی۔'' اور پیا کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ وہ صرف اس کا دل رکھنے کو ایسا نہ صرف کہہ رہے ہیں بلکہ سارا کیک بھی ختم کر گئے ہیں اور آج وہ ان سب سے اتنی دور بیٹھی اس دن کو یاد کر رہی تھی اور شاید نہیں یقیناً واثق بھائی کو اس کی فون کال کا انتظار ہوگا اور کتنے دن ہو گئے تھے اس نے گھر والوں کو فون نہیں کیا تھا، فرحاب بے حد موڈی تھا اس کا دل چاہتا تو پیا کو فون ملا کر بات کرنے کے لئے کہہ دیتا نہ چاہتا تو پیا کے بارہا کہنے کے باوجود بھی ان سنی سی کر دیتا، پیا دل مسوس کر رہ جاتی کہ اماں کی نصیحت تھی شوہر کے موڈ کے حساب سے بات کرنی ہے اور ضد تو بالکل بھی نہیں کرنی ضد کرنے والی بیویاں اپنے شوہر کے دل سے اتر جایا کرتی ہیں جبکہ پریت کہتی تھی کہ۔

''بیوی اگر شوہر سے ضد کرتی رہے تو محبت بڑھتی ہے اس طرح دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی خواہشات کا احترام کر کے ایک دوسرے کو خوش رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں اور

زندگی سہل ہو کر گزرنے لگتی ہے، اب کون سا فلسفہ سچا اور درست تھا واللہ اعلم۔''

''پیا او پیا کہاں گم ہو؟'' جانے فرحاب کس وقت اندر آیا تھا پیا کو یوں اداس اور گم صم دیکھا تو جانے کتنی ہی آوازیں دے ڈالیں۔

''جج...... جی آپ کب آئے؟'' فوراً چونک کر آنسو صاف کرتے ہوئے ان کی جانب پلٹی تھی۔

''ابھی آیا ہوں، تم رو کیوں رہی ہو پیا، خیر تو ہے ناں؟'' وہ اس کے رونے سے پریشان ہوا تھا پیا کو جانے کیوں مگر یک گونہ سکون کا احساس ہوا، پیا اپنائیت کا احساس پاتے ہی پھوٹ کر رو دی۔

''کیا ہوا پیا؟'' اس کا سر فرحاب کے سینے پر دھرا تھا اس کا سر سہلاتے انہوں نے بہت محبت سے پیا سے استفسار کیا تھا پیا کے رونے میں اور شدت آ گئی دل تو ویسے ہی بھرا ہوا تھا بعض دفعہ رونے کو جی تو چاہتا ہے مگر ٹھوس وجہ کوئی نہیں ہوتی مگر فرحاب کو تو وجہ چاہیے تھی وہ پریشان تھا، ڈھیرا سارا رو چکنے کے بعد پیا کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو فوراً پیچھے ہٹ گئی اماں واقعی میں سچ کہتی ہیں میں واقعی میں بہت احمق ہوں، اس نے فرحاب شفیق کے پریشان چہرے کو دیکھتے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔

''اب بتاؤ کیا ہوا تھا؟'' اسے بازوؤں کے حلقے میں لئے وہ لاؤنج میں صوفے پر بٹھا کے بولا تھا۔

''وہ میں اکیلی خوفزدہ ہو رہی تھی اور مجھے گھر والے بھی یاد آ رہے تھے تو آئی ایم سوری، خواہ مخواہ میں آپ کو پریشان کر دیا۔''

ہتھیلیاں مروڑتی، پلکیں جھکائے شرمندگی سے بولتی فرحاب شفیق کو وہ اس سے زیادہ پیاری لگی بالکل ویسی ہی معصوم جیسے سعدیہ کی مہندی والے روز لگی تھی وہ دھیمے سے انداز میں مسکرا دیئے، دفعتاً پوچھ بیٹھے۔

''آر یو شیور کہ یہی وجہ ہے اور کوئی بات نہیں۔'' پیا نے ان کے استفسار پر چونک کر سر اٹھایا پھر آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

''آج واثق بھائی کی سالگرہ ہے، ہم ان کی سالگرہ پر ہمیشہ سرپرائز دیتے تھے ناں انہیں پر آج نہیں دے سکی، میں کھانا گرم کرتی ہوں؟'' اچانک بات ختم کرتے وہ اٹھ کر جانے لگی کہ فرحاب شفیق نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا تھا پھر فون ڈائریکٹری اٹھا کر ان کے گھر کا نمبر ملایا ان کے ہاتھ میں پیا کا ہاتھ ابھی تک ویسے ہی تھا پیا نے اس سے ان کی آنکھوں میں عیاں ہوتی محبت اور چہرے پر پھیلے اس کے لئے تفکر کو غور سے دیکھا اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑکا تھا اس نے بہت محبت سے فرحاب شفیق کے خوبصورت وجیہہ چہرے کو دیکھا اور مسکرا دی کال مل چکی تھی فرحاب دوسری جانب بہت محبت سے گھر والوں کا احوال دریافت کر رہے تھے، پھر گھر آنے کے بعد پیا کے رونے والا سارا قصہ بھی دہرا دیا پیا ان کی شرارت آمیز باتوں پر جھینپ کر مسکرا دی اور اماں نے تو حسب عادت خوب لتے لیے تھے وہ ایک بے حد سخت قسم کی ماں تھیں جو بچوں کی ہر عمر پر کڑی نگاہ رکھنے کی قائل تھیں۔

''کیا ضرورت تھی اتنا ڈرامہ رچانے کی، لے کے بچے بیچارے کو پریشان کر دیا، سالگرہ ہی تھی ناں ساری زندگی مناتے آئے ہیں اس سال نہ منا سکتے تو کون سی قیامت آ گئی، جو بیویاں شادی کے بعد میکے کی ہڑک نہ چھوڑیں شوہر ان سے تنگ آ جاتے ہیں مگر تم تو نجانے کب سدھرو

گی۔" اماں پیا کے لبوں پر درد کی سسکاری نے ہچکی سی لی تھی اس کی ماں کتنی سنگدل تھی۔

"اچھا بس، آج آخری بار ہو گیا آئندہ ایسا اتاولا پن دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" پیا نے شکر ادا کیا کہ اماں کے فرمودات سے وہ فیض یاب نہیں ہو پا رہے ورنہ شاید نہیں یقیناً یہ اس کی اپنے میکے آخری فون کال ہوتی۔

"آئندہ دھیان رکھوں گی اماں۔" دھیرے سے کہہ کر آنسو پیتے اس نے فون رکھ دیا تھا، جانے اس کی ماں کو اس کی ذات سے کیسے تحفظات تھے جو اس قدر سخت اور روکھا رویہ رکھا کرتی تھیں پیا کو آج تک سمجھ نہ آسکی تھی۔

☆☆☆

"تم جاب کیوں نہیں کر لیتیں؟" پریت اسے کافی کا کپ تھما کر اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی، پیا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر خلوص اور اپنائیت کی ملاحت ہر وقت بکھری رہا کرتی تھی، پیا نے کافی کے کپ کی بیرونی سطح پر انگلی پھیر کر اڑتی بھاپ کو انگلیوں میں جمع کرنے کی کوشش پھر اس کی بات پر حیرت ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا...... ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" پریت نے اس کی الجھی نگاہوں کی بابت استفسار کیا۔

"سوچ رہی ہوں کہ ایک انٹر پاس لڑکی کو یہاں نیو یارک جیسے شہر میں کون جاب دے گا۔" اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے کافی کا مگ لبوں سے لگا لیا تھا۔

"تم بس اپنا ارادہ بتاؤ جب کی فکر چھوڑو، یہ نیو یارک ہے جس کی ہمیشہ ہی یہ خوبی رہی ہے کہ یہاں کبھی کوئی بھوکا نہیں سویا اور پھر تمہیں کہیں اور جاب ڈھونڈنے کی ضرورت ہی کیا ہے فرحاب بھائی کا اپنا جنرل سٹور ہے اور بابا جی کی کرپا سے بہت اچھا چل بھی رہا ہے۔"

"بابا جی کی کرپا۔" پیا نے ناسمجھی سے دہرایا تو پریت نے اپنا ماتھا پیٹتے ہوئے زبان دانتوں تلے داب لی۔

"میرا مطلب ہے اوپر والے کی مہربانی سے اور پھر ہر بندے کا الگ مذہب الگ خدا تو اس نے اپنے خدا کی دعا ہی دینی ہے ناں۔" پیا نے سمجھ کے سر ہلایا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے پریت! کیا فرحاب مان جائیں گے؟"

"تو کیوں نہیں مانیں گے یار، جب انہیں یہ بتاؤ گی کہ سارا دن اکیلی بور ہوتی رہتی ہوں دیواروں سے دل لگا لگا کے تو وہ کیوں نہیں تمہیں اپنے ساتھ کام پر لے جانے کو راضی ہوں گے؟" اس کے خدشے کو پریت نے فوراً چٹکیوں میں اڑایا تھا۔

"پریت! مجھے تو کوئی کام ہی نہیں آتا میں وہاں پر کروں گی کیا؟" اس کی اس بات پر پریت نے اسے عجیب نظروں سے گھورا پھر کچھ دیر بعد دل کھول کے ہنس دی۔

"پرچیزنگ آفسر یا سیلز گرل کا کوئی بھی کام ہو، تم آسانی سے سیکھ جاؤ گی تم بس بات تو کرو۔" پریت نے اس کی خوب ہمت بندھائی تھی پیا نے تشکرانہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"تمہارے پراندے بہت خوبصورت ہوتے ہیں پریت!" پیا نے اس کے اورنج اور آتشی پراندے کو سوٹ کے ہمرنگ دیکھا تو کہے بغیر رہ نہ سکی تھی پریت میچنگ کی بے حد شوقین تھی۔

"چنڈی گڑھ سے ہی بے بے بنوا کر بھیجتی ہے ہمارے ہاں وہاں اجرت پر عورتیں بنا کر کے

دیتی ہیں تم کہو تو تمہارے لئے بھی آرڈر کر دوں، اگلے مہینے جسی نے جانا ہے پنجاب واپسی پر لیتا آئے گا۔" پریت نے فوراً ہی آفر کی تھی۔

"ارے نہیں، میں تو پراندے نہیں پہنتی، بس تمہارے پہنے اچھے لگتے ہیں تمہیں سوٹ بھی تو بہت کرتے ہیں ناں۔" پیا نے اس کی دل کھول کے تعریف کی تھی۔

"حالانکہ اگر تم پراندہ بالوں میں ڈالو تو تم بے حد پیاری لگو۔" پریت کا انداز محبت سے بھرپور تھا۔

"کھانا کھاؤ گی؟ آج میں نے دال چاول بنائے ہیں ساتھ میں لسی بھی بنائی ہے۔"

"نہیں کھانا تو میں فرحاب کے ساتھ ہی کھاؤں گی۔" پیا نے ترنت انکار کیا تھا۔

"ارے ان کے ساتھ تو روز ہی کھاتی ہو آج میرے ساتھ کھالو، مجھے تو آج کافی ہفتوں بعد ریسٹ کا موقع ملا ہے۔"

"وہ بات تو ٹھیک ہے پریت لیکن فرحاب کو بھی اکیلے بیٹھ کر کھانا کھانے کی عادت نہیں ہے۔" پیا نے فوراً اپنی مجبوری بتائی تھی پریت خاموش ہو گئی تھوڑی دیر بعد پھر کچھ یاد آنے پر بولی تھی۔

"ارے آج شام کو میکس کروک کی سولو ایگزیبیشن ہے مجھے آفس کی طرف سے فیملی پاس ملا ہے کیا خیال ہے وہاں نہ چلیں، تھوڑی آؤٹنگ ہی ہو جائے گی تمہاری جب سے آئی ہو گھر میں ہی بند ہو بالکل کسی پنجرے میں بند پرندے کی طرح۔" پریت نے فوراً جوش سے سارا منصوبہ طے کر لیا تھا مگر پیا تذبذب کا شکار تھی، اس نے ابھی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ پریت نے فوراً منع کر دیا۔

"بس..... بس اب یہ نہ کہنا کہ فرحاب بھائی کو اچھا نہیں لگے گا، بھئی انہیں کیوں اچھا نہیں لگے گا میں خود ان سے اجازت لیتی ہوں تم بس جا کے فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔" پھر اس کے بیٹھے بیٹھے ہی پریت نے فرحاب شفیق کو فون کر کے پیا کو اپنے ساتھ ایگزیبیشن میں لے جانے کی اجازت لے لی تھی کہ انہوں نے بخوشی دے بھی دی۔

"پر پریت میں تمہارے ساتھ چلی تو جاؤں پر یہ میکس کروک ہے کون اور اس کی کس چیز کی ایگزیبیشن ہو رہی ہے؟" بہت دیر سے ذہن میں کھلبلاتا ہوا سوال بالآخر نوک زبان پر آ کے دم توڑ گیا۔

"میں بھی کتنی بے وقوف ہوں پیا، تجھے بتایا ہی نہیں کہ میکس کروک نیویارک کا سب سے ینگ اور کامیاب ترین پینٹنگ آرٹسٹ ہے اور سال میں صرف ایک ایکسکلوسیو سولو ایگزیبیشن کرتا ہے جو اتنی کامیاب ہوتی ہے کہ اس کی پینٹنگز ایگزیبیشن کے پہلے دن میں ہی ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں اور وہ میرا سب سے فیورٹ پینٹنگ آرٹسٹ ہے۔" آنکھیں میچ کر میکس کرک کی شان میں رطب اللسان پریت پیا کو اس سے آئیڈیل فلمی ہیروز کے پیچھے مرنے والی ٹین ایجر لڑکی کی طرح سے لگی تھی وہ خود ایسا کوئی آئیڈیل رکھتی تھی نہ ہی کسی آرٹسٹ پر مرتی تھی چاہے شوبز سے تعلق رکھنے والا ہو یا کسی اور فیلڈ سے سو اسی لیئے وہ بہت حیرت سے ایسی لڑکیوں کو دیکھا کرتی تھی جو ایک بندے کے کام کے پیچھے یا اچھی شخصیت کے ہاتھوں ان کی دیوانی بن جایا کرتی تھیں۔

"سوری پریت! پر میں تمہارے ساتھ نہیں جا پاؤں گی۔" پریت نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اسے حیرت سے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں

چھپی الجھن پڑھتے ہی پیا نے اپنی بات کی وضاحت کی تھی۔

''اصل میں پریت! مجھے تو پینٹنگ کی زبان سمجھ میں آتی ہی نہیں ہے نہ ہی آج تک میں نے کسی ایگزیبیشن میں شرکت کی ہے۔'' اس کی بات سن کر پریت نے خلاف توقع ہاتھ جھاڑے تھے۔

''نیویارک میں آنے کے بعد تم یہاں بہت سے کام کروگی جو زندگی میں تم نے پہلے کبھی نہیں کیے ہوں گے اس لئے کوئی بہانہ نہیں چلے گا اور بس جا کے اچھے سے تیار ہو جاؤ اپنا وہ لیمن ییلو فراک پہننا، مجھے وہ تمہارا ڈریس بہت پسند ہے۔'' اس نے قطعیت سے کہتے پیا کو اٹھنے کا اشارہ کیا تھا پیا کو مانتے ہی بنی تھی۔

☆☆☆

اس نے پریت کی خواہش کے مطابق اپنا لیمن ییلو فراک ہی پہنا تھا ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک جما کے آنکھوں کو کاجل کی تحریر سے آراستہ کیا ہلکا سا گلابی عارضوں کو بلش آن کے ٹچ سے دہکایا اور بال کھلے چھوڑ کر انہیں ہلکے ڈھیلے سے بینڈ میں جکڑ دیا دوپٹہ اوڑھ کر گھر لاک کرنے کے بعد اس نے پریت کے گھر کی بیل بجائی جو خود بھی تیار ہو کر باہر ہی دروازہ لاک کر کے گاڑی نکال رہی تھی پیا کو دیکھا تو چند لمحے کھڑی دیکھتی ہی رہی پھر پیا کے قریب آنے پر محبت سے چور ہو کر بول دی۔

''بابا جی دی سوں، تو بہت سوہنی ہے پیا۔'' پیا اس کی کھلی تعریف پر دل سے مسکرا دی، ویسے بھی سکھوں کی ایک خوبی ہے وہ چاہے مرضی پڑھ لکھ جائیں مگر اپنی پنجابی زبان کا چسکا کبھی نہیں چھوڑتے بلکہ بہت فخر سے اپنی زبان کا استعمال بڑی بڑی محفلوں میں کیا کرتے ہیں، وہ کسی کی اندھی تقلید کم ہی کرتے ہیں۔

''تم بھی غضب ڈھا رہی ہو پریت، جسی بھاجی کی بھی خیر نہیں آج تو۔''

''رہن دے یار، بس دس سال ہو گئے اب تو اپنے اپنے کاموں میں ہم دونوں اتنا بزی رہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے پاس فرصت سے بیٹھنے ایک دوسرے کا حال احوال پوچھنے کو وقت ہی نہیں ملتا، اب اس نے کیا مجھے نوٹس کرنا ہے۔'' پیا کو افسوس ہوا اس نے یہ بات آخر کی ہی کیوں تھی اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ پریت اولاد کی کمی کو محسوس کرتی ہے بلکہ اسے تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خود دونوں ابھی تک فیملی کا ارادہ نہیں رکھتے۔

''تم نے اپنا علاج کیوں نہیں کروایا؟'' پریت جو اپنے لان میں لگے پھولوں میں سے پیلا گلاب ڈھونڈ رہی تھی اس کی بات پر چونک کر مڑی پھر پھیکے سے انداز میں ہنس دی۔

''جب واہے گرو کا حکم ہو گا تب ہو جائے گی اولاد بھی، جب اوپر والے کا ارادہ بنا تو کہاں ضرورت پڑے گی کسی ڈاکٹر کو دکھانے کی یا میڈیکل چیک اپ کروانے کی، مگر پھر بھی تمہاری تسلی کو بتا دیتی ہوں کہ ہم دونوں بالکل فٹ ہیں بس میرے مالک کی مہربانی کی ضرورت ہے، لو یہ بالوں میں لگا لو بہت اچھا لگے گا۔'' گلاب کے ڈھیر سارے پھولوں میں سے بالآخر اس نے ییلو گلاب ڈھونڈ ہی لیا تھا اور پیا نے بالوں میں لگا بھی لیا، پیا اور بھی حسین نظر آنے لگی تھی۔

''میں تمہارے لئے بہت ساری دعائیں کروں گی پریت!'' پیا نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے کہا تھا۔

ایگزیبیشن میں آدھے سے زیادہ نیویارک امڈا ہوا تھا، تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اتنے ڈھیر

سارے میڈیا والے، پریس والے بے شمار تصاویر بنانے کے ساتھ اس ایگزیبیشن کی چند ایک چینلز پر لائیو کوریج بھی دے رہے تھے، پیا کو پینٹنگ کی الف ب بھی پتہ نہیں تھی لیکن پھر بھی بہت دلچسپی سے شوخ رنگوں سے مزین تصاویر دیکھتی رہی، پریت ایک ایک پینٹنگ پر دل کھول کر تبصرہ کرتے اسے بھی فیض یاب کر رہی تھی ایک جگہ پر آکر پیا کے قدم چند لمحوں کے لئے ساکت ہو گئے تھے، اس نے ایک پینٹنگ دیکھی تھی وہ پینٹنگ کم اور اسٹروک لگا امیج زیادہ دکھ رہی تھی، یا جانے اسے پینٹنگ کی زبان میں کچھ کہا جاتا ہو مگر پیا کی جانے بلا، پیا نے اس پینٹنگ میں دکھائے گئے منظر کو غور سے دیکھ کر کچھ سوچنے کی کوشش کی اسے وہ منظر کچھ دیکھا دیکھا سا لگا تھا، شام کے وقت کو بڑی خوبصورتی سے دکھایا گیا تھا ایک لڑکی جس کا سراپا بے حد مبہم سا تھا جیسے کوئی الوژن ہو، بالکنی کی گرل پر کہنیاں ٹکائے فضا میں کچھ تلاش کر رہی تھی، پیا کے قدم وہیں پر جانے کیوں مگر اس پینٹنگ کے سامنے فریز ہو گئے تھے، کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا تو وہ اکیلی کھڑی تھی پریت اس کے ساتھ نہیں تھی اس نے اردگرد متلاشی نگاہوں سے دیکھا تو چند قدموں کے فاصلے پر میڈیا اور پریس والے جمگھٹے میں کھڑے میکس کروک کی بغل میں کھڑی آٹو گراف بک آگے کیے پریت اسے دور کھڑی نظر آ گئی تھی تبھی اس نے میکس کو دیکھا، جو میڈیا والوں کے سوالات کے جوابات بڑی شائستگی اور عمدگی سے دے رہا تھا، وہ ایک سرو قد کا مضبوط ڈیل ڈول رکھنے والا ایک وجیہہ نوجوان تھا فتح کا نشہ جس کے چہرے کے خدوخال سے جھلکتا تھا، جانے یہ پیا کی نظروں کا ارتکاز تھا یا کیا کہ عین اس لمحے میکس کروک کی نظریں بھی پیا کی نظروں سے ٹکرائی تھیں اور میکس کروک کو لگا جیسے ساری دنیا ساکت ہو گئی ہو اس کا الوژن اس کا من پسند چہرہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا تھا یہ اس کی خوش نصیبی تھی یا پیا کی بد نصیبی یہ فیصلہ ابھی تقدیر نے کرنا تھا، وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھا تھا۔

☆☆☆

''کیسا رہا تمہارا وزٹ؟'' لیپ ٹاپ بند کر کے اپنے فوکل گلاسز اتارتے فرحاب شفیق نے پیا سے پوچھا تھا وہ جو اس کے فارغ ہونے کی منتظر تھی اس کے پوچھنے پر جوش و خروش کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے بولی تھی۔

''ایک دم فرسٹ کلاس، پتا ہے میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی ایگزیبیشن دیکھی، رنگوں کی اپنی بھی ایک زبان ہوتی ہے اس قدر دلکش اور خوبصورت، مجھے اندازہ نہیں تھا بلکہ مجھے تو یہ فقط وقت کا ضیاع محسوس ہوا کرتا تھا، مگر میکس کی پینٹنگز ایک الگ وژن اور میسج رکھتی ہیں اپنے اندر اور ایک پینٹنگ تو مجھے اس قدر پسند آئی کہ حد نہیں۔''

''اگر اتنی ہی پسند تھی تو خرید لینی تھی۔'' فرحاب نے اس کے جوش و خروش کے پیش نظر فوری کہا تھا، پیا بہت کم کسی چیز کی تعریف کیا کرتی تھی اسے کم کم ہی کوئی چیز اچھی لگا کرتی تھی۔ ''اس بات کا تو مجھے دھیان ہی نہیں رہا حالانکہ پریت نے وہاں سے دو پینٹنگز خریدی بھی تھیں وہ پرسوچ انداز میں افسوس سے بولی تھی فرحاب شفیق کو اس کی معصومیت پہ بے ساختہ پیار آ گیا تھا۔

''چلو صبح چلی جانا اگر وہ پینٹنگ موجود ہو تو جا کر خرید لینا، پیسوں کی فکر مت کرنا وہ میں تمہیں دے دوں گا۔'' فرحاب نے کھلے دل سے آفر دی مگر پیا کا منہ لٹک گیا۔

''کیا ہوا؟ تمہیں میری اتنی اچھی آفر پسند نہیں آئی کیا؟'' اس کا منہ بنا دیکھ کر فرحاب شفیق کو اچنبھا ہوا تھا۔

''نہیں نا، آفر تو بہت پسند آئی ہے۔'' پیا نے حسب عادت انگلیاں چٹخائیں۔

''تو پھر؟'' فرحاب شفیق کا انداز سوالیہ تھا۔

''مسئلہ سارا تو اس زبان کا ہے، مجھے انگریزی کہاں بولنی آتی ہے کل بھی وہ میکس جانے کیا کیا بولتا رہا میرے پلے تو خاک بھی نہ پڑا تھا اور پھر میں اکیلی اتنی دور جاؤں گی کیسے مجھے تو راستوں کا بھی علم نہیں۔'' اس کے بچکانہ انداز پہ فرحاب کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں یہ پرابلم بھی ہے اس کا بھی کوئی حل سوچتے ہیں ویسے تم کس میکس کا ذکر کر رہی ہو؟''

''وہی میکس کروک، جس کی ایگزیبیشن میں گئی تھی، ہمارے پاس آیا تھا ان فیکٹ وہ اپنے ایک ایک وزیٹر کے پاس جا کر ان کے سوالوں کے جوابات دیتا رہا تھا، پریت نے بھی اس سے کئی سوالات کیے، میں جس پینٹنگ کے سامنے کھڑی تھی اس کو دیکھتے ہوئے اس نے مجھ سے کچھ کہا تھا۔'' جوش جذبات میں بولتی وہ ایک دم سے چپ ہوئی تھی۔

''کیا کہا تھا؟'' فرحاب شفیق کو اس کے اچانک خاموش ہونے پر الجھن محسوس ہوئی تھی۔

''ایک منٹ!'' پیا اسے اشارہ کرتی ایک دم سے باہر بھاگی تھی کمرے سے باہر نکل کر چپل پاؤں میں اڑستے اس نے کھلے بالوں کا جوڑا بناتے تیز قدموں سے گھر کا بیرونی چھوٹا سا لکڑی کا گیٹ پار کیا، اس نے فلالین کا گرم سوٹ پہن رکھا تھا ساتھ کسی بھی قسم کا سویٹر یا اپر تھا نہ ہی گرم چادر جبکہ نیویارک میں اس وقت ٹھنڈی یخ بستہ ہواؤں کا راج تھا اس پر باہر نکلتے ہی کپکپی سی طاری ہوئی تھی لیکن وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ساتھ والے گھر کا دروازہ بجا چکی تھی، دروازہ حسب توقع پریت نے ہی کھولا تھا، وہ اسے ایک لمحے کے لئے اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''پریت! میکس کروک نے مجھے دیکھتے ہوئے اور اس پینٹنگ کو دیکھتے کیا کہا تھا؟'' وہ اتنی رات گئے اتنی ٹھنڈ میں صرف یہ پوچھنے کے لئے آئی تھی کیا پلوشے آفریدی سے زیادہ پاگل بھی کوئی ہوگا، پریت نے لمحے بھر کو سوچا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''اندر آ جاؤ، باہر بہت ٹھنڈ ہے، بیمار پڑ جاؤ گی۔''

''نہیں فرحاب اکیلے ہیں میں انہیں ایک منٹ کا کہہ کے آئی ہوں، تم بس جلدی سے بتاؤ ناں کہ اس نے کیا کہا تھا؟''

''اس نے پوچھا تھا کہ تمہیں وہ پینٹنگ کیسی لگی جس کے سامنے تم کھڑی تھیں؟''

''اچھا۔'' پیا کا اتنی سی بات سن کر منہ بن گیا تھا، وہ بہت اچھی انگریزی زبان بول تو نہیں سکتی تھی مگر سمجھ سکتی تھی اور جو اس نے سمجھا تھا وہ یہ بات نہیں تھی۔

''ہاں پریت! پر اس نے میرے بارے میں مجھے دیکھ کر کیا کہا تھا، جب تم نے کہا تھا کہ اسے انگریزی بولنا اور سمجھنا نہیں آتی ہے؟'' پریت جانتی تھی کہ وہ یہ سوال ضرور پوچھے گی مگر پریت یہ بات اسے اس وقت نہیں بتا سکتی تھی۔

''گھر جاؤ پیا، رات بہت ہو گئی ہے ہم صبح بات کریں گے تمہارا ایک منٹ کب کا پورا ہو چکا۔'' وہ بے دلی سے اثبات میں سر ہلاتی واپس آ گئی تھی۔

''کیا ہوا پریت نے کیا بتایا پھر؟'' فرحاب

کو اچھے سے معلوم تھا کہ وہ پریت کے پاس ہی جائے گی پوچھنے کو اس لئے اس کے آتے ہی پوچھا تھا۔

''پریت گھر پہ نہیں تھی۔'' اس نے الجھتے ہوئے جواب دیا اور تکیے پر سر رکھ کر سوتی بن گئی حالانکہ فرحاب پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے پھر اتنی دیر کہاں لگا دی تھی۔

☆☆☆

میکس کروک نے اپنی اس پینٹنگ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے سراپے کو یاد کیا، اسے اس کی صورت حفظ ہو چکی تھی وہ چاہتا تو اس کی پینٹنگ بنا سکتا تھا مگر اسے یہ طریقہ غیر اخلاقی اور نامناسب لگتا تھا، وہ بچپن میں کچھ عرصہ اپنے پیرنٹس کے ساتھ انڈیا جا کر رہا تھا یہاں رہتے ہوئے اس نے ایشاء کی بیوٹی اور ان کی اقدار کو قریب سے دیکھا تھا، اس کی مام چونکہ ایک فارن منسٹر کی مسز تھیں سو ان کا کافی مسلم فیملیز میں بھی آنا جانا رہا تھا، وہ اکثر ان کے ساتھ جایا کرتا تھا اور جو چیز وہاں جا کر اسے شدت سے محسوس ہا کرتی تھی وہ ان کا پردہ سسٹم تھا، ان کی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں، حتیٰ کہ ان کے مرد حضرات مام کے سامنے سر جھکا کر تعظیم سے نگاہیں جھکائے مختصر بات چیت کیا کرتے تھے، وہ فطرتاً ایک آزاد منش انسان تھا اسی لئے تو اٹھارہ سال کا ہوتے ہی اس نے امریکہ آ کر اپنا فیوچر پلان کرنا مناسب سمجھا تھا، اس کی مام ڈیڈ اور باقی بہن بھائی لندن میں رہتے تھے مگر وہ اکیلا امریکہ میں رہتا تھا اس کے مام ڈیڈ اسے ایک کامیاب نیورو سرجن کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے مگر ان کی تو اس نے کبھی بھی نہیں مانی تھی، اس نے ضد کر کے فائن آرٹس کو پڑھا تھا، وہ ایک پینٹنگ آرٹسٹ بننا چاہتا تھا بہت بچپن میں اس کی انگلیوں کی بناوٹ دیکھتے ہوئے کسی نے اس سے یہ جملہ کہا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی بناوٹ اسے پیدائشی مصور ظاہر کرتی ہے اس کے ذہن سے یہ فقرہ چپک کر رہ گیا تھا، اس کی انگلیاں کسی مصور کی انگلیوں جیسی ہیں اس لئے ان سے اسے ویسے ہی کام لینا چاہیے جن کے لئے قدرت نے انہیں ڈیزائن کیا ہے وہ گھنٹوں اپنی انگلیوں پر نگاہ جمائے جانے کیا کیا سوچتا رہتا تھا، خواب دیکھنا اسے ہمیشہ سے پسند رہا تھا اور آرٹسٹ بننے کی خواہش کے ساتھ تو اس کے خواب اور بھی حسین اور مکمل ہو گئے تھے وہ خوابوں میں خود کو لائم لائٹ میں اپنے فینز اور میڈیا والوں سے گھرا ہوا دیکھتا تھا، اس کی خواہش اب جنون کا رستہ اختیار کرتی جا رہی تھی وہ ایک بہت بڑے پینٹنگ آرٹسٹ کے طور پر دنیا کے سامنے آنا چاہتا تھا اور پھر وقت اور تقدیر نے یقیناً اس کا ساتھ دیا تھا تبھی تو وہ آج نیویارک کا سب سے کم عمر مگر مشہور ترین آرٹسٹ تھا، اس نے پھر اس پینٹنگ میں موجود ''مبہم وجود'' کی طرف غور سے دیکھا، وہ چہرہ مبہم ہونے کے باوجود بے حد خوبصورت تھا وہ چاہتا تو فی الفور اس کو پینٹ کر سکتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اس کا تعلق انڈیا یا پاکستان سے ہے اور اس کا چہرہ بغیر اس کی اجازت پینٹ کرنا اس کے لئے بہت سی مشکلات کھڑی کر سکتا ہے، اسے اس سے کل رات والی اپنی اور اس کی ملاقات یاد آئی تھی، وہ کسی مقناطیسی کشش کے تحت اس کے پاس کھنچا ہوا پہنچا تھا، وہ پینٹنگ دیکھنے میں بری طرح سے محو تھی، میکس کو دل ہی دل میں ہنسی آئی وہ اپنے ہی سراپے کو اپنے ہی انداز کو اس قدر غور سے دیکھ رہی تھی مگر وہ یہ تو نہیں جانتی تھی کہ اتنے بڑے پینٹنگ آرٹسٹ نے بظاہر اس معمولی سی لڑکی سے متاثر ہو کر ہی اسے پینٹ کیا ہے، اس نے لیمن

ییلو رنگ کی لانگ فراک پہن رکھی تھی اور ہلکے پیلے رنگ کا گلاب بھی کان کے پیچھے اڑس رکھا تھا، میکس کروک کو اسے دیکھتے ہی ایک بات کا اعتراف کرنا پڑا تھا کہ آج تک اس نے کسی لڑکی کو بھی لیمن ییلو رنگ میں اس قدر حسین نظر آتے نہیں دیکھا تھا، وہ بھیڑ میں گھرا تھا اور وہ اکیلی اس پورٹریٹ کے سامنے کھڑی تھی، وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھا تھا، وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ اس کی طرف کیوں کھنچا چلا جا رہا ہے، اس نے اس لڑکی کے چہرے کی نرمی میں گم ہوتے بمشکل خود کو کمپوز رکھتے اس سے اپنی ایگزیبیشن کے متعلق استفسار کیا تھا۔

''کیا آپ کو میری یہ پینٹنگ بہت اچھی لگی ہے؟'' بہت سارے سوالات کرنے کے بعد کسی ایک کا بھی جواب نہ ملنے کے بعد اس نے اس سے پوچھا تھا اس لڑکی سے جس کے چہرے کا وہ اسیر ہوا تھا اور جس کا وہ نام تک نہ جانتا تھا، اس نے جواباً آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا اس کی بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھوں میں حیرت پنہاں تھی۔

''کس چیز نے آپ کو اس میں سب سے زیادہ متاثر کیا؟'' اس کے جواب دینے پر اس نے ایک طاقت سی اپنے اندر اترتی محسوس کی تھی جبھی اگلا سوال پوچھ لیا مگر پیا کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس کا کیا جواب دے سو خاموش ہو رہی مگر میکس نا امید نہیں ہوا اس نے اس سے اگلا سوال پوچھا تھا۔

''کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں؟ اور اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پینٹنگ کو میں نے تمہیں دیکھ کر بنایا ہے تو کیا تم یقین کرو گی؟''

''نہیں۔'' جواب اس کی بجائے اس کی دوست نے دیا تھا وہ چونک کر پلٹا تھا۔

''ہائے مائی نیم از پریت اور یہ کیا آپ اس ایگزیبیشن میں موجود تمام لوگوں کو بھی اس بات کا یقین دلائیں کہ آپ نے اس لڑکی کے حسن سے متاثر ہو کر یہ پینٹنگ بنائی ہے تو کوئی بھی یقین نہیں کرے گا کیونکہ آپ کی ایگزیبیشن سال میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے جبکہ پیا کو نیویارک آئے صرف ڈیڑھ ماہ ہی ہوا ہے اور ایگزیبیشن کی تیاری دو مہینے پہلے تک مکمل ہو چکی تھی۔'' رواں انگریزی میں بولتی وہ لڑکی خاصی پراعتماد سی تھی اس کا انداز بیاں غضب کا تھا میکس اس سے متاثر ہوا تھا۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ پینٹنگ میں نے صرف ایک رات میں مکمل کی ہے تو؟'' میکس کو اس سے بحث کرنے میں مزہ آنے لگا تھا۔

''تو ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر میں پھر بھی یقین کرنے میں متامل رہوں گی کہ آپ نے یہ چہرہ دیکھا کہاں؟'' پریت کی بات میں وزن تھا جواباً میکس نے اسے اس روز والے واقعے کی ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا جسے سن کر چند لمحوں کے لئے پریت حیرت زدہ رہ گئی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک اتنا بڑا آرٹسٹ ایک معمولی چہرے سے اس قدر متاثر ہو سکتا ہے کہ دن رات اس کے چہرے کے متعلق سوچتا رہے۔

''میں آپ کی خوبصورتی کو دنیا کے سامنے لانا چاہتا ہوں آپ کا پورٹریٹ بنانا چاہتا ہوں، کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گی؟'' اچانک میکس پیا سے براہ راست مخاطب ہوا تھا، اس سارے عرصے میں پریت پہلی بار مسکرائی تھی۔

''یہ یہاں نئی ہیں اور انگریزی بولنا نہیں جانتیں۔'' پریت نے میکس کو بتایا تھا، جس کے

چہرے پر واضح پریشانی کے آثار تھے، پیا البتہ اس تمام عرصے میں مسلسل مسکراتی رہی تھی اور یہ مسکراہٹ اسے میکس کی نظروں میں اور بھی حسین بنا رہی تھی۔

''تو اب میں انہیں اپنی بات کیسے سمجھاؤں؟''

''اردو سیکھ لیجیے، یا پھر اس کے انگلش سیکھنے کا انتظار کیجیے؟'' وہ کہہ کر پیا کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی تھی میکس وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''اردو سیکھ لوں۔'' میکس نے پریت کا مشورہ یاد کرتے سوچا تھا۔

''ہاں اتنا مشکل بھی نہیں ہے، میں اردو زبان سیکھ سکتا ہوں، یہ زبان میرے بہت کام آ سکتی ہے۔'' رم کا پیگ ہونٹوں سے لگائے اس نے خلا میں دیکھتے بہت کچھ سوچا تھا۔

''لیکن اپنے لباس اور انداز سے وہ ایک پاکستانی مسلم لڑکی لگ رہی تھی کیا وہ مان جائے گی؟'' اس نے رم کا دوسرا پیگ چڑھاتے سوچا تھا۔

''مگر میں اس کی مرضی ومنشا کے متعلق کیوں سوچ رہا ہوں مجھے وہ چہرہ اچھا لگا ہے اور اسے پینٹ کر سکتا ہوں اور استفسار پر بڑی آسانی سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ ایسا چہرہ بھی دنیا میں موجود ہے یہ تو خاص میرا الوژن تھا او کے ڈن میکس تم اس چہرے کو پینٹ کر رہے ہو کیونکہ تمہارا اصول رہا ہے کہ تمہیں جو چیز متاثر کر جائے اسے تم حاصل کر کے رہتے ہو۔'' اس نے خود کلامی کرتے سوچا تھا، اس نے رم کا خالی گلاس ٹیبل پر رکھتے فیصلہ کر لیا تھا مگر وہ فوراً اٹھا اور ایزل سیٹ کر کے اسٹروکس لگانے لگا تھا، اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

''تو میکس! یہ تو زیادتی ہوگی اس لڑکی کے ساتھ، تم کسی کا دل کیسے دکھا سکتے ہو۔'' اس نے رنگوں والی پلیٹ ٹیبل پر پٹخ دی تھی اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا، وہ بے حد پریشان ومضطرب ہوا اٹھا تھا۔

☆☆☆

''تم جاب کرو گی، تم...... جو ذمہ داریوں سے اتنا کتراتی ہو؟'' فرحاب شفیق پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے وہ پیا کی بات سن کر استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

''ہاں تو کیا حرج ہے پھر یہاں بور بھی تو ہوتی ہوں سارا دن۔'' پیا کو اس کے اعتراض کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''پھر بھی...... تم جو گھر کی ذمہ داری اٹھانے سے کتراتی ہو پھر جاب کیسے کرو گی یہاں تو بہت کام کرنا پڑتا ہے گھر اور جاب کی ذمہ داری ایک ساتھ نبھانا پڑتی ہے؟'' وہ حیران تھا۔

''تو آہستہ آہستہ ذمہ داری کی عادت بھی ہو جائے گی فرحاب! مجھے ایک کوشش تو کر لینے دیں۔'' پیا نے استہزائیہ اندار کو نظر انداز کرتے نرمی سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، دیکھ لو آزما کر خود کو ایک دفعہ، مگر جب کرو گی کہاں اور کس قسم کی کرنا چاہتی ہو؟'' فرحاب نیم رضامندی سے بولا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ اسٹور پر جایا کروں گی۔'' پیا نے فوراً اپنا فیصلہ سنایا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ سب کچھ پہلے سے ہی پلان کر کے بیٹھی ہو۔

''مگر میرے اسٹور پر پہلے ہی ورکرز کی تعداد پوری ہے بلکہ میں تو ایک آدھ کو نکالنے کا سوچ رہا ہوں کسی نئے ورکر کی سیلری افورڈ نہیں کر

سکتا ہاں اگر تم ایز اے والنٹیر میرا ہاتھ بٹانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' نچلے ہونٹ کا کونا دانتوں تلے دبائے وہ شرارت کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

''ارے واہ اتنی چالاکی، سیلری تو میں لوں گی لازمی۔'' پیا بضد ہوئی۔

''اور اگر میں نہ دوں تو؟'' فرحاب کا انداز خاصا شرارتی تھا اور نٹ کھٹ سا تھا۔

''تو میں چوری کر لوں گی اپنے حصے کی رقم؟'' پیا نے بھی صاف کہا تھا کوئی لیٹی رکھے بغیر ادھار اس نے بھی نہیں رکھا تھا۔

''ہاں تم یقیناً چوری ہی کرو گی، چور تو تم بہت اچھی ہو بہت صفائی ہے تمہارے ہاتھ میں۔'' فرحاب شفیق نے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کافی کا خالی مگ ٹیبل پر رکھتے کہا تھا، پیا نے شانے اچکا کر شان بے نیازی کا ثبوت دیا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے چلو پھر کل صبح سے میرے ساتھ، لیکن ایک بات بتا رہا ہوں پہلے ہی، مجھے گھر گندا بالکل بھی نہیں چاہیے اور اپنا ہر کام وقت پر مکمل ہوا ملنا چاہیے۔'' فرحاب شفیق نے تنبیہ کرنا مناسب سمجھا تھا۔

''جو حکم میرے سرکار!'' پیا جواباً کورنش بجا لائی تھی مگر وہ اندر سے بے حد ایکسائیٹڈ تھی دوسرے ہی روز وہ فرحاب کے ساتھ سٹور پر جانے لگی تھی۔

☆☆☆

''تمہارے ہاتھ میں ذائقہ کتنا ہے پریت، جو بھی پکاتی ہو اتنے مزے کا بنتا ہے کہ انگلیاں چاٹ کر کھا جانے کو جی کرتا ہے۔'' ندیدوں کی طرح کڑھی پکوڑے کھاتے پیا ساتھ ساتھ بے لاگ تبصرہ بھی جھاڑ رہی تھی، پریت بے حد مخلص اور کھلے دل کی گھریلو سی لڑکی تھی، جو جاب اور گھر کو بہت اچھے سے مین ٹین کیے رکھتی تھی پیا اس سے اس کی ہر خوبی سے بے حد متاثر تھی۔

''اچھا، اگر ایسا ہے تو پھر دل کھول کے کھاؤ، کیونکہ میری کوکنگ کی تعریف آج تک ماسوائے تمہارے کبھی کسی نے بھی نہیں کی۔'' وہ اس کی پلیٹ میں ابلے ہوئے چاول اور کڑھی مزید ڈالتے ہوئے بولی تھی اس کی بات سن کر پیا نوالہ حلق سے اتارنا بھول گئی تھی۔

''ہاں۔'' اس کا منہ واضح طور پر کھل گیا تھا۔

''جسی بھائی تمہاری تعریف نہیں کرتے کیا؟'' پریت نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''یہ تو سراسر زیادتی ہے تمہارے ساتھ پریت، فرحاب تو میرے بنائے ہر کھانے کی دل کھول کر تعریف کرتے ہیں۔''

''وہ تو شروع سے ہی ایسے ہیں وہ پہلے بھی یونہی......'' اچانک کچھ کہتے پریت نے لب سختی سے بھینچے تھے پیا کو اس کی اچانک خاموشی بری طرح کھلی مگر بولی کچھ نہیں۔

''ایک بات بتاؤ پریت۔'' پیا نے چمچ پلیٹ میں رکھتے سنجیدگی سے پوچھا تھا اس کے اچانک سنجیدہ ہونے والے تاثر پر پریت سمجھ گئی کہ کچھ خاص بات وہ پوچھنے والی ہے۔

''ہاں پوچھو۔'' اپنے لئے کڑھی اور پکوڑے پلیٹ میں نکال کر وہ اس کے ساتھ ٹیبل پر آ بیٹھی تھی۔

''میکس کروک نے اس روز میرے بارے میں کیا کہا تھا؟'' پیا نے بات کے دوران پریت کا چہرہ غور سے دیکھتے اسے جانچنے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے اندازہ تھا کہ تم یہی پوچھنے والی ہو۔''

پریت ہولے سے مسکرائی تھی۔
''وہ تمہاری پورٹریٹ بنانا چاہتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس نے وہ تصویر تمہیں دیکھ کر بنائی تھی۔'' پیا دم بخود رہ گئی۔
''مجھے دیکھ کر، پر مجھے کہاں دیکھا اس نے پریت؟'' پیا الجھی ہوئی تھی۔
''اپنے ٹیرس سے، دوربین کے ذریعے وہ یہاں سے کچھ ہی دور رہتا ہے اور ہم جس علاقے میں ہم رہتے ہیں وہ نیویارک کے اچھے رہائشی علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔'' پریت نے تفصیل بتا کر پیا کو مزید حیران کر دیا۔
''لیکن وہ میری پورٹریٹ کیوں بنانا چاہتا ہے؟ مجھ میں ایسا کیا ہے؟''
''مصور کی نگاہ، لکھاری کی سوچ عام انسان سے بہت مختلف اور گہری ہوتی ہے پیا، جو چیز ہم تمام انسانوں کو خاص نہیں لگتی وہی چیز کسی مصور یا رائٹر کے لئے بے حد اہم یا خاص ہوتی ہے اور پھر تم تو ہو ہی اتنی پیاری بالکل مونالیزا جیسی، تمہیں کوئی مصور کیوں نہ پینٹ کرے گا بھلا۔'' پریت نے حسب عادت اس کی تعریف کی۔
''تو تم نے یہ بات اس روز مجھے کیوں نہ بتائی میں فرحاب کو بھی بتاتی۔''
''ایک بات کہوں پیا؟ فرحاب بھائی کو کبھی بھی یہ بات پتہ نہ چلنے دینا۔'' پریت نے الفاظ ترتیب دینے کی کوششوں کو ایسے آسان فہم الفاظ کہ پیا ساری بات سمجھ سکے اور زیادہ سوالوں سے اجتناب بھی کرے۔
''لیکن کیوں بھئی، کیا حرج ہے اس میں؟''
''شاید تم یقین نہ کرو مگر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے فرحاب بھائی بہت شکی مزاج مرد ہیں، میرا مطلب ہے وہ کبھی بھی نہیں چاہیں گے کہ ان کی بیوی کی خوبصورتی کو کوئی مصور یوں بازار میں بکنے کے لئے پیش کرے اور پھر شوہر کی خوشنودی میں ہی ہم بیویوں کی بھلائی ہوتی ہے اور ازدواجی زندگی میں قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے ہماری ذرا سی لغزشیں ہمیں کسی بہت بڑے طوفان سے دوچار کر سکتی ہیں۔'' آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے اس نے تسلی آمیز لہجہ اختیار کیے اسے سمجھایا تھا، پیا کو پریت اور بھی اچھی لگی۔
''تم بہت اچھی ہو پریت، جو اتنی اچھی باتیں مجھے سکھاتی رہتی ہو۔'' پیا نے تشکر سے اسے دیکھتے کہا تھا، پریت نرمی سے مسکرا دی تھی۔
''کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' اس نے موضوع بدل دیا تھا، پیا سر جھکا کر کھانا کھانے لگی تھی، پر تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر اسی جگہ کھڑی تھی۔
''پر پریت! مجھے تو کبھی بھی نہیں لگا کہ فرحاب شکی مزاج مرد ہیں۔''
''اچھی بات ہے ناں پیا، کہ اپنے کسی عمل سے انہوں نے اپنی اس خامی کا اظہار نہیں ہونے دیا تو کیا ضروری ہے کہ تم انہیں اپنے کسی عمل سے اس کا موقع دو۔'' پریت نے نرمی سے اس سے پوچھا تھا پیا نے آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا مگر سوچ کا ایک نیا در اس پر وا ضرور ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے کافی دنوں کے بعد پاکستان فون کیا تو اماں خلاف توقع بے حد ناراض نظر آ رہی تھیں۔
''اتنی مصروف ہو گئی ہے تو کہ اپنی ماں کو ایک فون تک کرنے کا ٹائم نہیں ہے تیرے پاس۔'' وہ بے حد ناراضی سے بولی تھیں۔
''ایسی بات نہیں ہے اماں! بس جاب کی وجہ سے اتنی مصروفیت ہو گئی ہے کہ سر کھجانے کی

بھی فرصت نہیں ملتی، رات کو تھکے ہارے جب گھر آتے ہیں تو کھانا کھانے کی بھی طلب نہیں رہتی بس بستر پر جانے کی خواہش ہوتی ہے، آپ پلیز ناراض مت ہوں میں آئندہ جلدی کال کرنے کی کوشش کروں گی۔'' پیا نے لجاجت سے انہیں مناتے ہوئے اپنی مجبوری بتائی تھی۔

''تو کس نے کہا تھا کہ نوکری کا شوق پال لے، آرام سے گھر بیٹھ کر گھر داری کرتیں تجھے تو کوئی مجبوری بھی نہیں تھی تیرا شوہر تو اچھا خاصا کما بھی رہا ہے اور اس نے تجھے مجبور بھی نہیں کیا تھا۔'' اماں حسب عادت جلال میں آئیں پیا دھیمے انداز میں مسکرائی پہلے کی طرح اماں کی یہ بات اسے چبھی نہیں تھی بلکہ وہ تو پردیس میں ان کی ایسی ہی باتوں کو بہت مس کیا کرتی تھی۔

''بات مجبوری کی نہیں تھی اماں، ٹائم کی تھی، سارا دن گھر میں بولائی بولائی رہتی تھی یہاں کے لوگ اس قدر مصروف رہتے ہیں اماں کہ بعض دفعہ لگتا ہے جیسے وہ آرام تو کرتے ہی نہیں، ایسے میں گھر کی تنہائی سے کتنا دل لگاتی فرحاب تو صبح کے گئے رات گیارہ بجے گھر آتے ہیں تو آپ خود ہی بتائیں کہ میں جاب نہ کرتی تو اور کون سی مصروفیت ڈھونڈ نکالتی گھر میں، جبکہ دو بندوں کا کام بھی زیادہ نہیں ہوتا اور یہاں تو ہفتوں گھر کی صفائی نہ بھی کرو تو بھی گھر صاف رہتا ہے۔'' پیا کی بات سن کر اماں کو حیرت سے زیادہ صدمہ ہوا تھا جبھی تو دکھ سے چور لہجے میں بولی تھیں۔

''کیسی زندگی تو گزار رہی ہے پیا، یہ میں نے تجھے کس جگہ بھیج دیا جہاں تو سارا دن اکیلی گدھوں کی طرح سے کام میں جتی رہتی ہے۔'' پیا ان کی بات سن کر مسکرا دی تھی تبھی شرارت آمیز لہجے میں بولی تھی۔

''اسی لئے تو آپ سے کہا کرتی تھی کہ مجھے باہر مت بھیجو مجھے اپنے آس پاس ہی کہیں بیاہ دو مگر آپ کو بھی شوق تھا کہ اکلوتی بٹی باہر بیاہ جے گا۔'' پیا کا مذاق اماں کو بری طرح کھلا۔

''اور کوئی مجھے اس قابل بھی تو نہیں لگا ناں کہ تیرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں پکڑا سکتی، کوئی تھا اس قابل بتا اور پھر کیسی ٹھاٹھ کی زندگی ہے تیری اپنا کماتی ہے شوہر کا کھاتی ہے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بہت جمع کر لینا تاکہ انہیں اچھا مستقبل فراہم کر سکو۔'' اماں کے لہجے کی ٹون یکدم بدلی تھی پیا کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا اسے اندازہ ہو گیا کہ اماں کے پاس کوئی آ کر بیٹھا ہے جسے سنانے کے لئے اماں یہ سب کہہ رہی تھیں۔

''آپ کے پاس اس وقت کون ہے اماں؟''

''واثق ہے بات کرے گی؟'' اماں اس کی مسکراہٹ سے خائف ہوتے فوراً بولی تھیں وہ اپنے ددھیال والوں کی ہی تھی وہ جتنا مرضی اسے دور کرنے کی کوشش کرتی مگر پیا کی محبت میں اتنا ہی اضافہ ہوتا محسوس کرتیں۔

''ارے جلدی سے کروائیں واثق بھائی سے، آج کہاں سے سورج نکلا کہ وہ گھر پر موجود ہیں؟'' اس نے جلدی سے کہا تھا مگر اماں نے اس سے پہلے ہی کارڈلیس واثق کو تھما دیا تھا اور انہوں نے اس کا آخری جملہ سن لیا تھا۔

''سورج تو ہمیشہ کی طرح مشرق سے ہی نکلا ہے ہاں اب ایک آفیسر کے پاس اتنا ٹائم تو نہیں ہوتا کہ ملک و قوم کی خدمت کی بجائے گھر پر ہی پڑا اینٹھتا رہے؟'' پیا کھل کر مسکرائی تھی شاید بہت دنوں کے بعد۔

''کیا بات ہے بھئی، ٹھاٹھ ہیں آفیسر کے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہت بڑی خواہش پوری کر

دی آپ کو شوق بھی تو بہت تھا ناں پولیس لائن میں جانے کا۔'' پیا کو وہ دن بھی یاد تھے جب واثق بھائی نے کرائم برانچ میں جاب کی درخواست دی تھی اور وہ منظور ہو گئی تھی مگر تائی اماں نے کراچی کے حالات سے ڈر کر انہیں جوائن نہیں کرنے دیا تھا مگر واثق بھائی نے ہار نہیں مانی تھی کیونکہ یہ ان کا پیشن تھا۔

''ہاں بس دیکھ لو، تمہیں بھی تو امریکہ میں جا کر بسنے کا کریز تھا، اللہ نے تمہاری بھی تو خواہشیں پوری کی ناں۔'' واثق بھائی نے پیا کو جان بوجھ کے چھیڑا تھا، وہ کارڈلیس تھامے اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

''اللہ اللہ واثق بھائی! جانے دیں اتنا بڑا الزام، خیر پولیس والے ہیں آپ لوگ تو کوئی بھی الزام لگا دو جرم تو آپ ہی آپ ثابت ہو جاتا ہے اور سنائیں کوئی لڑکی ملی بھی یا نہیں؟''

''ہک ہا پیا! پولیس والے تو بیچارے رشوت خور، ظالم اور نجانے کیا کیا مشہور ہیں کون لڑکی بھلا ہم سے متاثر ہو گی اس لئے میں نے اس ٹاپک کو بند کر رکھا ہے فی الحال۔'' واثق نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر نگاہ جماتے شرارت سے کہا تھا، دل البتہ درد کے گہرے سمندر میں موجزن ہونے لگا تھا۔

''خیر آپ کو لڑکیوں کی کیا کمی آپ تو اتنے ہینڈسم......'' آدھی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی تھی کہ فرحاب شفیق نے کارڈلیس اس کے ہاتھ سے آ کر چھین لینے والے انداز میں تھام لیا تھا پیا حیرت سے پلٹی تھی فرحاب شفیق کے ماتھے کے بل بہ آسانی گنے جا سکتے تھے اس کے چہرے پر سنجیدگی معمول سے کہیں زیادہ تھی، پیا کو پریشانی سے زیادہ حیرت ہوئی، اس کی آنکھوں میں سوال تھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا ہوا ہے شادی کو دو ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا مگر فرحاب شفیق کا ایسا انداز اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

''دن رات گدھوں کی طرح سے کماتا ہوں پیا! میری محنت کی کمائی ہے جسے تم یوں اتنی بے دردی سے لٹا رہی ہو؟'' الفاظ تھے کہ انگارے، پیا کو بے حد جلن محسوس ہوئی تھی۔

''دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تمہیں کال کرتے ہوئے، کچھ تو احساس کرو کہ موبائل فون پر اس کے کتنے چارجز بن رہے ہوں گے، مگر تمہیں کیا۔'' فرحاب شفیق نے گرم گرم سلگتے انگارے بالٹی بھر کے جیسے پیا کے وجود پر الٹ دیئے تھے، اتنا شدید ردعمل اور وہ بھی اتنی چھوٹی سی بات پر، پیا کو بات ہضم نہیں ہوئی، یقیناً بات کچھ اور تھی جسے وہ چھپا کر غصہ کہیں کا کہیں نکال رہا تھا۔

''آئم سوری، آئندہ دھیان رکھوں گی۔'' کہہ کر وہ دھیرے سے پلٹ گئی تھی مگر اس کا ذہن الجھ گیا تھا فرحاب سر جھٹک کر رہ گیا۔

☆☆☆

آج نیویارک کا موسم بے حد شدت پسندی پہ اترا ہوا تھا، ہوا میں خنکی حد سے زیادہ تھی آسمان ہلکے ہلکے سرمئی بادلوں سے اٹا ہوا تھا، لگتا تھا آج بارش نیویارک کی اونچی عمارتوں پر خوب خوب برسے گی، گلاس وال کے شیشے سے نظر آتے سرمئی آسمان کو دیکھ کر پیا کو پاکستان کا ساون یاد آیا تھا، ساون کا مہینہ وہ بے حد بھرپور انداز میں منایا کرتی تھی جی بھر کر پکوڑے، چپس اور کچوریاں تلی جاتی گھر پہ سموسے بنائے جاتے کبھی کبھار حلوہ پوری کا موڈ بن جایا کرتا کبھی تمکین کے ساتھ بیٹھے کا دور چل جایا مگر نیویارک کے سرد موسم میں بس کافی یا چائے کے ساتھ وہ کوکیز ہی کھا پاتی جب سے جاب شروع کی تھی وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا ہی

نہ سکی تھی اوپر کے چونچلوں کے لئے پھر وقت کہاں پھر ماحول ہی ایسا نہ تھا جو جذبات کو گرماتے ایک توانائی سی بھر دیتا، نیو یارک شہر کا موسم بے حد ظالم تھا سرد اور سفاک، ٹھنڈا اور بے رحم، اس نے ٹھنڈی آہ فضا کے سپرد کی اور گروسری سیکشن میں آیا ہوا نیا سامان ریک میں سجانے لگی، اس نے گرم موٹی اونی جرسی کے نیچے ریڈ ویلوٹ کا سوٹ پہن رکھا تھا، سردی شدید تھی اور پیا کو ویلوٹ پر جرسی تنگ بھی خوب کر رہی تھی، ویلوٹ کا چکیلا کپڑا اونی جرسی کو اپنے اوپر ٹھہرنے نہیں دے رہا تھا، نتیجتاً کبھی ادھر کو لڑھک جاتا تو کبھی ادھر تو تنگ آ کر اس نے جرسی اتار کر کاؤنٹر کے پیچھے بنے شیلف پر رکھ دی اور خود آ کر سامان سمیٹنے لگی، اچار، جیم، مارجرین کی بوتلیں ان کے ریک میں ترتیب کے ساتھ رکھتے وہ اپنے کام میں منہمک تھی جبھی اسے کسی نے پکارا تھا وہ چونک کر پلٹی تھی۔

''یس۔'' نو وارد کو دیکھ کر اس نے شائستگی سے کہا تھا اس سٹور میں ضرورت کی ہر چیز سامنے رکھی مل جایا کرتی تھی ہاں کبھی اگر کوئی چیز شارٹ ہو جاتی تو اکثر گاہک کاؤنٹر یا ورکرز کی مدد لے لیا کرتے تھے پیا کو بھی یہی لگا کہ شاید اس کے سامنے کھڑے بندے کو بھی اسی طرح کا کوئی کام ہو سکتا ہے مگر وہ غلط تھی۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا پیا!''

نو وارد کے منہ سے اپنا نام سن کر اسے چار سو چالیس والٹ کا کرنٹ لگا تھا، وہ اسے بالکل بھی نہیں پہچان پائی تھی جبکہ اس کے چہرے کے تاثرات سے واضح طور پر ظاہر ہو رہا تھا۔

''لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا اور شفق کے رنگوں سے مزین پیا کے حسین چہرے پر نگاہیں گاڑھے سوال کیا پیا نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے اسے پہچاننے کی کوشش کی مگر ہر روز سینکڑوں لوگوں کو وہ ڈیل کرتی تھی، ہر ایک سے اچھے انداز میں بات چیت بھی کیا کرتی تھی اب اسے کہاں یاد رہ جاتا کہ وہ کب کہاں کس سے ملی ہے اسی لئے سر ہولے سے نفی میں ہلا کر اپنی بے چارگی ظاہر کر دی۔

''میں جانتا تھا۔'' وہ جواباً دھیرے سے مسکرایا اس بار پیا کو اس کی مسکراہٹ شناسا سی لگی۔

''میں میکس کروک ہوں، آپ سے اپنی ایگزیبیشن میں ملا تھا۔'' اس نے نہایت شائستگی سے اپنا تعارف کروایا، پیا کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اس نے میکس کو دوبارہ دیکھا، اس نے جاننے کی کوشش کی کہ وہ اسے پہچان کیوں نہیں پائی، لمحہ کے ہزارویں حصے میں اس کے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا جو ویسے بھی ایسے کاموں میں خوب ٹائم سے چلتا تھا، اس نے میکس کے چہرے پر نگاہ جمائی، پہلی بار جب وہ اس سے ملی تھی تو وہ اس کے بالوں کا رنگ برگنڈی تھا اور وہ کلین شیو تھا، جبکہ آج اس کے بالوں کا رنگ سنہری بھورا ہونے کے ساتھ ساتھ فرنچ داڑھی بھی رنگی ہوئی تھی کان میں پلاٹینم کی بالی ڈلی تھی، ہاتھوں میں چند ایک انگوٹھیاں اور کلائیوں میں ڈھیر سارے بریسلٹس نما بینڈز، اب اس میں کوئی انسانوں والی بات ہوتی تو وہ اسے پہچانتی ناں، پیا نے ہولے سے سر جھٹکا اور زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

''نائس ٹو میٹ یو۔''

''سوری ملے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ناں تو میں فوری طور پر آپ کو پہچان نہیں پائی۔'' اس کی پچھلی آفر ذہن میں آتے ہی وہ فوراً شائستگی سے

بولی تھی، آخر کو وہ نیویارک کا ایک نامور مصور تھا اور پیا کے پورٹریٹ بنانے کا خواہشمند تھا۔

''ملے ہوئے تو کافی عرصہ نہیں گزرا البتہ آپ کے ذہن سے ضرور محو ہو گیا ہوں شاید۔'' اپنائیت کی حد تھی اور پیا زبان سے نابلد، سو جہاں انگریزی کا جملہ ذہن سے محو ہوا وہیں پر مسکراہٹ چہرے پر دوبارہ سے عود آئی۔

''اٹس اوکے، یہ میرا کارڈ رکھ لیں جب کبھی ضرورت ہو مجھے کال کر سکتی ہیں انی ٹائم۔'' وہ جاتے جاتے پلٹا پیا کے ہاتھ میں کارڈ ابھی بھی ویسے ہی تھاما ہوا تھا۔

''ایک ریکویسٹ کی تھی میں نے آپ سے، آپ کا چہرہ مجھے ایشیا کے تمام خوبصورت چہروں سے زیادہ خوبصورت لگتا ہے اور میں آپ کا پورٹریٹ بنانا چاہتا ہوں، پلیز یہ میرے دل کی خواہش ہے اور دل کی خواہش پوری کرنے کی میں ہر ممکن کوشش کیا کرتا ہوں، میں آپ کو منہ مانگی قیمت دوں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں تھا جلدی سے آگے بڑھ گیا تھا پیا حیرت سے گم صم پتھر کی مورت بنی کھڑی رہ گئی۔

''کیسا ساحر سا اجنبی تھا۔'' اس کی باتوں کے سحر میں گم رہنے کے بعد وہ دھیرے سے چونکی اور میکس کروک کے حوالے سے اپنی پہلی رائے نیویارک شہر کی فضاؤں کے سپرد کی تھی۔

☆☆☆

''کیا اس نے تمہیں معاوضے کی بھی آفر دی؟'' پریت جو صوفے سے ٹیک لگا کر نیم دراز تھی پیا کی ساری بات سننے کے بعد لیٹے سے اٹھ بیٹھی پیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''منہ مانگی قیمت۔'' پیا نے مزید بتایا۔

''ہوں۔'' پریت نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

''معاملہ تو کافی سیریس لگتا ہے۔'' اس نے پیشانی کو مسلتے اٹھ کر گلاس وال پر پڑے پردے سرکائے، شام کا اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا کوئین سٹی اپارٹمنٹ کی ہلکی اور تیز روشنیاں ماحول کو سنہرا روپ پہنانے لگیں، پیا نے ایک لمحے کو ان سنہری روشنیوں پر نگاہ جما دی، اسے میکس کروک کی سنہری آنکھیں اور ان میں چھپا سنہرا پن یاد آیا، شاید کہ اسے اندازہ ہو کہ اس کی آنکھوں کا سنہرا پن کتنا پراثر اور دلفریب دکھتا ہے کہ دیکھنے والا مسحور و مبہوت ہو کر بس دیکھتے ہی رہنے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔

''تو تم کیا چاہتی ہو، اس کی آفر قبول کر لینا چاہتی ہو یا نہیں؟'' پریت نے فریج سے فروٹ پڈنگ کا پیالہ نکال کر لاتے اس کو گہری سوچ میں گم بیٹھے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''پتہ نہیں...... میں کیا چاہتی ہوں مجھے تو یہ تک نہیں معلوم کہ اسے میرا چہرہ ایشیاء کے تمام خوبصورت چہروں سے زیادہ حسین کیوں دکھتا ہے؟'' شیشے کے پیالے میں اپنے لئے پڈنگ نکالتے اس نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا تھا۔

''خیر خوبصورت تو تم ہو اگر وہ ایسی کوئی خواہش رکھتا بھی ہے تو میرا نہیں خیال کہ وہ کچھ ایسا غلط بھی ہو سکتا ہے؟'' پریت نے پڈنگ کا چمچ بھر کر منہ میں رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''میری جگہ اگر تم ہوتی تو کیا کرتیں؟'' پیا نے پیالہ خالی ٹیبل پر رکھتے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''سمپل، خود کو خوش نصیب تصور کرتے فوراً ہاں کر دیتی، مگر تمہارا ذرا مسئلہ دوسرا ہے فرحاب بھائی ذرا وکھرے ٹائپ اور مزاج کے ہیں پھر تمہارا مذہب بھی ان سب خرافات میں پڑنے سے منع کرتا ہے تمہیں ان سب باتوں پر بھی

دھیان دینا چاہیے۔

تم فرحاب کے بارے میں اکثر ایسی الجھی اور غیر مبہم سی باتیں کر جاتی ہو، مجھے تو فرحاب میں ایسا کچھ غلط نہیں نظر آتا جس کا اشارہ مجھے تمہاری باتوں سے ملتا ہے۔'' پیا نے الجھ کر پریت کو دیکھا تھا جو اس کی بات سن کر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''تم فرحاب بھائی کو کتنے عرصے سے جانتی ہو؟'' پریت نے ایک الگ اور انوکھا سا سوال کیا تھا۔

''ظاہر ہے پچھلے تین ماہ سے ہی، جب سے میری شادی ان کے ساتھ ہوئی ہے۔'' پیا کو اس بے وقت کے سوال سے کوفت ہوئی پریت اس کی بات سن کر دھیمے سے مسکرائی۔

''میں انہیں پچھلے سات سالوں سے جانتی ہوں، تب سے جب وہ یہاں نئے نئے شفٹ ہوئے تھے، کچھ ان کے ماضی کے بارے میں جانتی ہو؟'' پریت نے اگلا سوال کر کے پیا کو مزید حیران اور لاجواب کیا تھا۔

''نہیں۔'' پیا کا لہجہ کمزور تھا۔

''لوگوں کو جاننے کا دعویٰ کبھی بھی اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے پیا! اور شوہروں پر بھی یہ دعویٰ پورا نہیں اتر پاتا کیونکہ مرد کی فطرت ایسے ریشمی گتھی کے جیسی ہوتی ہے جسے سلجھاتے سلجھاتے عمر گزر جاتی ہے مگر گتھی کی بعض گرہیں ویسے ہی مضبوط رہتی ہیں اور کبھی کھل نہیں پاتیں۔''

''تم انسانوں کی زبان میں بات نہیں کر سکتیں کیا، مجھے فلسفہ جھاڑنے والوں سے شدید چڑ محسوس ہوتی ہے۔'' پیا نے چڑ کر اسے ٹوکا تھا، پریت نے کندھے اچکائے۔

''تم افراح کو جانتی ہو؟'' اچانک پریت کو یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔

''یہ محترمہ کون ہیں؟'' پیا کی بے زاری عروج پر تھی۔

''تمہیں فرحاب بھائی نے بتایا نہیں؟'' پریت کے لہجے میں حیرت تھی، پیا کو مزید الجھن محسوس ہوئی۔

''اب بتا بھی چکو پریت! مجھے بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے تمہارے پزل۔'' پریت نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا جس پر واضح طور پر پریشانی کے سائے لرز رہے تھے۔

''ایسی تو کوئی خاص بات نہیں تھی یار! بس وہ بھی تمہاری طرح بہت خوبصورت لڑکی تھی ایران کی تھی تو مجھے یاد آ گئی۔'' پریت نے بات بنائی حالانکہ اس کا لہجہ و انداز واضح طور پر بات بدلنے کا اشارہ دے رہے تھے۔

''پھر فرحاب کا ذکر تم نے کیوں کیا؟'' پیا نے پریت کی طرف جانچتی نظروں سے دیکھا۔

''وہ فرحاب بھائی کی منگیتر رہی تھی کافی عرصہ۔'' پریت نے دھماکہ کر کے پیا کے وجود کے پرخچے اڑائے وہ حق دق بیٹھی رہ گئی۔

''تو...... فرحاب نے اس کے ساتھ شادی کیوں نہ کی؟'' پیا کو نئی الجھن نے گھیر لیا تھا۔

''پتہ نہیں یہ معمہ تو حل نہیں ہو سکا مگر دونوں میں انڈر سٹینڈنگ کمال کی تھی محبت بھی بہت تھی۔'' پریت نے اوپن ائیر کچن میں کھڑے کافی پھینٹتے ہلکے پھلکے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''آخر کوئی وجہ تو ہو گی ناں پریت۔'' پیا کی آواز اور لہجہ دھیما تھا وہ بھی لاؤنج سے اٹھ کر اس کے پیچھے کچن میں چلی آئی تھی۔

''جہاں تک میرا خیال ہے تو اس نے محبت اور منگنی کا ڈھونگ فرحاب بھائی سے صرف اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے رچایا تھا، وہ فرحاب بھائی سے محبت نہیں کرتی تھی اپنے کزن ایشل سے کرتی تھی جو وہیں ایران میں ہی رہتا تھا، وہ

یہاں پڑھنے کے لئے آئی تھی اور یہاں کی رہائش، کھانا پینا اور دیگر ضروریات سب فرحاب بھائی کے ذمے تھیں حتیٰ کہ اس کی یونیورسٹی کی فیس تک میں نے فرحاب بھائی کو پے کرتی دیکھی تھی، مگر وہ فرحاب بھائی کے ساتھ مخلص نہیں تھی، اس نے اپنا مطلب پورا ہوتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ کر بہت چھوٹی سی بات کو جواز بنا کر منگنی توڑ دی اور واپس ایران چلی گئی تھی۔'' پریت نے خاموش ہو کر پیا کا چہرہ دھواں دھواں دیکھا۔

''کیسا جواز؟'' پیا کے لہجے میں جواب و دکھ کی سی ملی جلی آمیزش تھی۔

''اس کا ایشل کے ساتھ کزن سے زیادہ بے تکلفی کا رشتہ دیکھا تھا میں نے، سرعام ایک دوسرے کے گلے میں بازو حمائل کر کے پھرتے رہتے تھے دونوں، ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ وقت بتانا اور آدھی رات سے زیادہ باہر رہنا، فرحاب بھائی جیسے پوزیسو مرد کی برداشت سے باہر تھا مگر افراح کو لگتا تھا کہ فرحاب بھائی اس پر اور اس کی محبت پر شک کرتے ہیں، وہ ایک نفسیاتی مریض ہیں حالانکہ ہر مرد پوزیسو ہوتا ہے چاہے وہ دنیا کے جس خطے سے تعلق رکھتا ہو جس مذہب کا پرچار کرتا ہو، سوائے چند ایک کو چھوڑ کر مرد کی فطرت اوپر والے نے ایک سی بنائی ہے سارے مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔'' کافی کا گرمگ اس کے سامنے رکھتے اس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''اور ویسے بھی وہ تو موقع کی تلاش میں تھی، اسی بات کو جواز بنا کر بڑھاوا دے کر بھاگ نکلی اپنے ملک، فرحاب بھائی کو اس کے بعد میں نے بہت عرصہ گم صم رہتے دیکھا تھا یا سچ میں اس کا عورت ذات پر سے اعتماد ختم ہو گیا تھا، بہرحال وہ پسند نہیں کرتے اور شاید ہر عورت کو ہی اب افراح کی طرح سے سمجھتے ہوئے کسی کو بھی قابل اعتماد نہیں گردانتے۔'' اس کی بات کے ختم ہوتے ہی پیا کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا اسے اچانک اس روز جب وہ واثق سے بات کر رہی تھی تو فرحاب کا کارڈلیس چھین لینا یاد آیا تھا، تو یہ وجہ تھی اس نے سمجھ کر سر ہلایا فرحاب کو پیا کا واثق کے ساتھ فری انداز میں بات کرنا پسند نہیں آیا تھا، تو ایسا بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ میکس کروک کو اس کا پورٹریٹ بنانے کی اجازت دے دیں گے، کچھ بھی ہو پر پیا کو اپنے کردار کو اپنے کسی عمل و فعل سے فرحاب کی نظروں میں مشکوک نہیں بنانا تھا، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ میکس کو انکار کر دے گی۔

☆☆☆

بالکنی میں کھڑے ہو کر اس نے ایک نظر دوربین کی مدد سے دور کوئین سٹی اپارٹمنٹ کی رہائشی اس لڑکی کا چہرہ کھوجنے کی کوشش کی جو آج کل شاید ہر کام سے زیادہ اس کے لئے اہم ہو گئی تھی وہ لڑکی میکس کروک کے حواسوں پر چھا گئی تھی، اس نے ایک بار پھر دوربین آنکھوں کے نزدیک کی، لیکن بالکنی خالی تھی میکس کو بے حد کوفت ہوئی وہ پچھلے ڈیڑھ دو ماہ سے روزانہ ہر کام چھوڑ کر شام کو بالکنی میں آ کھڑا ہوتا تھا لیکن اب وہ بالکنی میں نہیں آتی تھی، اسے اس چہرے کو دیکھنے کی شدید طلب ہو رہی تھی اور یہ طلب بری تھی مگر وہ مجبور و حیران تھا کہ آخر وہ چہرہ اس کے ذہن پر اس قدر سوار کیوں ہو گیا ہے اس چہرے کا ایک ایک نقش بولتا تھا اور ہر بولتا نقش میکس کے دل پر نقش تھا، اس نے آنکھیں موند کر کرسی کی بیک سے سر ٹکاتے اس کو تخیل کے پردے پر دیکھا، گہری سیاہ بھوری آنکھیں جو انہیں گہرائی سے دیکھنے والوں کو اپنا اسیر بنا کر بھی حیرت سے

دیکھتی رہتی ہیں چہرے پر سادگی و بھولپن گداز، مگر نرمی کا ایسا تاثر دکھتا گویا گلاب کی نازک پنکھڑی ہو راج ہنس جیسی اٹھی ہوئی گردن، مشرقیت کا ثبوت دیتے لمبے گھرے سیاہ بال اور سراپا ایسا گویا قدرت نے کسی سانچے میں ڈھال کر تخلیق کیا ہو، ہاتھوں کی انگلیاں سفید اور مرمریں اور پاؤں کی ایڑیاں بے حد نرم کہ جن سے خون کی بوندیں ٹپکتی محسوس ہوں، وہ قدرت کا شاہکار تھی۔

''پور میکس! یہ لڑکی تمہیں پاگل کر کے ہی چھوڑے گی۔'' میکس خود کلامی کرتے آنکھیں موند کر اس روز اپنی اور اس کی اسٹور پر ہونے والی ملاقات یاد کر رہا تھا، وہ اپنے کام میں اس قدر منہمک تھی کہ میکس اس کے پیچھے کافی دیر تک کھڑا اس کے بالوں میں ڈلے بل گنتا رہا تھا مگر اسے احساس تک نہ ہوا تھا اس کے بال اتنے نرم اور چمک دار تھے کہ میکس کا دل بے اختیار چاہا وہ ان بالوں کو نرمی کو محسوس کرے چاہے صرف ایک بار، بس ہلکا سا ہی سہی مگر وہ ان کو چھو کر محسوس ضرور کرے، مگر اسے بے حد دکھ ہوا تھا کہ وہ اسے پہچان نہیں پائی تھی وہ سوال پہ سوال کرتے زیادہ سے زیادہ اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اتنی ہی خاموش تھی یا شاید کم گو، یا پھر میکس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا اسے زبان کا مسئلہ ہو، وہ یہاں نئی نئی آئی تھی اور ہو سکتا ہے اس نے انگریزی زبان نہ سیکھی ہو اسے خود پر بے حد حیرت ہوئی تھی ایک خیال برقی کوندے کی مانند اس کے دماغ میں لپکا اور وہ اندر اپنا سیل فون اٹھانے گیا تھا جلدی سے واپس آنے کے بعد اس نے جوزف کو کال کی تھی دوسری جانب اسے اس کی بے زاری ہیلو سنائی دی تھی غالباً وہ آفس میں تھا۔

''تمہیں میامی بیچ جانا ہے میرے ساتھ۔''

اس نے فوراً اسے اس کی طبیعت کے مطابق لالچ دینے کے لئے کہا تھا۔

''تمہارے جیسے کھڑوس کے ساتھ کیوں جانے لگا، اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کیوں نہ جاؤں۔'' میکس ہولے سے مسکرایا۔

''او کے ڈن، میامی کے سب سے لگژری ری زوٹ میں بکنگ میری طرف سے منظور۔'' دوسری جانب آفس کی کرسی پر اونگھتا جوزف پٹ سے آنکھیں کھول کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''اتنی بڑی اور مہنگی آفر کس خوشی میں؟'' اس کی حیرت بجا تھی۔

''بس تو دوست ہے تو سوچا تجھے کچھ عرصے کے لئے کسی صحت افزا مقام پر فریش ہونے کے لئے بھیجا جائے۔''

''اتنی مہربانی کس لئے جانتا ہے ناں پورے پینتیس ہزار ڈالر ایک ہفتے کی بکنگ کے ہیں کسی بھی اچھے ری زوٹ کے چارجز اور تو دمڑی پلا کر رونے والا آخر اتنی بڑی آفر دے بات ہضم ہو بھی تو کیسے۔'' میکس کر وک قہقہہ لگا کر دل کھول کر ہنسا۔

''خیر تم جیسے ناشکرے دوستوں سے تو مدر میری ہی بچائے جتنا بھی کھلا دوں تم احسان نہیں مانو گے۔'' میکس نے اپنے تئیں اسے شرم دلانے کی کوشش کی۔

''او بابا احسان کیسا جتنا مشکل اور لمبا چوڑا کام تم مجھے سونپتے ہو اس کو کرتے کرتے میں کم از کم سو بار خود پر لعنت بھیجتا ہوں۔'' جوزف بے حد چڑا تھا۔

''ہوتے ہیں ناں تم جیسے کچھ دوست، آستین کا سانپ جو دوست کی خوشی کے لئے نیک تمنائیں تک نہیں رکھتے دل میں، مدد کرنا تو دور کی بات۔'' میکس نے اسے شرمندہ کرنے کی اپنے

تئیں ایک مرتبہ پھر کوشش کی۔

''اچھا بولو، کیا کام ہے؟'' وہ ذرا ڈھیلا پڑا۔

''یہ ہوئی ناں بات۔'' میکس بچوں کی مانند اچھلا۔

''اچھا زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ آفر واپس لے لوں گا، چل جلدی بول۔''

''مجھے اردو سیکھنی ہے۔'' میکس نے جوزف کے سر پر دھماکہ کیا۔

''کیا؟'' جوزف تو آفس کی کرسی پر بیٹھا ہوا میں دو فٹ اچھلا۔

''تو کہیں مصوری کرتے کرتے پاگل تو نہیں ہو گیا؟''

''ہاں شاید۔'' میکس نے پیا کے سراپے کو تخیل کے پردے پر لہراتے دیکھ کر اعتراف کیا۔

''مگر کس لئے یار! پاکستانی انگریزی سیکھتے ہیں تو ان کی زبان سیکھے گا آخر تجھے ملے گا کیا؟'' وہ ابھی تک حیرت میں تھا غلط بھی نہیں تھا میکس کروک کو بیٹھے بٹھائے ایسے ہی انوکھے کام سوجھتے تھے۔

''ملے گا تو بہت کچھ تو بس کسی پاکستانی ٹیوٹر کا بندوبست کر دے اور ایک بات اور شام کو میرے اپارٹمنٹ آنا کچھ دیگر ضروری باتیں تم سے ڈسکس کرنی ہیں۔'' نیا حکم دیتے جوزف کو حیران چھوڑتے اس نے فون بند کر دیا تھا، جوزف کا دل چاہا اپنا بغیر بالوں والا سر نوچ لے۔

☆☆☆

''تو پاگل ہے یار!'' شام کو حسب وعدہ وہ اس کے گھر پہنچا تھا، میکس کی بات سنتے اس نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

''پتہ نہیں یار! میں خود یہ بات نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے وہ چہرہ مجھے یوں اس قدر کیوں دیوانہ بنا رہا ہے میں بہت کوشش کرتا ہوں اس کا خیال دل سے نکالنے کی مگر وہ اسی قدر میرے ذہن پر سوار رہتی ہے۔'' میکس کروک کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

''اردو زبان اسی کے لئے سیکھنا چاہتے ہو؟'' جوزف نے تصدیق کے سے انداز میں پوچھا تھا۔

''ہاں اسے انگریزی بولنا نہیں آتی جوزف اور کیا ضروری ہے کہ میں اس کے انگریزی سیکھنے کا انتظار کروں میں خود بھی تو اس کی زبان سیکھ سکتا ہوں۔''

''اور اگر وہ اپنا پورٹریٹ بنانے پر بھی رضا مند نہ ہوئی تو کیا کرو گے؟''

''میں اس کی زبان سیکھ ہی اسے لئے رہا ہوں کہ اسے قائل کر سکوں، میں نہیں جانتا کہ اس چہرے میں ایسا کیا ہے جو اوروں سے الگ ہے، وہ اتنی پاکیزہ اتنی معصوم اور اتنی پارسا دکھتی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس کی پرستش کی جائے، اگر مدر میری کا وجود ہمارے زمانے میں ہوتا تو یقیناً وہ اس جیسی ہوتیں۔'' میکس کروک نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''تم بہت بڑی بات کر رہے ہو میکس!'' جوزف نے اسے ٹوکا تھا۔

''غلط نہیں کہہ رہا، تم خود بھی میری بات کی تائید کرو گے۔''

''ٹھیک ہے تم مجھے اس گروسری اسٹور کا ایڈریس دے دو جہاں وہ کام کرتی ہے، باقی کی معلومات میں خود پتہ کر لوں گا منڈے کی صبح میرے آفس آ جانا تمہاری مطلوبہ معلومات میرے ٹیبل پر ہوں گی۔'' جوزف نے گہری سانس فضا کے سپرد کرتے کہا تھا۔

''نہیں منڈے کو رہنے دو، منڈے کی شام

مجھے اٹلی کے لئے نکلنا ہے، فلورنس میں میری سیکنڈ ایگزیبیشن ہے سنڈے کی شام تک اگر ہو سکے تو گھر چلے آنا اکٹھے ڈنر کے لئے نکلیں گے۔''
جوزف نے اثبات میں سر ہلاتے اس سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔

☆☆☆

وہ اکیلی ہی اسٹور پر تھی فرحاب شفیق دو دن کے لئے بوسٹن گیا ہوا تھا، پیا بہت جلدی تمام کام سیکھ گئی تھی اور فرحاب کو اب اسٹور کی کوئی پریشانی بھی نہیں رہی تھی، ناصر (ہیلپر) کے ہمراہ اب پیا اسٹور بہت اچھے انداز میں ہینڈل کر سکتی تھی سو وہ بہت مطمئن انداز میں اسے دو دن بعد آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا ہاں البتہ اس نے پیا کو جلدی اسٹور بند کر کے جانے کی ہدایت کرنے کے ساتھ ساتھ پریت اور جسی بھا جی کو بھی اس کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔
آج دن میں خوب بارش برسی تھی اور اب نیو یارک کی فضائیں سرد اور برفیلی ہو رہی تھیں، پیا نے پریت کو کال کر کے اسے پک کرنے کا کہا فون ابھی رکھا ہی تھا کہ کچھ امریکن حبشی مرد و خواتین گروسری کرنے اسٹور میں داخل ہوئے تھے، پیا اب لاک ہی لگانے تھے اس نے باقی سیکشنز کی لائٹس آف کر دیں صرف وہی سیکشن آن رہنے دیا جس میں حبشی مرد اور خواتین شاپنگ کی اشیاء دیکھ رہے تھے اس نے کاؤنٹر کے پیچھے سے اپنا لانگ کوٹ اور پرس اٹھایا ہی تھا کہ اس نے اپنی کن پٹی پر کسی سخت چیز کا گمان کیا اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا تو دو حبشی خواتین ریوالور اس کی کنپٹی پر رکھے اس سے پیسوں کا تقاضا کر رہی تھیں۔
''پیسے کہاں ہیں، ڈیئر از منی؟'' حبشی مرد بھی ہاتھوں میں چاقو پکڑے اب اس کے نزدیک آ گئے تھے، پیا نے ان کے ہاتھوں میں پکڑے چاقو دیکھے اور پھر ان چاروں کو دیکھا، اس کے اوسان خطا ہونے لگے تھے، اسے بچانے والا کوئی بھی نہیں تھا، وہ اجنبی پردیس ملک میں چند پیسوں کے عوض حبشیوں کے ہاتھوں بے دردی سے ماری جائے گی اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا وہ کسی کو پکار بھی نہیں سکے گی۔
''ڈیئر از منی...... گیو می۔'' چاقو کی نوک سے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے اونچے لمبے قد کا حبشی غرایا تھا اور اس کا غرانے کا یہ منظر گلاس وال کے پار کسی نے حیرانی سے دیکھا تھا، اس نے فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچتے پولیس کا کال کی اور خود گاڑی سے نکل کر سپر اسٹور کی جانب بڑھا، پیسے نہیں ہیں میرے پاس، ہم یہاں کیش نہیں رکھتے، پیا کے جواب دینے پر اس حبشی نے پیا کی ناک پر پوری قوت سے مکا مارتے اسے غلیظ گالی دی تھی، پیا کی ناک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا تھا۔
''گیو می دا سائنڈ چیک...... گیو می ہری اپ۔'' ایک اور مکا اس کے سر میں کنپٹی کے نزدیک مارتے اس نے اسے اگلا آپشن دیا تھا،
''میں یہاں معمولی ورکر ہوں، میرے پاس کوئی چیک بک نہیں ہے۔'' اس نے گھومتے سر کو بمشکل دونوں ہاتھوں سے تھامتے انہیں جواب دینے کی کوشش کی تھی۔
''یو بلڈی۔'' چاقو پوری قوت سے اس کے سینے میں اتارتے اس حبشی کے ہاتھ کو کسی نے اچانک ہی پکڑا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

فرخ بخاری

''ہیلو'' ماتھے پہ آئی لٹ ہٹاتے ہوئے اس نے ریسیور کان سے لگایا۔

''آپ......ارما؟'' تصدیق کے انداز میں پوچھتا وہ بلاشبہ بمبین تھا۔

''ج......جی السلام وعلیکم!'' اس کی زبان بلاوجہ لڑکھڑا گئی۔

''اتنی خوفناک آواز ہے میری۔'' وہ ہنس کر چڑانے لگا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ بھی مسکرادی۔

''اچھا یہ بتائیں ابھی آسکتی ہیں۔''

''ابھی......لیکن کیوں؟'' وہ حیران ہوگئی۔

''بس ویسے ہی دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔''

ناولٹ

اس نے بننے کی انتہا کردی۔

''لیکن میں دوروز پہلے ہی تو آئی تھی۔''

''واہ صاحب، دو روز کیا کم ہوتے ہیں، آپ بس ابھی آجائیں ورنہ میں خود لینے آجاؤں گا۔''

''نہیں نہیں۔'' وہ سچ مچ گھبرا گئی۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' اس نے فوراً فون رکھا، ارادہ تو دل میں فہد کے ساتھ جانے کا کیا لیکن اتفاق کی بات کہ ابو کہیں جانے کے لئے تیار نظر آئے۔

''ابو میں نانی امی کی طرف چلی جاؤں، وہ بلا رہی ہیں۔''

''ہوں......ٹھیک ہے۔'' وہ کافی عجلت میں لگ رہے تھے، رسٹ واچ باندھتے آگے بڑھ گئے، ارما کچھ سوچ کر پیچھے بھاگی۔

''آپ مجھے وہاں چھوڑ سکتے ہیں؟''

''اس طرف۔'' انہوں نے کچھ دیر رک کر سوچ بچار کی۔

''ہاں او کے لیکن پانچ منٹ میں باہر آؤ۔''
وہ آگے بڑھ گئے، ارما سر ہلا کر اندر دوڑ گئی۔
پہلے امی کو بتایا، پھر چھوٹی چھوٹی ضروری چیزیں سمیٹ کر تھیلے نما ہینڈ بیگ میں ڈالیں، ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا اور ہنس کر منہ چڑاتی باہر نکل آئی۔
''کبھی اپنے محسن چچا کی طرف بھی خود سے چلے جایا کرو، ہر بار پہلے ان کی طرف سے بلاوا آتا ہے، پھر کہیں تم لوگوں کو توفیق ہوتی ہے۔''
''جی۔'' ارما گہرے خیالوں سے چونکی، ابو نہایت سنجیدہ انداز میں شکوہ کر رہے تھے۔
''وہ بھی ہمارے سگے ہیں، وہاں بھی یہی اپنائیت شو کیا کرو، یا پھر ماں نے صرف ننھیال کی محبت ڈالی ہے دلوں میں۔'' وہ بدستور اسی لہجے میں بولے گئے جبکہ ارما نے ان کے ساتھ آنے کے فیصلے پر دل میں خود کو کوسا۔
''بظاہر تو ابو بہت اچھی طرح امی کے رشتہ داروں سے ملتے ہیں، تو کیا دل میں ایسے خیالات رکھتے ہیں۔'' وہ اپنے آپ میں سوچ گئی۔
''ان کا مرتبہ اور حیثیت دیکھو، پھر بھی کیسے جھک کر ملتے ہیں۔''
''حیثیت؟'' ارما نے چونک کر باپ کو دیکھا، دل میں آیا کہ کہے خون کے رشتوں میں مرتبے اور حیثیت کا کیا کام۔
''آپ ان کے بڑے بھائی ہیں اس ناطے انہیں جھک کر ملنا ہی چاہیے۔'' لیکن چپ ہی رہی

سے بے خبر تھیں۔
''وہ ایکچوئیلی آنٹی، میں نے انہیں زیادہ تفصیل نہیں بتائی، بس یہی کہا کہ آجائیں۔'' وہ مدبر بن کے وضاحت دینے لگا۔
''اچھا اچھا۔'' وہ اس کی طرف مڑی۔
''ارے بھئی بیٹھ تو جاؤ، ادھر میرے پاس آؤ۔'' انہوں نے ارما کے لئے جگہ چھوڑی۔
''دراصل مبین کل جہلم جا رہا ہے اور مجھے اس کی ماں کے لئے کچھ سامان بھجوانا ہے اور کچھ چیزیں اسے اپنی امی اور بہنوں کے لئے لے جانی ہیں لیکن اسے شاید زنانہ شاپنگ کا زیادہ تجربہ نہیں ہے کافی گھبرا رہا تھا، میں نے کہا اگر تم لوگوں میں سے کوئی ساتھ چلا جائے تو اسے آسان ہوگی۔''
''جی۔'' اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا لیکن بات ابھی پوری طرح سمجھ نہیں آئی تھی۔
''ابھی نکل چلو تو اچھا ہے، پھر رات کو گپ شپ لگائیں گے، یہ سامان کی لسٹ دیکھ لو اور خود ہی طے کرو کہاں سے کیا لینا ہے، باقی تمہاری پسند پہ تو مجھے بھروسا ہے۔'' انہوں نے ایک پیپر آگے بڑھایا۔
بات سمجھ میں آگئی تھی دل کی مدھر دھک دھک پر قابو پاتے اس نے پیپر لے لیا، اس کے چہرے کے بدلتے اتار چڑھاؤ کو مبین نے مسکرا کر دیکھا وہ اپنی اندرونی خوشی چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔
کالے سوٹ اور ملٹی کلر شیفون دوپٹے میں ارما کا حسن آج عجیب ساحرانہ سا لگ رہا تھا،

نانو کے ہاں پہنچی تو شام ہونے والی تھی، نانو اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھیں مبین بھی وہیں پر تھا۔
''آؤ بھئی تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔''
''جی۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے مبین کو دیکھنے لگی کیونکہ اس کے حساب سے تو نانی اس کی آمد

چھوٹے چھوٹے نازک نقوش اس کے چہرے کی خوبصورتی تھے، اس پر شرمیلے پن کی سرخی، حسن کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی، مبین خاصے فریش موڈ میں کی رنگ انگلی پر گھماتا آگے بڑھ گیا، ارما نے بھی فوراً پیش قدمی کی، گاڑی میں بیٹھتے مبین کو

ایک نظر دیکھا، دبی دبی مسکراہٹ نے جس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا، نہ وہ اپنی ہنسی روک پا رہا تھا نہ روکنا چاہ رہا تھا، گاڑی روڈ پر لاتے ہی اس نے ارما کی طرف دیکھا وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

''بہت دنوں سے یہی سوچ رہا تھا کہ اجنبیوں کی طرح تو بہت مرتبہ گاڑی کا سفر کر چکے ہیں، جانے جب سے رابطوں میں نیا پن آیا ہے کہیں آنے جانے کا موقع کیوں نہیں بن رہا، لیکن یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ موقع بھی ملے گا اور وہ بھی اس طرح اکیلے۔'' مبین نے خوبصورتی سے آغاز کیا۔

''میں تو کہتا ہوں چھوڑو یہ شاپنگ واپنگ، کہیں لانگ ڈرائیو پہ چلتے ہیں، میوزک سنتے ہوئے جائیں گے، باتیں کریں گے اور بس چلتے ہی جاتے ہی جائیں گے، کیا کرنا ہے واپس جا کر۔'' وہ شوخی سے بھرپور لہجے میں بولتا ہی جا رہا تھا، ارما نے مسکرا کر ایک نظر دیکھا۔

''لے جانے کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو سیدھے میرے ابو کے پاس چلیں۔'' انداز کافی ذو معنی تھا لیکن سامنے بھی مبین تھا فوراً اس ذو معنویت کی تہہ تک پہنچ گیا۔

''بات تو ٹھیک ہے، لیکن ابو جی کے دربار میں حاضری سے پہلے اپنی امی کا اجازت نامہ ضروری ہے، اطلاعاً عرض ہے کہ بندہ کل ایک ہفتے کے لئے جہلم جا رہا ہے۔''

''ایک ہفتہ؟'' اس نے حیرت سے دوہرایا۔

''وہ کس لئے؟''

''ایک تو دادی کی طبیعت کچھ خراب ہے، دوسرے امی کسی ضروری کام کے لئے بار بار بلا رہی ہیں اور اس بات پر بھی زور دے رہی ہیں کہ زیادہ دنوں کے لئے آؤں، اب معلوم نہیں کیا

سوچے بیٹھی ہیں۔''

''یعنی آخری جملہ جیسے آغاز تھا کسی تمہید کا۔''

''فون پر بتا رہی تھیں، کچھ لڑکیاں وغیرہ پسند کی ہیں، اب پتہ نہیں۔'' کندھے اچکا کر گویا خود کو لاپرواہ ظاہر کیا تھا، وہ بنا تبصرہ کیے باہر دیکھنے لگی، مبین نے مسکرا کر اس کی کیفیت کو دیکھا۔

''دادی امی کو تو آپ پسند ہیں۔''

''جی؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''منصور بھائی کی شادی میں آپ کو میرے لئے پسند کر گئی ہیں، بلکہ آپ کی نانو امی پر اس رجحان کو ظاہر بھی کر دیا تھا۔'' وہ مسلسل حیران کر رہا تھا، ارما خاصی بے یقین تھی۔

''مذاق تو نہیں کر رہے۔''

''نہیں بھئی، سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ سادگی سے ہنسا۔

''دراصل میں نے دادی سے آپ کا ذکر کیا تھا، ان فیکٹ، وہ میری کلوز والی فرینڈ ہیں تو خیر شادی میں انہوں نے آپ کو دیکھا اور بہت پسند بھی کیا، اب ان کا ووٹ تو صرف آپ کے حق میں ہے، لیکن میری امی چونکہ ابھی تک آپ سے ملی نہیں، تو اللہ جانے کیسی کیسی لڑکیوں کی لسٹ لے کر کنفیوژ بیٹھی ہیں۔

''تو...... پھر۔'' وہ فقط اتنا کہہ پائی۔

''تو پھر یہ کہ اس ایک ہفتے میں انہیں رام کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''اور اگر وہ نا مانی تو۔'' خدشہ بے ساختہ اس کے لبوں پر آیا۔

''اللہ سے بہتری کی امید ہے، نافرمان اولاد کہلائے جانے کا میں خود میں حوصلہ نہیں پاتا۔''

نانو کا سامان زیادہ نہیں تھا، ساری شاپنگ اس نے سینا رس سے کر لی تھی، تاہم بھی زیادہ نہیں لگا، باتیں کرتے وہ دونوں پارکنگ ایریا میں داخل ہوئے تو سعد اللہ سے سامنا ہو گیا اور جن نظروں سے اس نے باری باری دونوں کو دیکھا بلکہ دونوں کے پیچھے باقاعدہ جھانک کر اضافی جملہ ''اور کوئی نہیں ہے ساتھ'' نے ارما کو اچھا خاصا پریشان کر دیا۔

''جی وہ...... منصور ماموں اور ممانی مری گئے ہوئے ہیں ہنی مون کے لئے، نانی امی نے کچھ ضروری سامان منگوانا تھا تو۔''

''ہوں۔'' ماتھے پر ناگواری کی شکن ڈالے ایک نظر بغور مبین کو دیکھا۔

''او کے آپ لوگ شاید واپس جا رہے تھے۔'' اس نے راستہ چھوڑا۔

''بعد میں بات کرتے ہیں۔'' اسی کھردرے لہجے میں بات مکمل کر کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا، ارما کی پریشانی دو چند ہو گئی، مبین سے تو نظریں ملانا بھی مشکل لگ رہا تھا اور وہ بھی اللہ جانے کیوں خاموشی سے ڈرائیو کیے جا رہا تھا۔

''کیسے اچھے موڈ کے ساتھ آئے تھے اور کیا سے کیا ہو گیا تھا، مبین کے ساتھ گاڑی کا سفر پتہ نہیں مجھے راس کیوں نہیں آتا۔'' الجھے الجھے دماغ میں پرانی باتیں ریپیٹ ہونے لگیں، انگلیاں آپس میں پھنسائے وہ انگوٹھوں کے ناخن کھرچنے لگی۔

''ہوں...... تو کیا خیال ہے، امی سے کس انداز میں بات شروع کی جائے۔'' ہلکے پھلکے مانوس لہجے پر ارما نے بے ساختہ سر اٹھایا اور پھر جیسے دیر سے اٹکی سانس ایکدم بحال ہوئی، بہت محبت سے اس نے مبین کو دیکھا جس نے اس کی خوشی کی خاطر اپنا موڈ تبدیل کر لیا تھا۔

''بتائیں ناں۔'' اس نے اصرار کیا۔
''میں کیا کہہ سکتی ہوں، ان کی نیچر سے تو آپ اچھی طرح واقف ہوں گے۔'' وہ نظریں چرا گئی۔
''بات نیچر کی نہیں، مقدر ساتھ دے اور حالات موافق ہوں تو کیسی کیسی انہونی باتیں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں اور نہ ہو تو۔'' وہ ایکدم ہی سنجیدہ ہوا تھا، ارما نے اس کے لہجے سے کچھ محسوس کیا، بات دوبارہ اس نقطے پر آ رکی تھی، جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا۔
''میں سمجھی نہیں۔''
''بظاہر دیکھا جائے ارما، تو ہمارا تعلق کوئی دو الگ دنیاؤں سے نہیں ہے، کہ ہمارا ملنا ناممکن ہو، بلکہ بہت حد تک ایک جیسا ماحول ہی ہے لیکن تمہارے معاملے میں جانے کیوں ہمیشہ ہی مجھے کچھ الگ کچھ ہٹ کر ہوتا دکھائی دیتا ہے جیسے......'' وہ کچھ سوچنے کے لئے رکا۔
''جیسے میں نے اپنی بساط سے بڑھ کر کچھ چاہ لیا ہو۔''
''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ارما نے فوراً اس کے خیال کی نفی کی۔
''جسے ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں ایک اونچے استھان پر دکھائی دیتا ہے، یہ ایک فطری سوچ ہے۔''
''اچھا۔'' وہ ہنس پڑا۔
''پھر تو میرا فکر مند ہونا غلط ہے۔''
''کیسی فکر؟''
''وہی جو کچھ دیر پہلے تمہیں لاحق ہوئی تھی، کہ میری امی اگر نہ مانیں تو کیا ہوگا وغیرہ۔''
''اوہ تو ایسی فکر لاحق ہوئی تھی آپ کو۔'' وہ مسکرانے لگی۔
''پھر تو جائز ہے۔''

ملاحظہ

ایک عورت کپڑے کی بڑی دکان میں گھس گئی جہاں ہزاروں کی تعداد میں بیلے۔ سلائے جوڑے رکھے تھے
وہ دیر تک کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔
بس آپ کے پاس یہی کچھ ہے؟
سیلز گرل نے مودبانہ جواب دیا
محترمہ میرے بدن کا بھی جوڑا ملاحظہ فرمالیجیے۔

''یعنی۔'' مبین کچھ نہیں سمجھا۔
''مطلب یہ کہ آپ کی امی کا معاملہ تو زیادہ پریشان کن ہے ہی نہیں کیونکہ ان کے پاس پوری لسٹ ہے لڑکیوں کی، یعنی مارجن ہے چوائس کا، لیکن میرے ابو کو سوائے سعد اللہ کے نظر ہی کوئی نہیں آتا اور وہ خود......'' ارما کچھ سوچ کر رکی۔
''عجیب حق جتانے والے انداز ہے، سراسر ابو کی دی ہوئی ڈھیل ہے، ورنہ کوئی جواز تھا بھلا اس لہجے میں بات کرنے کا۔'' ارما کا اشارہ کچھ دیر پہلے کے واقعے کی طرف تھا۔
''مجھے اس کے انداز ٹھیک نہیں لگ رہے تھے مبین۔'' بالآخر خدشہ ارما کے لبوں پر آ گیا۔
''مثلاً کیا توقع کر رہی ہیں؟'' وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔
''یہ تو میں نہیں جانتی، لیکن امی بتا رہی تھیں کہ رابعہ چچی نے کہا ہے وہ لوگ جلد ہی اس مقصد کے لئے باقاعدہ طور پر آئیں گے۔''
''تو پھر دیر کرنے سے بہتر ہے کہ میں بھی واپسی پر امی کو ساتھ لیتا آؤں، آگے اللہ مالک ہے۔'' حالات خود بخود اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ آنے اور جانے کے راستے میں بلا ارادہ ہی دونوں کا موضوع یہی ایک بن گیا تھا اور جس پر

بالآخر ایک دن تو بات کرنا ہی تھی۔
''امی نے کہا تھا ابو اپنے فیصلے میں لچک نہیں لائیں گے، ان کا فیصلہ حتمی ہے۔'' ارما نے بہت دن پہلے کی بات بھی آخر دہرا دی۔
''خوب سوچ سوچ کر جھٹکے دے رہی ہیں، ارادے کیا ہیں؟'' وہ دل پر جبر کر کے مسکرایا، ارما شرمندہ ہو گئی۔
''ارادتاً نہیں چھپائی، دراصل میں اس موضوع پر سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی اس لئے ذہن سے بھی جھٹک دی تھی۔''
''یہ تو حقیقت سے نظریں چرانے والی بات ہو گئی، اگر آخری فیصلہ اعظم انکل کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے فیصلے پر تمہاری پسند کو ترجیح نہیں دیں گے تو ہمیں کیا امید رکھنی چاہیے۔'' سامنے سے نظر ہٹا کر اس نے ذرا دیر کو ارما کی طرف دیکھا لیکن وہ کوئی جواب نہیں دے پائی۔
''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ کیا وہ ہمارے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اپنے رویے میں لچک لا سکتے ہیں؟ اور اگر نہیں تو تمہیں بہت حوصلہ پیدا کرنا ہو گا۔''
''آپ ابھی سے مایوس کیوں ہیں مبین۔'' ارما کا دل دھڑ کا۔
بجائے اسے تسلی دینے کے وہ اسے منفی پہلو دکھا رہا تھا جو کہ بجائے خود بہت بڑی ناکامی تھی، اس کا دل ڈوبنے سا لگا۔
''مایوس نہیں ہوں ارما، صرف یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور ہمیں حالات سے لڑنے کے بجائے ان سے مصالحت کرنی ہو گی، تمہارا دل بہت نازک بہت حساس ہے، خوش امیدی کا دامن تھامے آگے ہی آگے بڑھتا گیا تو ناامیدی کا جھٹکا بہت شدید ہو گا، ہر پہلو پر سوچنے والے کو ہمت اور حوصلہ کم درکار ہوتا ہے۔'' وہ اپنی روشن کالی آنکھیں سامنے سڑک پر جمائے ہوئے تھا، ارما نے پہلی مرتبہ بہت دھیان سے اس کی طرف دیکھا، سموک گرے سادہ شلوار قمیض اور ہلکی بڑھی شیو میں وہ کوئی بے فکرا شہزادہ لگ رہا تھا، بال ہوا سے بار بار بکھر کر مخالف سمت میں آ رہے تھے۔
اس کی گہری نگاہ شام کے سایوں میں لپٹ کر عجیب پراسرار سی لگ رہی تھی، ایک سمجھ میں نہ آنے والی بے حسی جو وہ اس کی آمد سے ہی محسوس کر رہی تھی اب باتوں سے کچھ اور ابھر کر باہر آ رہی تھی محبت اور بھروسے کا احساس جیسے کہیں گم ہونے لگا۔
''کیا سوچنے لگیں؟'' وہ بڑی دیر بعد مسکرایا، ارما نے ایک بوجھ کی طرح سانس کو سینے سے خارج کیا۔
''آپ کی باتوں سے لگ رہا ہے جیسے کچھ اچھا ہونے کی امید آپ کو سرے سے ہے ہی نہیں اور اس سے بڑی بزدلی کیا ہو گی کہ بندہ ہار کے خوف سے میدان میں اترے ہی نا۔'' وہ چڑ سی گئی۔
''میدان میں اترنے سے مجھے قطعاً انکار نہیں ہے اور بس یہی میری جرأت کی حد ہو گی، قبول کیا جانا معراج ہے خوشی کی، لیکن رد کیے جانے کے بعد کیا جواز ہے مزید آگے بڑھنے کا۔'' اپنے خمیدہ ابرو چڑھائے وہ جیسے ضد کے انداز میں جرح پہ اتر آیا تھا۔
''اور جرأت تو یہ بھی ہے کہ ہم کورٹ میرج کر لیں، کیا یہ حد منظور ہے؟''
''میں نے یہ کب کہا۔'' بے عزتی کے احساس سے وہ رو دینے والی ہو گی، پتہ نہیں آج مبین کو کیا ہو گیا تھا۔
''رئیلی سوری میرا وہ مقصد نہیں تھا، بس

میں تمہاری حساسیت سے ڈرتا ہوں۔"

"کیا جدائی کا تصور آپ کے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہے۔" اس نے بھیگی پلکیں لمحے کو اٹھا کر مبین کو دیکھا، وہ ایکدم کسی خیال سے مسکرا اٹھا۔

"محبت میں بے یقینی کی کیفیت بھی اگلے کو کیسے خوبصورت احساس فخر میں مبتلا کر دیتی ہے۔" ارما کے ایک جملے سے اچانک کچھ ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

"اگر میں اس تکلیف کی ایک جھلک بھی تمہیں دکھا دوں تو تمہارے ہاتھ پیر بندھ جائیں گے، لیکن یہ بے حسی کا اعلیٰ درجہ تو ہو سکتا ہے، ہمدردی ہر گز نہیں۔" وہ اب اپنے مخصوص دل موہ لینے والے انداز میں دھیمے دھیمے اسے سمجھا رہا تھا۔

"لیکن صرف منفی پہلو ہی کیوں؟ ہم کسی بہتری کی امید کیوں نہیں کر سکتے، یہ عدم تحفظ کا احساس زیادہ تکلیف دہ ہے۔" وہ جھلا رہی تھی۔

"عدم تحفظ کس بات کا؟ مجھے لگ رہا ہے تم جذبات کے متعلق عدم تحفظ کا شکار ہو۔" وہ اب چہرا پڑھ رہا تھا، سوچ کے اندر تک اتر جانے والی نگاہ، جو ارما کو ہمیشہ ہی گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتی تھی، مبین ٹھیک سمجھا تھا یہ غصہ اور جھلاہٹ یونہی نہیں تھی، اسے لگ رہا تھا مبین دامن چھڑا رہا ہے، تصویر کے تاریک پہلو سامنے لا کر اس کا ذہن بنانے کی کوشش کر رہا ہے اور اب وہ یہ بات جان چکا تھا، ارما نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر اس کی ناراض نگاہوں میں دیکھنے کی ہمت مجتمع کی لیکن...... وہ تو مسکرا رہا تھا، وہی شوخ چمکتی نظر جو صرف ارما کے لئے مخصوص تھی۔

"مجھے مغرور کر کے اپنا برا کرو گی پاگل لڑکی۔" وہ ہنسنے لگا۔

"ارے تم سے جو محبت ہے وہ کائنات کی ہر شے پہ مقدم ہر چیز سے بڑھ کر ہے، مبین علی کے شب و روز چاند سورج کے ڈوبنے ابھرنے سے کہاں گزرتے ہیں، یہ تو ارما رباب کے آنے جانے سے طے ہوتے ہیں، یہ وجود تمہاری محبت کے دم سے ہے، تم ہو تو میں ہوں، اب سے پہلے میں جو تھا دنیا کے حوالے سے تھا، لیکن اب میں جو بھی ہوں تمہاری محبت کے حساب سے ہوں، تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لئے سو سو جتن کرتا ہوں تو حاصل کرنے کا خیال کتنا قیمتی کتنا اچھوتا ہو گا، تم پہ تمہیں ظاہر کرنے بیٹھوں تو اپنا روپ خود پہچان نہیں پاؤ گی۔" خوبصورت الفاظ کی لڑیوں کو لبوں سے جدا کرتا وہ پھر اس کا دل لوٹ رہا تھا، ارما کہیں کھونے سی لگی۔

"بس اور یا کچھ......؟" وہ اب اسے پیار سے چھیڑ رہا تھا۔

"بہت خوش ہوتے ہیں تنگ کر کے۔" وہ چھینپی چھینپی ہنسی دبا کر بولی۔

"ہاں سچ، بہت مزا آتا ہے، بہت کچھ ایسا جاننے کا موقع ملتا ہے جو عام حالات میں تمہارے منہ سے نہیں نکلتا۔" وہ کھل کر ہنسا تو ارما شرمندہ ہو کر باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

ہم کہ روٹھی ہوئی رت کو بھی منا لیتے تھے
ہم نے دیکھا ہی نہ تھا موسم ہجراں جاناں
ہوش آیا تو سبھی خواب تھے ریزہ ریزہ
جیسے اڑتے ہوئے اوراق پریشاں جاناں

"ایسی حقیقت سے اچھے تو وہ وہم اور گمان تھے جن میں محبت کا بھرم تو کم از کم قائم تھا، کہیں امی کے نہ ماننے کا ڈر تو کہیں ابو کے سخت فیصلوں کا خوف۔"

"لیکن یہ حقیقت......" جواب ارما کو کچھ

کچھ خواب جیسی لگنے لگی تھی، ایک ایسا خواب جس کے آغاز و انجام کے تال میل میں بے شمار الجھنیں ہوتی ہیں اور جاگنے کے بعد جو تھامنے بیٹھو تو کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔

پورے پچیس دن ہو گئے تھے مبین کو جہلم گئے ہوئے، جبکہ وہ صرف ایک ہفتے کے لئے گھر گیا تھا اور واپسی پر اپنی امی کو ساتھ لانے والا تھا لیکن نہ ہی وہ خود واپس آیا تھا نہ ہی پلٹ کر اس کی کوئی خیر خبر لی تھی، حتیٰ کہ ایک فون بھی نہیں، وہ پریشان حال بلکہ بے حال تھی، نانو امی سے صرف ایک مرتبہ فون پر حیلے بہانے سے موضوع چھیڑا، وہ بھی ان چیزوں کی بابت جو اس نے آخری شام خرید کر مبین کو دادی کو بھجوائی تھیں، انہی باتوں کے دوران غیر محسوس انداز میں مبین کی آمد کا بھی پوچھا لیکن ان کا ایک جوابی جملہ ہی حیران کرنے کے لئے کافی تھا، انہوں نے کہا کہ مبین کو جہلم میں اچھی جاب مل گئی ہے اور وہ اب یہاں واپس نہیں آئے گا۔

بات بظاہر بہت معقول اور سمجھ میں آنے والی تھی لیکن ارما کے بے شمار سوالوں کے سامنے بہر صورت ناکافی تھی۔

پچیس دنوں سے وہ بنا کسی اطلاع کے اس سے دور تھا، اگر بات صرف اتنی تھی تو وہ خود فون کر کے اسے بتا دیتا، لیکن اس پر اسرار خاموشی اور گمشدگی سے ارما کی حالت مرنے جیسی ہو گئی تھی اور اب اچانک پتہ چلا تھا کہ منصور ماموں عمیر لوگوں کے گھر سے اپنی سرکاری رہائش میں شفٹ ہو گئے تھے اور عنقریب نانو، بوا اور مدیحہ ممانی مستقل طور پر ان کے پاس رہنے جا رہی تھیں، ارما کو ایسی پریشان کن حالت میں اور تو کچھ نہیں سوجھا بس جلدی میں فریال کو بلوا بھیجا، اور اب ساری تفصیل سن کر وہ ہکا بکا منہ کھولے بیٹھی تھی۔

''تم اور مبین...... ارے۔'' حیرت سے بے چاری کھل کر ہنس بھی نہیں پائی کیونکہ ڈراپ سین واقعی کافی مایوس کن تھا۔

''تم نے اس کا سیل نمبر ملایا۔''

''ہاں پہلے دن سے آف ہے، روز ٹرائی کرتی ہوں۔''

''منصور ماموں تو وہیں ہیں، ان سے پتہ کریں؟'' ایک اور حل۔

''کیا فائدہ، جس سے بھی مبین کی بات کرو، ایک ہی جواب ملتا ہے کہ اس کی جہلم میں جاب ہو گئی ہے اور وہ اب یہاں نہیں آئے گا کیسے کسی سے یہ پوچھ سکتی ہوں کہ بنا بتائے اس نے مجھ سے رابطے کیوں توڑ دیئے۔'' وہ حد درجہ تکلیف میں تھی، فریال نے اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔

''پھر تو ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی امی کو یہ رشتہ منظور نہیں، بلکہ یہ بات انہیں اس حد تک ناپسند آئی کہ انہوں نے مبین کی یہاں والی جاب ہی چھڑوا دی، تاکہ دوبارہ نہ تو تم دونوں ملو اور نہ مزید کسی بات کی نوبت آئے۔''

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔'' وہ ایک سرد آہ کھینچ کر رہ گئی۔

''وہ بتا رہا تھا کہ کچھ لڑکیاں اس کے لئے امی نے پسند کر رکھی ہیں، ہو سکتا ہے انہوں نے کسی ایک کو فائنل کر لیا ہو۔''

''لیکن وہ تمہیں فیس کرنے سے کیوں کترا رہا ہے؟''

''وہ شاید اس لئے کہ آخری دن جب ہم اس موضوع پر بات کر رہے تھے تو اسے کچھ نہ کچھ غلط ہونے کا امکان میرے ابو کی طرف سے تھا، لیکن یہاں تو پہلی مخالفت ان کی طرف سے ہو گئی تبھی وہ شرمندگی محسوس کر رہا ہے۔''

''ہوں، یقیناً یہی بات ہو سکتی ہے۔''

''مجھے بتاؤ، اب میں کیا کروں، کیسے اسے ڈھونڈوں؟'' وہ ایک بار پھر بے چین ہو گئی، فریال نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا،

''میں نہیں جانتی ارما کہ تم کیا سوچ بیٹھی ہو، لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ تھوڑا ہوش مندی سے کام لو، مبین اتنا مجبور ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کسی کے دباؤ میں آ کر تم سے رابطہ تک نہ کرے، یقیناً اس سے ایک ہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تمہیں ایوائیڈ کر رہا ہے پھر کیوں اور کہاں تک بھاگو گی اس کے پیچھے، تم اسی گھر اسی ماحول میں موجود ہو جس کے متعلق مبین سب جانتا ہے، حتی کہ تمہارا نمبر بھی مسلسل کھلا ہے، وہ جب چاہے واپس آ سکتا ہے، تم سے بات کر سکتا ہے۔''

''بنا اس سے ملے اور ساری حقیقت جانے بہت مشکل ہے۔'' وہ بے چینی سے انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

''میرا دل چاہتا ہے نانو وغیرہ کے ساتھ جہلم چلی جاؤں۔''

''خود کو ڈی گریڈ مت کرو، ان باتوں میں اب کچھ نہیں رکھا، محبت میں بندے کی مت ضرور ماری جاتی ہے لیکن سیلف ریسپکٹ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔'' فریال نے باقاعدہ جھاڑ پلا دی، ارما پھیکا سا مسکرائی۔

''گھبراؤ نہیں، میں تو یونہی کہہ رہی تھی، جانتی ہوں جانے کا کوئی فائدہ نہیں، اگر اس نے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تو جیتے جی مر جاؤں گی، یہ رہا سہا بھرم بھی ٹوٹ جائے گا کہ کبھی ہم ایک تھے۔'' وہ ازحد افسردہ سی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

''یہ لو منہ میٹھا کرو۔'' صبا نے زبردستی گلاب جامن کا ٹکڑا اس کے منہ میں ڈالا اور وہ ابھی پوری طرح سنبھل بھی نہیں پائی تھی کہ رابعہ چچی اور اس کی امی کمرے میں داخل ہوئیں، محسن انکل سعد اور چچی کوئی گھنٹہ بھر پہلے ہی ان کے ہاں آئے تھے، ارما کھانا وغیرہ سرو کر کے واپس کمرے میں چلی آئی تھی اور خلاف توقع ابو یا سعد نے اسے ٹوکا نہیں تھا ورنہ اس سے پہلے جب بھی وہ ایسا رویہ اختیار کرتی ابو یا سعد ضرور اسے روک لیتے اور وہ بادل نخواستہ بیٹھنے پر مجبور ہو جاتی، لیکن ابھی جب صبا نے مٹھائی کھلائی اور چچی نے گلے لگا کر پیشانی چومی تو عقدہ کچھ کچھ کھلنے لگا، یعنی اس کی عدم موجودگی میں کچھ خاص ڈسکس کیا جا رہا تھا۔

''اب تو بس جلد از جلد ہمیں منگنی کی تاریخ دے دیں۔'' رابعہ چچی نے آمنہ کو دیکھا۔

''منگنی کیوں، میں تو شادی کی سفارش کروں گا۔'' سعد اللہ کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو بے ساختہ ارما نے نگاہ اٹھائی، دروازے کے عین بیچ کھڑا وہ بشاشت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ارے بس بھی کرو، تیاری کا موقع بھی نہیں دو گے کیا۔'' آمنہ مسکرائیں۔

''چھوڑیں بھی یہ اہتمام۔'' وہ پورا اندر آ گیا۔

''تیاری تو بس اسے کرنی ہے، اپنا مائنڈ بنانے کی۔'' کچھ تھا اس کے لہجے میں، ارما نے چونک کر سر اٹھایا، دل جلانے والی مسکراہٹ اس نے جھٹ منہ پھیر لیا۔

''میرا مطلب ہے ہر لڑکی کو ماں باپ کا گھر چھوڑنے کے لئے ذہن بنانا پڑتا ہے۔''

''اچھا اب بھاگو یہاں سے، تنگ مت کرو میری بہو کو۔'' انہوں نے زبردستی سعد کو باہر دھکیلا اور خود بھی پیچھے چلی گئیں۔

''مبارک ہو۔'' آمنہ نے پیار سے اسے

ساتھ لگایا تو ارما نے ایک شکوہ بھری نظر اٹھائی۔
''امی مجھ سے تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔''
''ارے بیٹا! گھر کی باتوں میں ان فارملیٹیز کی کیا ضرورت پھر تمہیں پتہ تو تھا ناں۔''
''لیکن امی، ایک بار تو ابو کو پوچھنا چاہیے تھا۔''
''انہیں پتہ ہے تم انکار نہیں کرو گی، وہ جانتے ہیں ہماری ارما بہت سعادت مند ہے۔''
وہ اس کا ماتھا چوم کر اٹھ کھڑی ہوئیں، مبادا ارما کے سوالات انہیں پگھلنے پر مجبور نہ کر دیں اور وہ باقی کی باتیں دل میں لئے بیٹھی رہ گئی اور جو وہ توقع دے بھی دیتیں تو فائدہ کیا تھا، جس کے بھروسے میدان کارزار میں اترنے کی تیاری کی تھی وہ تو دو ماہ ہوئے درد کے دریاؤں میں اتار گیا تھا اور ویسے بھنور بھرے دریا کہ ہاتھ پیر مارتے دم پھول گیا تھا، اب تو بس ڈوبنے کی دیر تھی، بلکہ جیسی مہربانیاں اپنوں کے ہاتھوں عنقریب انجام پانے والی تھیں تو ڈوبنے میں بھی کم ہی وقت بچا تھا، وہ بھڑکتے شعلوں جیسے دل کو لئے پچھلی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی لیکن ٹھنڈی یخ بستہ ہوا کا جھونکا بھی گویا تپش کو اور بڑھا گیا تھا۔
''نصیب میں درد سہنا لکھا ہو تو بہر صورت سہنا ہی پڑتا ہے، چلو اپنا ضبط آزمائیں گے۔''
اس نے ایک آہ بھری۔
''ایک ایسی زندگی جس میں کہیں مبین کی مہربانی ہنسی، شگفتہ باتیں اور پیار برساتی آنکھیں نہیں ہوں گی، کیسے کٹے گا وہ وقت جو معلوم نہیں کتنا بے کیف ہو گا، جذبات، احساسات، شوخی، بے ساختگی، وارفتگی اور سب سے بڑھ کر خوشی سے عاری۔'' اف دل میں بہت اندر کہیں درد اٹھا۔
''ایسے ہی حالات سے دوچار انسان شاید جینے کی امنگ چھوڑ دیتا ہے، لیکن پھر بھی جیے جاتا ہے۔'' اس نے ایک آہ بھری۔

☆☆☆

''اگر تم تھوڑی سی مسکراہٹ بھی چہرے پر سجا لو تو مجھے اچھا لگے گا۔'' سعد اللہ نے ایک اپنائیت بھری مسکان سے ساتھ بیٹھی ارما کو دیکھا، خفت سے بچنے کے لئے جس نے فوراً ہی ہونٹوں پر ہنسی سجائی تھی۔
''تمہارے ساتھ منگنی کے بعد میرے سبھی جاننے والے میری قسمت پہ رشک کر رہے ہیں، کچھ موقع مجھے بھی دو۔'' وہ مزید بولا تو ارما بس ایک نظر دیکھ کر رہ گئی، ایک ہفتہ ہوا تھا ان دونوں کی باقاعدہ منگنی کو، ارما کی انگلی میں اب سعد اللہ کے نام کی انگوٹھی سجی تھی، سفید ہیروں سے مزین اس انگوٹھی نے نہ تو اس کے دل کے تار چھیڑے تھے نہ دنیا بدلی تھی، سب کچھ جوں کا توں تھا اور وہ خود، جیسے ایک بے جان مورتی، جس میں جان ڈالنے کو یہ اہتمام قطعی ناکافی تھا۔
''کیا تم خوش نہیں ہو منگنی سے؟'' سعد اللہ نے بغور اس کا چہرا دیکھا۔
''تقریب والے دن بھی بہت خاموش اور اداس تھیں، کوئی بات ہے کیا؟''
''جی ایسا کچھ نہیں۔'' وہ فوراً سنبھلی۔
''بس نانو کی وجہ سے اداس ہوں، وہ ماموں کے پاس جہلم چلی گئی ہیں، مجھے ان کے بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے اور اب تو ان کا گھر بھی بند ہو گیا ہے۔'' وہ کہیں کھو گئی۔
''وقت کے ساتھ عادتیں اور ترجیحات بدلنی چاہئیں، ویسے حیرت ہے وہاں ان کی طرف تو تمہارا ہم عمر بھی کوئی نہیں ہے، صرف بزرگ خواتین کے ساتھ کوئی کیسے خوش رہ سکتا ہے، وہاں تم کیسے ٹائم گزارتی تھیں، کوئی دلچسپی تو بندے کو چاہیے ہوتی ہے۔'' پتہ نہیں وہ کیوں بات کو کھینچ

رہا تھا، ارما الجھنے لگی۔

''میری نانو بہت فرینڈلی ہیں، ان کے ساتھ میرا وقت بہت اچھا گزرتا ہے، دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ہم عمر ہونا ضروری نہیں۔''

''ہو سکتا ہے، ویسے مجھے ایسا کوئی تجربہ نہیں۔'' اس نے گاڑی ہاسپٹل کی پارکنگ میں روکی۔

''امید کرتا ہوں پارٹی کے دوران تم اپنے موڈ میں مزید بہتری لاؤ گی۔''

منگنی کی خوشی میں اس کے اسٹاف نے ایک پارٹی رکھی تھی اور سعد اللہ یہ کہہ کر اسے ساتھ لے آیا تھا کہ اس کی موجودگی کے بغیر یہ پارٹی ادھوری ہے۔

اس کے دوستوں نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا، ہاسپٹل میں سعد اللہ کی حیثیت بلاشبہ ایک وی آئی پی کی سی تھی، اس کی آؤ بھگت میں سبھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے، ارما کا موڈ بھی وقتی طور پر قدرے تبدیل ہوا تھا، اسٹاف والوں میں سے ارما کی پہچان صرف مہوش سے تھی جس سے منصور ماموں کی شادی میں ملاقات ہوئی تھی، اس وقت مہوش اس کے لئے کھانا نکالنے گئی تھی جب اچانک ہی کوئی عین مقابل آن کر رکا، ارما نے نظر اٹھائی اور پھر ایکدم کھل اٹھی۔

''ارے رمشہ...... تم۔'' مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ششش۔'' رمشہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فوراً دبایا۔

''ایک منٹ۔'' نیچی آواز میں کہتے وہ اسے قدرے سائیڈ میں لے آئی۔

''فی الحال مجھ سے باقی سب کی طرح ملو، کسی پہ ظاہر نہ کرنا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔''

''کیوں...... کیا ہوا؟'' وہ گھبرا کر آس پاس دیکھنے لگی۔

''وہ سب میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی، بس پارٹی کے دوران یوں ملنا جیسے آج ہمارا پہلا تعارف ہے، سعد اللہ کو بھی پتہ نہ چلے، لیکن ہاں اپنا نمبر مجھے یاد سے دے جانا، مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''ہوں۔'' اس نے بنا سوچے سر ہلا دیا تبھی مہوش قریب آئی۔

''ارے بھئی تم کہاں تھیں، اتنی دیر سے سعد بھی پوچھ رہا تھا اور ارما سے ملیں تم؟''

''ہاں ابھی ملی ہوں، دراصل میں ڈاکٹر آصف کے ساتھ وارڈ کے راؤنڈ پر گئی تھی، ابھی آئی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر مہوش کو وضاحت دی۔

''تو چلو، اس گاؤن سے نجات حاصل کرو اور ہمارے ساتھ پارٹی میں شرکت کرو۔''

''اوکے میں بس ابھی آئی۔'' وہ ایک خاموش سمجھاتی نظر ارما پر ڈال کر واپس پلٹ گئی، جانے کیا معاملہ تھا ارما مزید الجھ گئی، البتہ اپنا موبائل نمبر اس نے فوراً ہی ایک چٹ میں لکھ کر مٹھی میں بند کر لیا، اب بس مناسب موقع کی تلاش تھی، رمشہ کا مشکوک رویہ خود بخود حقیقت جاننے پر اکسا رہا تھا، رمشہ اس کی کالج فیلو تھی اور آٹھ دوستوں پر مشتمل گروپ کا نمایاں حصہ بھی، البتہ گریجویشن کے بعد ملنا جلنا بالکل ہی بند ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''بزی تو نہیں ہو؟'' فریال نے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

''نہیں، بس یونہی ایک بک کی ریڈنگ کر

رہی تھی۔''

''مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا۔'' وہ قدرے اٹک گئی۔

''ہاں کہو۔'' بک بند کر کے وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تمہارا مبین سے کوئی رابطہ ہے، آئی مین کال وغیرہ۔''

''نہیں۔'' جانے کیوں اس کے نام پر سرد آہ نکل جاتی۔

''تم نے اس کا نمبر چیک کیا؟''

''ہاں روز کرتی ہوں، اول دن کی طرح بند ہے، بات کیا ہے؟''

''وہ ایکچوئیلی، آج صبح میں نے مبین کو دیکھا تھا۔''

''ہیں؟'' ارما کے گلے میں کچھ پھنسنے لگا۔

''ہاں، میں آج یونیورسٹی گئی تھی فارم لینے، واپسی پر میں نے اسے دیکھا، اس کے آفس کے قریب۔''

''مبین کا آفس؟'' ارما نے تعجب سے دہرایا۔

''تم جانتی ہو اس کے آفس کے بارے میں۔''

''ہاں، ایک بار میں منصور ماموں کے ساتھ گاڑی میں تھی، ہم نے مبین کو اس کے آفس سے پک کیا تھا، مجھے لگتا ہے ارما، یا تو مبین تب سے یہیں ہے اسلام آباد میں، یا پھر ہو سکتا ہے آج کل کسی کام سے آیا ہوا ہو۔'' فریال نے اندازہ ظاہر کیا۔

''تو کیا کریں؟'' ارما کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں، امید کا یہ سرا معلوم نہیں کس سمت لے جانے والا تھا، وہ امید وبیم کی کیفیت میں ڈولنے لگی، جانے آگے کیا ہونے والا تھا۔

''میں نے تو اس لئے تم سے پوچھا کہ شاید مبین نے تم سے کوئی رابطہ کیا ہو، اب تم ہی کہو کیا کرنا چاہیے۔''

''اس کے آفس فون کر کے پتہ کرتے ہیں، کچھ نہ کچھ مزید انفارمیشن تو ضرور ملے گی۔''

''ہاں، اتنا تو میں ابھی تمہیں معلوم کر کے دے سکتی ہوں، اچھا تم ویٹ کرو، پہلے میں انکوائری سے نمبر لیتی ہوں پھر تمہیں سب بتاتی ہوں۔'' اسے نئی سوچوں میں غوطہ زن کر کے فریال نے فون بند کر دیا، وہ بے چینی سے انگلیاں چٹخاتی یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگی۔

مبین یہیں تھا، اسی شہر میں اس کے اتنے قریب، لیکن پھر بھی کتنا دور، فریال کا فون کوئی پندرہ منٹ بعد آیا، اس نے لپک کر کال ریسیو کی۔

''ہاں میں نے پتہ کر لیا ہے، ریسپشنسٹ سے بات ہوئی، وہ تو کہہ رہی تھی کہ مبین صاحب یہیں کام کرتے ہیں، میں نے بات کروانے کو کہا تو کہنے لگی کہ فی الحال وہ آفس میں نہیں ہیں۔''

''ہوں۔'' وہ سن دماغ کے ساتھ بیٹھی ہی رہی۔

''بولو آگے کیا کریں؟''

''مجھے اس سے ملنا ہے۔'' بنا سوچے اس کے منہ سے پھسلا اور فریال اس قطعی انداز پر خاموش سی سوچ میں پڑ گئی، یہ تو ہونا ہی تھا، خبر اتنی بڑی تھی کہ وہ باوجود چاہنے کے ارما سے چھپا نہیں پائی تھی اور نہ ارما میں اتنا حوصلہ تھا کہ ایسی خبر سن کر ری ایکٹ نہ کرتی۔

''اچھا ٹھیک ہے، کل صبح تم تیار رہنا، میں یونیورسٹی کے بہانے تمہیں ساتھ لے جاؤں گی، پھر سیدھے اس کے آفس چلیں گے، اس کی رہائش کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں جانتے، بہتر

ہے کہ آفس ٹائم میں ہو آئیں۔"
"او کے۔" دبے دبے جوش اور خوف کی کیفیت پر قابو پاتے وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی، وجود میں ٹھنڈی لہریں سی دوڑنے لگی تھیں اور ہتھیلیاں بالکل نم۔

☆☆☆

فریال اسے گاڑی کے پاس روک کر اندر آفس چلی گئی تھی اور اب کسی بھی لمحے اس کی واپسی متوقع تھی۔
اور پھر وہ آ گیا، فریال کے پیچھے سبک سبک چلتا ہوا، آج بھی ویسا ہی ہشاش بشاش، دل میں اتر جانے کی حد تک پُرکشش لیکن بلو جینز اور سفید شرٹ میں برف جیسا ٹھنڈا مزاج اوڑھے ہوئے بالکل سرد اور بے تاثر، ارما نے کسی امید پر اس کی آنکھوں میں دیکھا، وہاں نہ اب اپنائیت کی لو جھلک رہی تھی نہ محبت کی شوخی بس ایک روکھا سوال، جو چہرے پہ صاف لکھا تھا، اس نے گڑبڑا کر فریال کو دیکھا۔
"میں گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔" وہ بھی عجلت میں رفو چکر ہو گئی، ارما کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ وہ ناراضی کا تاثر دینا بھی بھول گئی، انداز ایسا ہو گیا جیسے وہ مبین کی مجرم ہو اور کٹہرے میں کھڑی ہو، پوچھنے کو سوال بے شمار تھے لیکن ایک بھی جملہ ایسا نہیں سوجھ رہا تھا جسے بنیاد بنا کر بات کا آغاز کر سکتی، ذہن گویا صاف سلیٹ ہو گیا تھا، خاصی مجبوری میں دوبارہ مبین کو دیکھا، وہ جو بنا کہے اس کی ہر مشکل آسان بنا دیتا تھا، لیکن اب...... اب تو سب دیکھ سمجھ کر بھی خاموش کھڑا تھا، بلکہ کسی حد تک بیزار، رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور ایک نظر پیچھے آفس کی بلڈنگ پر ڈالی، یعنی واپس جانے کو تیار، ارما نے آنسوؤں کے گولے کو زبردستی پیچھے دھکیلا۔
"مجھے رونا نہیں ہے، بات کرنی ہے۔" خود کو راضی کر کے اس نے مٹھیاں بھینچیں اور سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"
"میں صرف وہی کر رہا ہوں جو مجھے کرنا چاہیے۔" اس نے فوری جواب دیا۔
"ہاں ہو سکتا ہے۔" ارما کے ماتھے پہ بل آیا۔
"لیکن بنا کچھ بتائے، کہے ایسا کہاں ہوتا ہے، چار ماہ ہونے کو آئے اور آپ۔"
"اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں، امید ہے آپ معاف کر دیں گی۔" صاف سیدھا جواب، لمحے کو وہ لاجواب سی ہو گئی۔
"میں یہاں معذرت قبول کرنے نہیں، اپنے سوالوں کا جواب جاننے آئی ہوں، آپ جانتے ہیں گھر والوں نے میری سعد سے منگنی کر دی ہے اور میں ایسی پوزیشن میں بھی نہیں تھی کہ کوئی اسٹینڈ لے سکتی۔"
"اچھا کیا، شاید اسی میں ہم دونوں کی بھلائی تھی۔" وہ تو جیسے پتھر پھوڑنے کا تہیہ کیے ہوئے تھا، ارما نے شدید دکھ سے دوچار بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"میں بہت شرمندہ ہوں ارما کہ آپ نے مجھ سے جو امیدیں وابستہ کی تھیں، میں ان میں سے کسی ایک پر بھی پورا نہیں اتر پایا، آپ میرے لئے مزید مشکلات مت اٹھائیں، آپ کی خوشیاں آپ کا مستقبل یقیناً سعد سے جڑا ہے۔" وہ اب قدرے نرمی سے دل جلا رہا تھا، ارما کی پلکیں بھیگنے لگیں۔
"کیا یہ سچ ہے مبین۔" ارما کے لہجے میں

پہلی مرتبہ پرانے دنوں کی پکار در آئی تھی، لیکن وہ جان کر بھی انجان نظر آ رہا تھا، کوئی امنگ کوئی امید کہیں نہیں جاگی تو وہ مایوسی سے پلٹ گئی، لیکن کسی آواز نے اس کے قدم نہیں روکے اور روکتا بھی کیسے، وہ تو اس سے پہلے ہی اپنے آفس کے لئے مڑ چکا تھا، گاڑی تک آتے ارما نے چار پانچ مرتبہ مڑ کر دیکھا لیکن وہ تیز قدموں سے بلڈنگ کے دروازے کی طرف بڑھتا ہی جا رہا تھا، جیسے اتنا وقت ضائع ہو جانے کا بھی افسوس رہا ہو، بھاری اعصاب کے ساتھ وہ اندر بیٹھ گئی، یہ تھا واپسی کا سفر کہ دل پر بوجھ کچھ اور بڑھ گیا تھا اور درد کا احساس اس سے سوا۔

☆☆☆

بات تو بڑی تھی بلکہ دھماکہ خیز تھی، ارما کے بے جان وجود میں بھی پل بھر کو جان سی آ گئی تھی، وقت اور حالات کی ستم ظریفی کا شکار نہ ہوتی تو اس خبر کو بہار کے جھونکے سے تعبیر کرتی لیکن مبین کی دی چوٹ کا اثر ابھی تازہ تھا بلکہ ایک طرح سے آغاز تھا درد کے اس سلسلے کا، جس کے انجام کے بحث لاحاصل تھی۔

ارما کو کچھ دیر پہلے رمشہ کی کال آئی تھی، اسے حیرت ہوئی سوچ کر کہ وہ تو سعد اللہ کی بیسٹ فرینڈ تھی، اصولاً اسے سعد کا خیر خواہ ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ہمدردی کر رہی تھی ارما کے ساتھ اور اس نے پہلے ردعمل کے طور پر فوراً ہی فریال کو بلوا بھیجا اور جب وہ لستم پشتم کچھ ہی دیر میں بھاگی چلی آئی تو سب کچھ من وعن اس کے گوش گزار کر دیا اور جواباً وہ پھر منہ کھولے حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہونقوں کی طرح اسے دیکھے ہی گئی۔

رمشہ نے اسے وارن کرنے لئے فون کیا تھا کہ وہ ہرگز سعد اللہ سے شادی نہ کرے، کیونکہ رمشہ کے مطابق سعد اللہ اس سے نہ تو محبت اور پسندیدگی کی وجہ سے شادی کر رہا ہے اور نہ ہی اس میں اس کی خوشی اور رضامندی شامل ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف اعظم انکل سے بدلہ لینا ہے، کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ اس کے باپ کو دادا ابا سے برسوں دور رکھنے کے پیچھے سارا دماغ اعظم انکل کا تھا، رمشہ کو یہ ساری تفصیل سعد اللہ نے خود بتائی تھی، سعد نے کہا کہ دادا ابا نے میرے ابو کو فوری غصے کے اثر میں عاق تو کر دیا تھا لیکن چند ہی برس بعد ان کا دل دھیرے دھیرے ابو کی طرف سے صاف ہونا شروع ہو گیا تھا اور وہ میرے ابو کو کھلے دل سے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن تب تک اعظم انکل کے دل میں لالچ آ چکا تھا، دادا ابا کی ہزاروں ایکڑ اراضی کی کمائی پر چند سال انہوں نے اکیلے عیش کر کے دیکھ لی تھی، اب وہ دوبارہ ففٹی ففٹی کی حصہ داری لینے کو تیار نہیں تھے، تبھی والد کو محسن کی زیادتیاں یاد دلا دلا کر معاف نہ کرنے پر اکساتے رہے تھے، کیونکہ غصے میں آ کر دادا ابا نے جائیداد کی منتقلی اعظم اور اس کے بچوں کے نام کر دی تھی اور محسن کو باقاعدہ تحریری طور پر عاق کر دیا تھا، اب اعظم ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ والد اپنی زندگی میں وصیت نامہ دوبارہ تبدیل کر کے جائیداد کو آدھا آدھا بانٹ دیں، تبھی جب تک وہ زندہ رہے اعظم نے انہیں محسن کے قریب نہیں آنے دیا، لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو بھائی کے سامنے اچھا بننے کے لئے اور لائق اکلوتے بھتیجے کو داماد بنانے کے لئے صلح کا ہاتھ بڑھا کر ان سب کو احسان عظیم کے بوجھ تلے دبا دیا۔

اپنا مقصد تو یوں بھی اب وہ حاصل کر چکے تھے، والد کی وفات کے بعد وصیت نامہ اب تبدیل نہیں ہو سکتا تھا، قانوناً اب وہی تمام

جائیداد کے قانونی وارث تھے۔

''لیکن یہ سب سعد اللہ کو کیسے پتہ، یعنی یہ کہ تمہارے دادا ابا کو ناراض رہنے پر اعظم انکل ہی اکساتے رہے، ہوسکتا ہے یہ محض ایک الزام ہو صرف سعد اللہ کی غلط سوچ۔'' فریال نے نکتہ اٹھایا۔

''سعد اللہ غلط نہیں ہے۔'' ارما کا تحمل قابل دید تھا فریال نے حیرت سے دیکھا۔

''مطلب؟''

''سعد نے بتایا ہے کہ اب سے تین سال پہلے جب وہ سرجن بنا اور اس نے اپنے ہاسپٹل کا باقاعدہ آغاز کیا تو دادا ابا خود اس سے ملنے اور مبارکباد دینے ہاسپٹل آئے تھے اور جب انہوں نے کہا کہ تم نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے تو سعد کہتا ہے کہ میں ان سے شکوہ کیے بنا نہیں رہ سکا اور فوراً ہی پوچھ لیا کہ اگر وہ اتنے ہی خوش ہیں تو ان سب کو معاف کیوں نہیں کر دیتے، تب دادا ابا نے اس سے کہا کہ میں کچھ گھریلو مجبوریوں کا شکار ہوں اور پچھتانے لگے کہ کاش انہوں نے محسن کو تحریری طور پر عاق نہ کیا ہوتا، سعد اللہ نے کہا کہ ہمیں جائیداد وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں ہے، آپ بس اپنا دل ہمارے لئے بڑا کر دیں، لیکن وہ مطمئن نہیں تھے، ان کے مطابق جب تک وہ محسن کو اس کا حق نہ لوٹا دیں ان کے دل کو چین نہیں ملے گا، سعد اللہ کہتا ہے کہ میرے لئے یہ بہت بڑی خوشخبری تھی لیکن دادا ابا نے مجھ سے وعدہ لیا کہ فی الحال کسی سے تذکرہ مت کرنا، تبھی میں نے اپنے امی اور ابو کو بھی کچھ نہیں بتایا، دادا ابا مسلسل اس سے رابطے میں رہنے لگے تھے اور اکثر سب سے چھپ کر اس سے ملنے ہاسپٹل آیا کرتے تھے، اب وہ بلا جھجک اس سے ہر بات شیئر کرتے تھے، سعد اللہ بھی ان کے بہت قریب آ گیا تھا، دادا ابو گھر آ کر ہمارے ابو سے اس موضوع پر بات کرتے لیکن وہ ہتھے سے اکھڑ جاتے۔''

''سچ کہوں فریال۔'' ارما قدرے سیدھی ہو کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''یہ سب باتیں تو میری اپنی آنکھوں دیکھی ہیں، دادا ابا نے بہت مرتبہ میرے سامنے ابو سے کہا کہ میرا دل محسن کی طرف سے صاف ہو چکا ہے اور میں نیا وصیت نامہ بنوانا چاہتا ہوں، دراصل دادا ابا کو لگا تھا کہ رابعہ جیسی ورکنگ وومن سے شادی محسن چچا کی بہت بڑی غلطی ہے اور جلد ہی یہ عورت اسے چھوڑ جائے گی، لیکن ان کا اندازہ غلط نکلا اور وقت نے ثابت کر دیا کہ محسن چچا کا انتخاب غلط نہیں تھا، رابعہ چچی نے ان سے وفا نبھائی اور شرافت سے زندگی گزاری اور پرانے خیالات رکھنے والے دادا ابا کی سوچ میں خود بخود تبدیلی آ گئی، لیکن افسوس میرے ابو کسی بات کو سمجھنے پر تیار نہیں تھے، میں اکثر بہت حیران ہو کر امی سے یہ سوال پوچھتی کہ ابو نے محسن چچا کو بالآخر منانا ہی تھا تو دادا ابا کی زندگی میں کیوں نہیں؟ میری چھوٹی عقل میں کبھی یہ بات آئی ہی نہیں کہ ابو دوسری پالیسی پر عمل کر رہے تھے۔''

''یعنی تم سمجھتی ہو سعد اللہ صحیح ہے۔'' فریال کی سمجھ میں اب ساری بات آ گئی تھی۔

''ہاں، اس حد تک تو ضرور، لیکن اس کی منفی اور سطحی سوچ سے بھرپور اختلاف ہے۔''

''اور ہاں وہ بدلہ لینے والی کیا بات تھی۔'' فریال کو اچانک خیال آیا، ارما کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بدلہ لینے کے لئے اس نے مجھ ناچیز کا انتخاب کیا ہے، اب یہ تو نہیں پتہ کہ کیوں، بہرحال رمشہ کے مطابق وہ مجھے شادی کے ہفتے

پھر بعد طلاق کے پیپرز سمیت واپس بھیج دے گا۔“

”وہاٹ؟“ فریال باقاعدہ اچھل پڑی۔

”یہ کیا بکواس ہے اور اور وہ ایسی بات رمشہ کو کیوں بتانے لگا۔“ فریال کو قطعاً یقین نہیں آیا۔

”مائی ڈیئر فریال، رمشہ نے کہا کہ صرف میں ہی کیا، وہ ساری لڑکیاں جو سعد اللہ سے شادی کی خواہش مند ہیں یا کسی نہ کسی حوالے سے اس کے قریب ہیں وہ سب یہ بات جانتی ہیں، رمشہ کہتی ہے کہ میں خود بھی بہت پہلے سے یہ بات جانتی ہوں اور شاید اوروں کی طرح میں بھی بے حس بن کر یہ سب ہوتے دیکھتی رہتی، لیکن میں ہرگز نہیں سوچ سکتی تھی، کہ وہ لڑکی تم ہو جسے سعد اپنے غلط عزائم کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔“

”تو اب...... ہمیں جلد از جلد یہ ساری باتیں خالہ اور انکل کو بتا دینی چاہئیں۔“

”ضرورت نہیں ہے۔“ وہ قطعی انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ارے...... کیا مطلب......“ فریال بوکھلا کر پیچھے دوڑی۔

”بھئی یہ باتیں جھوٹ ہیں یا سچ، سامنے تو لانی ہی پڑیں گی۔“

”میں نے کہا ناں ضرورت نہیں ہے، میرے نصیب میں اگر یہی لکھا ہے تو ہو جانے دو۔“

”پاگل ہو گیا، ایسے کیسے اور نصیب میں لکھا ہوتا تو اللہ پاک کی طرف سے یہ بروقت مدد نہ آتی۔“

”تم بھول رہی ہو شاید۔“ ارما سرد سپاٹ آنکھوں سے سیدھا اسے دیکھنے لگی۔

”میرا رشتہ بنا میری مرضی جانے سعد اللہ سے کر دیا گیا تھا، اب میں کس حساب میں بھاگ بھاگ کر سب کو رشتے کے اچھے برے پہلو سمجھاؤں، سعد اللہ کو دیوتا کا درجہ دینے والوں کو بھی دیکھ لینے دو جو میرے ساتھ ہونے والا ہے، ابو کے نزدیک میرے وجود کی کوئی اہمیت ہوتی تو نصیب مجھے یہاں، تک لاتا ہی کیوں، مجھے سعد اللہ سے کوئی شکایت نہیں، استعمال کرنے کی رسم تو میرے گھر سے شروع ہوئی ہے، ابو نے ٹھان لیا کہ اکلوتے امیر بھتیجے کو داماد بنانا ہے تو بس نظر انتخاب مجھ پر آن ٹکی اور بنا یہ جانے کہ میں کیا چاہتی ہوں، رشتہ طے کر دیا اور تمہیں قسم ہے جو تم نے میری امی یا ابو سے کوئی بات کی، دیکھنا میں صاف مکر جاؤں گی کہ کسی رمشہ نامی لڑکی کو میں جانتی بھی ہوں۔“ وہ کرسی سے تولیہ اٹھا کر واش روم میں گھس گئی اور فریال نے اپنا سر پکڑ لیا، فوری طور پر ذہن بالکل بلینک لگا۔

☆☆☆

ارما اور سعد اللہ کی شادی کی تاریخ طے پا گئی تھی، اب درمیان میں صرف اٹھارہ دن تھے، فریال کے دماغ نے فوری طور پر بس اتنا کام کیا کہ ایک ایمرجنسی میٹنگ بلا کر سب کچھ صبا اور تارا کے گوش گزار کر دیا اور ان بے چاریوں کے لئے تو ارما اور مبین کی محبت کا معاملہ بھی کم دھماکے دار نہیں تھا، اوپر سے یہ نئی افتاد، اس وقت تینوں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

”میرے خیال سے ہمیں نفیسہ خالہ اور امی سے بات کرنی چاہیے۔“

”قسم کی پابند تو تم ہو، ہم دونوں تو آزاد ہیں۔“ صبا نے پہلا مشورہ دیا۔

”نہیں، امی اور خالہ سے پہلے ایک اور شخص ہے جسے یہ سب بتانا بہت ضروری ہے۔“ تارا

نے اپنی پرسوچ نگاہ ان دونوں پر جمائی تو وہ محض سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔
''حالات اور واقعات بتاتے ہیں کہ ارما کی موجودہ ضد اور سختی کے پیچھے اعظم انکل کے رویے سے زیادہ مبین کی سرد مہری کا ہاتھ ہے، سوچو اگر مبین نے ارما کا دل نہ توڑا ہوتا تو اس وقت حالات کتنے مختلف ہوتے، یہی ارما شادی رکوانے کے لئے سب سے آگے ہوتی۔'' تارا اچھی خاصی دور کی کوڑی لائی تھی، فریال اور صبا نے بھرپور تائید میں سر ہلایا۔
''ہاں اور اب میں سمجھ گئی تم کیا کہنا چاہتی ہو۔'' فریال نے بات بڑھائی۔
''کسی کو بھی کچھ بتانے کا اس وقت تک فائدہ نہیں ہے جب تک ارما اپنے رویے میں لچک پیدا نہ کر لے، ورنہ جیسا کہ اس نے کہا ہے وہ یقیناً مکر جائے۔''
''دیکھتے ہیں وہاں سے کیا رسپانس آتا ہے، اس کے بعد آمنہ خالہ اور اعظم انکل کو بتائیں گے اور ضرورت پڑی تو رمشہ کی مدد بھی لیں گے۔''
''ہوں، اوکے تم ہی مبین بھائی کے آفس فون ملاؤ اور دیکھو چھوٹتے ہی ساری بات اگل دو، ہمارے پاس ٹائم بہت کم ہے۔''
''ہاں۔'' فریال نے وال کلاک پہ نظر ڈالتے ہوئے اپنا موبائل فون نکالا، ریسپشن پہ بیٹھی لڑکی نے فوراً ہی کال مبین کی طرف ٹرانسفر کر دی تھی، فریال نے محض سلام کیا اور وہ فوراً اسے پہچان گیا اور اس نے بھی بنا وقت ضائع کیے سب کچھ بتانا شروع کر دیا، رمشہ کے انکشافات، ارما کے سرد رویے اور موجودہ صورت حال پر تفصیل سے روشنی ڈالی، مبین نے مکمل خاموشی اور تحمل سے پوری بات سنی تھی، لیکن جواباً کہا تو صرف یہ کہ ''اچھا ٹھیک ہے میں آپ سے دوبارہ بات کروں گا۔'' اور فون بند، فریال حیرت سے فون کو دیکھنے لگی، عجیب نہ سمجھ آنے والا جواب تھا، یعنی کچھ بھی اخذ کرنا انتہائی مشکل، اس نے خاصی بے چارگی سے صبا اور تارا کی طرف دیکھا اور وہ دونوں بنا سنے ہی سمجھ گئیں کہ تدبیر کچھ کارگر ثابت نہیں ہوئی۔

☆☆☆

''مبین؟'' اعظم حسن نے زیر لب خاصی ناگواری سے دہرایا، ہاسپٹل کی پارکنگ میں گاڑی لاک کر کے جونہی وہ مڑے، مبین کو داخلی دروازے سے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوتے دیکھا۔
''ہوسکتا ہے کسی مریض سے ملنا ہو۔'' خود کو توجیہہ پیش کرتے وہ آگے بڑھے، وہ یہاں سعد اللہ سے ملنے آئے تھے، ریسپشنسٹ نے ادب سے انہیں سلام کیا، وہ اب انہیں پہچانتی تھی اور کبھی اپائنٹمنٹ وغیرہ کے لئے نہیں کہا، اعظم سیدھے سعد کے کمرے کی طرف بڑھے، دروازہ نیم وا تھا، انہوں نے ابھی ہینڈل پہ ہاتھ بھی نہیں رکھا تھا کہ مبین کی آواز نے ان کے پیر جکڑ لئے۔
''سچ کو جھٹلانے سے تمہارے عزائم پر پردہ نہیں پڑ جائے گا سعد، میں سب جان چکا ہوں کہ ارما کا استعمال تم کس مقصد کے لئے کر رہے ہو۔'' مبین کی اونچی آواز میں بے خوفی کا عنصر بہت واضح تھا۔
''کیا بکواس کر رہے ہو تم۔'' سعد اللہ کی غصیلی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔
''تم تو ارما کی محبت کے دعوے دار بن کر خدیجہ آنٹی کے گھر بلکہ میرے کمرے تک آگئے تھے، پھر کیا ہوا ایسا کہ تم ایک معصوم لڑکی کو اتنی بڑی سزا دینے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔'' مبین کا لہجہ بھی سرد تھا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، کیا بولے جا رہے ہو، کہا تھا تم سے دوبارہ مجھے دکھائی مت دینا، پھر تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی اور یہ گھٹیا پلان لے کر آئے ہو، جس کا نہ سر ہے نہ پیر۔'' سعد بری طرح اس پر برسا۔

''جس سچ کو ماننے سے تم انکار کر رہے ہو، وہ تمہارے کسی بہت اپنے نے ہمیں بتایا ہے اور جلد ہی وہ اپنے آپ کو ظاہر بھی کر دے گا اور یاد رکھو سعد میں اگر اپنی محبت سے دستبردار ہوا تھا تو صرف اعظم انکل کی وجہ سے، اس بھول میں ہرگز مت رہنا کہ تمہاری دھمکیوں نے مجھے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا تھا، آج اگر میں نے اپنی ذات پر الزام سہے، انسلٹ برداشت کی، اپنی محبت، اپنی ارما کو کھو دیا، حتیٰ کہ اس کی نظروں میں برا بھی بنا تو صرف اس لئے کہ اعظم انکل تم سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ہر قیمت پر تمہیں اپنا داماد بنانا چاہتے تھے، میرے ساتھ جو سلوک انہوں نے کیا، میں نے اس کی بھنک بھی ارما کو پڑنے نہیں دی اور چپ چاپ اس کی زندگی سے نکل گیا اور تم شادی کے اگلے روز طلاق دے کر محض اپنے تایا سے بدلہ لینے کی خاطر اسے واپس بھیج دو گے، ایسی بے ہودہ حرکت کے بارے میں تم نے سوچا بھی کیسے۔''

''تھوڑی تصحیح کر لو۔'' سعد عجیب انداز میں ہنسا۔

''اگلے روز نہیں ہاں جب تک اپنی جائیداد اپنے حق کی ایک ایک پائی اس کے باپ سے نکلوا نہ لوں، ڈونٹ وری، اس کا پورا خیال رکھوں گا، بھلے یہ جائیداد میں اگلے روز کسی فقیر کے نام کر دوں لیکن اس لالچی بڈھے کو ایک پیسہ ضبط نہیں کرنے دوں گا، جس نے ساری جائیداد اپنے نام کروا کہ میرے باپ کے ہاتھ پر بھیک کی طرح رکھ کر احسان جتایا، اب اتنی سزا تو اس کا حق بنتا ہے۔''

''ارما کا اس سارے معاملے سے کوئی سروکار نہیں ہے سعد، تم بلاوجہ۔''

''بلاوجہ کہاں۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔

''حساب کتاب تو اس کی طرف بھی نکلتا ہے، میرے نام کی انگوٹھی پہن کر آج بھی تمہارے لئے آہیں بھرتی ہے، بھول جاؤ کہ اسے کسی رعایت کا حقدار سمجھوں گا، ویسے جواب نہیں تمہاری وفاداری کا۔'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔

''جس اعظم انکل کے ہاتھوں اتنے رسوا ہو کر اس گھر سے نکلے، آج انہی کی طرف داری کرنے یہاں پہنچ گئے، بڑے بڑے عاشق دیکھے لیکن تم سنگل پیس ہو قسم سے۔'' وہ بے شرمی سے ہنسے گیا۔

''پر افسوس تمہارا یہ خلوص اسے تو نظر آ سکتا ہے جس کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی نہ بندھی ہو، اعظم حسن کو دکھائی نہیں دے گا۔''

''میں یہاں اپنے خلوص کی داد وصول کرنے نہیں آیا، صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہارا پلان فیل ہو چکا ہے اب کچھ نیا سوچو۔''

''جسٹ شٹ اپ۔'' سعد اللہ پوری شدت سے چلایا۔

''میرا پلان فیل کرنے والے کو میں اس دنیا سے رخصت کر دوں گا سمجھے تم، بہتر یہی ہو گا کہ اپنی زبان بند رکھو اور اگر نہیں رکھو گے تو نقصان پھر بھی تمہیں ہو گا، اعظم انکل کو تمہارے خلاف بھڑکانا میرے لئے چٹکیوں کا کام ثابت ہو گا اور تم دیکھ لو گے کہ جس تایا کی عزت کی میں دھجیاں بکھیرنے والا ہوں، وہ اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی میرے ساتھ رخصت کر دے گا، کیونکہ ارما کو میرے ساتھ بیاہنے کا جو سودا اس کے سر میں سمایا

ہے، وہ اتنی آسانی سے اترنے والا نہیں سمجھے تم۔''
اس نے خباثت سے ہنستے ہوئے مبین کو چیلنج کیا، تبھی اعظم حسن پورا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئے، سعد اللہ کو ہر گز یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سب سن چکے ہیں۔

☆☆☆

کچن کی کھڑکی پورچ میں کھلتی تھی، گاڑی سے اترنے والے دو افراد کا ایک ساتھ دیکھ کر آمنہ کا منہ حیرت سے کھلا اور بے یقینی کی کیفیت میں وہ کھڑکی کے نزدیک آئی، اعظم کے ساتھ وہ دوسرا شخص بلاشبہ مبین تھا، وہ مبین جسے اس کی آنکھوں کے سامنے اعظم نے بے عزت کر کے اماں کے گھر سے نکالا تھا اور اب...... اعظم باقاعدہ مبین کے شانے پہ ہاتھ رکھے مسکراتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ رہے تھے، یہ منظر کسی پہیلی سے کم نہیں تھا، وہ بھاگ کر کچن کے دروازے میں آئیں، اعظم حسن، مبین کو لئے کوریڈور میں داخل ہوئے، مبین نے اسے سلام کیا اور اعظم اسے لئے ڈرائنگ روم کے اندر چلے گئے، وہ جہاں کی تہاں کھڑی تھی جب دو ہی منٹ میں وہ واپس آئے، آمنہ کو شانے سے تھام کر دوبارہ کچن میں لائے، مختصراً اسے سعد اللہ کے عزائم سے آگاہ کیا اور سعد سے ارما کا رشتہ ختم ہونے کی خبر سنائی، بات بہت حد تک سمجھ میں آ گئی، پہیلی سلجھ چکی تھی۔

''ارما کہاں ہے؟''

''جی وہ ارما اور صبا آج صبح اماں کے ہاں گئی ہیں، پچھلی رات ہی اماں، بوا اور مدیحہ جہلم سے یہاں آئی ہیں کوئی تین چار روز کے لئے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے۔'' وہ پرسوچ انداز میں گویا ہوئے۔

''ہم سب بھی وہیں چلتے ہیں، مجھے اماں سے اپنے رویے کی معافی مانگنی ہے اور انہیں بتانا ہے کہ ارما کے لئے ان کا انتخاب ہی درست تھا۔''

''جج...... جی...... چلتے ہیں...... میں ابھی آئی۔'' اندرونی خوشی کو دباتی وہ فہد کو بتانے اندر بڑھ گئیں۔

☆☆☆

معافی کے چند بول بھی جانے کیسی طاقت اپنے اندر رکھتے ہیں ساری غلطیاں سارے عیب جیسے پرندوں کے پیروں سے بندھے کہیں فضاؤں میں اڑ جاتے ہیں اور اپنوں کے دلوں میں رہ جاتی ہیں حقیقی خوشیاں، سچی مسکراہٹیں۔
اعظم نے کھلے دل سے معافی مانگی اور خدیجہ حیات نے یہ کہہ کر کہ وہ کبھی ان سے ناراض تھیں ہی نہیں، ماحول کی خوشی دو چند کر دی۔

''ارما نظر نہیں آ رہی؟'' کسی نے مبین کے دل کا سوال پوچھا اور اس کی دھڑکنیں سماعت بن گئیں۔

''بہت دیر سے چھت پر ہے، آج کافی عرصے بعد ہمارے ہاں آئی ہے ناں، پورے گھر میں یوں گھوم رہی ہے جیسے ایک ایک چیز کو سنوارنا چاہتی ہو۔'' خدیجہ حیات مسکرائیں، صبا نے دروازے میں کھڑے فہد کو ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر قریب آئی۔

''پلیز ذرا مبین بھائی کو کسی بہانے باہر لے آؤ۔'' اس نے ہلکی سی سرگوشی کی۔

''کیوں؟'' وہ کسی خیال سے نکلا۔

''کوئی ضروری کام ہے۔'' اس نے مسکرا کر باتوں میں مصروف مبین کی طرف دیکھا تو فہد کچھ کچھ سمجھتے ہوئے ہنس پڑا۔

''ٹھیک ہے لاتا ہوں۔'' صبا باہر آ گئی اور

چند منٹ میں ہی فہد بھی مبین کو لئے وہیں آ گیا۔

''شکریہ، اب انہیں میرے حوالے کر دو، اور تم پلیز نفیسہ خالہ یا فریال وغیرہ کو تو فون کر کے بتا دو، یہاں اتنا سب کچھ ہو گیا اور انہیں کسی بات کی خبر ہی نہیں۔'' فریال ویسے بھی بہت پریشان تھی۔

''فون کرنے کی کیا ضرورت ہے، میں ابھی انہیں خود لے آتا ہوں۔'' اس نے گاڑی کی چابی سامنے لہرائی۔

''اتنے تابعدار، الٰہی خیر۔'' صبا کی آنکھیں پھیلیں۔

''خالہ کے گھر کی حد تک تو یہی سمجھو۔'' وہ سر کھجاتا مبہم مسکراہٹ لبوں پہ سجائے مڑ گیا اور صبا اس کی پشت کو دیکھتے مسکرا دی۔

''محبت سچی ہو تو دل سے دل تک کا سفر کتنی آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔'' تارا کی خاموش محبت بالآخر فہد کے دل پر دستک دینے میں کامیاب ہو گئی تھی، وہ طمانیت سے مسکراتے ہوئے مبین کی طرف مڑی جو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آئیں مبین بھائی، ہم ارما کے پاس چلتے ہیں۔''

''لیکن وہ تو چھت پر......''

''جی ہاں وہیں چلتے ہیں، سب سے پہلے یہ خوشخبری آپ ہی اسے سنائیں گے۔''

''لیکن۔'' مبین نے کچھ سوچ کر پیچھے دیکھا۔

''ارے کوئی کچھ نہیں کہے گا، پھر میں ساتھ ہوں ناں۔'' وہ زبردستی اسے کھینچ لائی۔

''وہ شاید اندر ہے۔'' صبا نے نیم وا دروازے کو دیکھ کر سرگوشی کی۔

''آپ اندر جائیں میں وہاں ٹیرس پر ہوں۔'' وہ دروازے کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گئی، مبین نے ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ دیا، دروازہ بے آواز طریقے سے کھل گیا، سامنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی، ڈائری اور پین سامنے گود میں رکھے تھے شاید کچھ لکھتے لکھتے اسے اونگھ آ گئی تھی، مبین نے بنا آواز کیے رائٹنگ ٹیبل کی کرسی اٹھا کر بیڈ کے قریب رکھی اور خاصی آرام دہ حالت میں پشت سے پیٹھ ٹکا کر بغور اسے دیکھنے لگا، ہلکے کاسنی رنگ کے سوٹ میں وہ لیوینڈر کی کھلی ہوئی ڈال لگ رہی تھی، بال ایک ڈھیلے ہیئر بینڈ میں ڈال کر اس نے دائیں کندھے سے سامنے نکال رکھے تھے، گھنی پلکیں لمحے کو لرزیں، خود کو دیکھے جانے کے احساس سے شاید اس کی آنکھیں کھلیں، کچھ لمحے وہ خواب کی سی کیفیت میں بیٹھی مبین کو دیکھتی رہی اور پھر جیسے ہڑبڑا کر اٹھی۔

''آپ؟''

''ہوں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا اور گھبرا کر پلنگ سے اٹھتی دوپٹے میں الجھتی وہ لڑکھڑا کر گرنے لگی تو مبین نے ہاتھ بڑھا کر سنبھالا اور تب جیسے صحیح معنوں میں وہ بیدار ہوئی۔

''آپ سچ مچ۔'' مبین کے چھونے نے بے یقینی کی کیفیت کو یک لخت یقین میں بدلا۔

''ذرا پانی کے چھینٹے ماریں چہرے پر، پھر تفصیل سے بتاتا ہوں کہ میں یہاں کیوں اور کیسے ہوں، چلو شاباش۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ پھر سے بیٹھ گئی۔

''کہاں ٹھیک ہو ایسا مرجھایا چہرا تو چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔'' وہ اب اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے نروس کر رہا تھا۔

''میں تو ویسی ہی ہوں، آپ کو اچھی نہیں لگ رہی تو اور بات ہے۔'' وہ چڑ گئی۔

''ہاں، مجھے کہاں اچھی لگتی ہو، بات تو ٹھیک ہے۔''

''ہوں۔'' اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔

''پچھلے کچھ مہینوں سے یہی الزام ہے ناں مجھ پہ۔'' وہ مسکرایا تو بات ارما کی سمجھ میں آ گئی۔

''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر واقعی واش روم چلی گئی اور چند منٹ میں ہی دوپٹے سے چہرا صاف باہر آ گئی۔

''نانو کو پتہ ہے آپ کے آنے کا؟'' اسے یہ خیال شاید باتھ روم میں آیا۔

''جی پتہ ہے اور باقی کے اہل خانہ بھی یہاں موجود ہیں۔''

''مطلب؟'' ارما کو پہلی بار کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا اور نہ اس کا خیال تھا کہ ضرور مبین یہاں نانو امی سے ملنے آیا ہوگا اور یہاں کمرے میں شاید اپنا کوئی سامان اٹھانے آیا ہوگا اور اتفاقاً سامنا ارما سے ہو گیا۔

''اجازت ہو تو مطلب ذرا عملی طور پر سمجھا دوں۔'' وہ اب اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، ارما کچھ نہ سمجھتے ہوئے محض حیرانی سے دیکھنے لگی، تبھی مبین نے اس کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سعد اللہ کی پہنائی گولڈ اور ڈائمنڈ کی انگوٹھی نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

''اب اسے انگلی میں سجائے رکھنے کی مزید ضرورت نہیں ہے، اعظم انکل نے آپ کا نام نہاد رشتہ ختم کر دیا ہے۔''

''تو کیا انہیں۔''

''جی انہیں سعد اللہ کے انتقامی جذبات کا علم ہو چکا ہے اور وہ یہ رشتہ باقاعدہ طور پر توڑ آئے ہیں۔''

''لیکن آپ یہاں کیسے؟''

''وہ یوں ڈیئر کہ آپ تو رمشہ بی بی کے انکشافات کی کسی راز کی طرح حفاظت کرنے والی تھیں، یہ تو بھلا ہو فریال کا جس نے بروقت کال کر کے مجھے ساری تفصیل بتائی اور میں اگلے ہی دن سعد اللہ سے ملنے اس کے ہاسپٹل پہنچ گیا، جہاں کچھ دیر بعد اعظم انکل نہ صرف اتفاقاً آ گئے بلکہ انہوں نے ہم دونوں کی گفتگو بھی سن لی، یہ بھی اللہ کا خاص کرم ہوا ہم پر، کوئی انسان پوری دنیا کے کہے کو جھٹلا سکتا ہے لیکن اپنی کہی بات سے نہیں پھر سکتا، میں اور تم لاکھ سر پٹخ لیتے، اعظم انکل سعد کو غلط سمجھنے کے بجائے اسے ہماری کوئی سازش تصور کرتے، لیکن جب سعد اللہ نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ ہاں وہ ارما کو محض انتقام لینے کے لئے استعمال کر رہا تھا تو وہ سب باتیں اعظم انکل نے خود سن لیں، تب وہیں کھڑے کھڑے اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ ارما سے شادی کی بات اب وہ بھول جائے۔'' مبین نے ایک گہرا سانس لے کر اب تک کی روئیداد ارما کے گوش گزار کر دی، البتہ اعظم حسن اور سعد کا آپس کا مکالمہ سرے سے گول کر دیا، کسی بھی انسان کو اس کی اولاد کی نظر میں شرمندہ کرنا سراسر چھوٹا پن ہی ہو سکتا تھا اور مبین کی سوچ نہ تو چھوٹی تھی اور نہ سطحی، معاملے کی نزاکتوں پر اس کی خوب گہری نگاہ تھی، اعظم حسن اس حد تک تو ضرور قصور وار تھے کہ انہوں نے سگے بھائی اور اس کے بیوی بچوں کی حق تلفی کی تھی، ان سب کی اب تک کی سبھی محرومیوں کے ذمہ دار صرف وہی تھے، البتہ جب اپنی اولاد بھینٹ چڑھنے لگی تو ضمیر بھی ضرور بیدار ہوا تھا تبھی کھلے دل سے اپنی کوتاہیوں کی معافی سعد اللہ سے مانگ لی اور اسے ان کی جائیداد لوٹانے کا عہد بھی کیا تھا، اب مبین اس قصے کو بھول جانا چاہتا تھا، ارما سے ذکر کرنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

''لیکن میرے ابو آپ کو یہاں کیوں لائے؟'' ارما کی جان اس لیکن اور اگر مگر سے ہی چھوٹ نہیں رہی تھی۔

''میں نے تمہاری اتنی اچھی وکالت کی انہیں لگا شاید یہی میری بیٹی کا بیسٹ جوڑ ہے۔''

وہ اب شرارت سے مسکرانے لگا۔

''تو آپ نے انہیں اصل بات بتا دی ہوتی۔''

''اصل بات؟'' مبین نے زیر لب دہرایا۔

''وہ کیا؟''

''کہ آپ کی امی اس رشتے سے راضی نہیں ہوں گی۔'' ارما نے گھنی لمبی پلکیں اس کے چہرے پر جما کر تدبر سے کہا۔

''اچھا؟'' مبین کا سوالیہ انداز خاصی حیرت لئے ہوئے تھا۔

''اور یہ بات تم سے میری امی نے کہی ہو گی۔''

''نن...... نہیں۔'' وہ گھبرا گئی۔

''تو پھر یہ تمہارے زرخیز دماغ کا تمہارے حساب سے ٹھیک اندازہ ہوگا۔'' وہ اب ہنس رہا تھا جبکہ حیران ہونے کی باری ارما کی تھی یعنی یہ وجہ بھی نہیں تھی، تو پھر مبین کیوں بدل گیا تھا۔

''آؤ باہر چلتے ہیں۔'' ایک ساتھ کمرے میں رکنا مبین کو کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا، اس نے کمرے سے نکل کر ٹیرس کا رخ کیا، صبا اب وہاں نہیں تھی، ارما آہستہ روی سے چلتے اس کے قریب آئی، ٹیرس سے نیچے لان اور سامنے گیٹ کا منظر بہت واضح تھا، مبین کو بہت دن پہلے کی ایک صبح یاد آگئی، اس نے گرل پر ہتھیلیاں جما کر دور تک دیکھا۔

''آپ کیوں چلے گئے تھے مبین اور اب سعد اللہ کی حقیقت معلوم ہونے پر اچانک واپس آنا۔''

''سب بھول جاؤ ارما۔'' اس نے فوراً بات کاٹی۔

''کیا ہمارے اطمینان کے لئے یہی کافی نہیں کہ قدرت نے ہمارے ملنے کی راہیں ہموار کر دی ہیں۔''

''نہیں یہ تسلی کافی نہیں ہے۔'' ارما نے فوراً اسے رد کیا۔

''میں ان بیتے چند ماہ کی اذیت نہیں بھلا سکتی۔'' وہ ہرگز مصالحت پر آمادہ نہیں تھی، مبین نے ہار ماننے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''تم خدیجہ آنٹی سے پوچھ لو، یا پھر اپنی امی سے۔''

''جی؟'' وہ مزید حیران ہوئی۔

''انہیں کیا پتہ ہے؟ اور...... مجھے چھوڑ کر جانے کی بات آپ نے انہیں کیوں بتائی؟'' حیرت ارما کے چہرے سے مترشح تھی، اوپر سے پے در پے سوالات۔

''اوکے بابا سب بتاتا ہوں۔'' وہ سیدھا ہو کر پورا اس کی طرف مڑا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا، جس کی چمکتی نگاہیں سچ جاننے کے لئے بے تاب نظر آئیں۔

''وہ شام یاد ہے، جب ہم مارکیٹ گئے تھے۔''

''ہاں۔'' اس کا ارتکاز ٹوٹا۔

''ہماری آخری ملاقات۔''

''اور اس سے اگلی صبح جب میں نے جہلم کے لئے نکلنا تھا، تم بنا مجھ سے ملے فہد کے ساتھ واپس گھر چلی گئیں۔''

''جی اصل میں صبح جب میں اٹھی اور ہم ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ امی اور ابو وہاں آ گئے، کچھ دیر بعد فہد بھی اپنی بائیک پر آ گیا۔''

''اور انہوں نے تمہیں فہد کے ساتھ گھر واپس بھیج دیا۔'' مبین نے لقمہ دیا۔

''جی! امی نانو سے ملنے آئی تھیں اور مجھے انہوں نے اس لئے گھر بھیج دیا کہ صبا گھر پر اکیلی تھی۔'' ارما نے اضافہ کیا۔

''کاش کہ بات صرف اتنی ہوتی۔'' مبین نے بے ساختہ کہا تو اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا جانے کیا تھا مبین کے لہجے میں۔

''میں سمجھی نہیں؟''

''اس شام سعد اللہ کو ہمارا ایک ساتھ اکیلے باہر جانا بالکل اچھا نہیں لگا تھا، وہ وہاں سے سیدھے آپ کے گھر گیا اور اعظم انکل سے باقاعدہ شکایت لگا کر ناراضی ظاہر کی، تمہارا ایک غیر مرد کے ساتھ گھومنا پھرنا اسے برداشت نہیں ہوا اور اعظم انکل بس یہی پوچھنے اس دن خدیجہ آنٹی کے پاس آئے تھے، تمہیں گھر بھیج دیا تاکہ کوئی بات تمہارے علم میں نہ آئے۔''

''اوہ پھر کیا ہوا؟ نانو نے کیا کہا؟'' وہ دم بخود رہ گئی۔

''یہی کہ دونوں گھومنے نہیں گئے تھے بلکہ انہوں نے خود کام سے بھیجا تھا، لیکن اعظم انکل کے ذہن پر سعد کی باتوں کا اثر شاید بہت تازہ تھا، تبھی آنٹی خدیجہ کے ساتھ ان کا لہجہ کافی سرد تھا، اگرچہ قصور ان کا بھی نہیں، تب کی سچویشن کو اگر دیکھا جائے تو ان کی مجبوری بھی سمجھ میں آتی ہے، ہونے والے داماد کے منہ سے بیٹی کے متعلق ایسی رائے سننا، انہیں اچانک ہی بہت سے خدشات لاحق ہو گئے تھے ہوں گے جن میں سر فہرست تمہاری شادی کا خطرے میں پڑنا ہو گا۔''

''پلیز مبین، بتائیں ناں، ابو نے نانو سے کیا کہا؟'' ارما اس کی تمہید سے چڑ گئی، حالانکہ مبین کی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی سے بدگمان نہ ہو، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ حالات مکمل کنٹرول میں آچکے تھے۔

''تمہاری بہت ساری غلط فہمیاں دور کرنا ضروری نہ ہوتا تو میں ان سب باتوں کا بتانا بالکل ہی بے کار سمجھتا ہوں لیکن تمہارا اصرار مجھے مجبور کر رہا ہے، بہر حال۔'' اس نے جیسے خود کو تیار کیا۔

''انکل نے ان سے کہا کہ میں یہاں آپ کے بھروسے اپنی بیٹیوں کو کئی کئی دن کے لئے چھوڑ دیتا ہوں اور آپ ان کی یہ تربیت کر رہی ہیں، ایک ایسے لڑکے کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے رکھی ہے جو ہماری بیٹیوں پر بری نظر رکھتا ہے، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ منصور نے تم پہ بھروسا کر کے اپنا عورتوں سے بھرا گھر تمہارے حوالے کیا اور تم نے یہی قدر کی اس بھروسے کی۔''

''لیکن جب نانو امی نے انہیں بتا دیا کہ ہم دونوں کام سے باہر گئے تھے تو اتنا سب کچھ۔'' وہ ایکدم بوکھلا گئی۔

''وہ اس لئے کہ انکل نے جب بار بار سعد سے تمہاری شادی کا حوالہ دیا تو خدیجہ آنٹی نے انہیں بتایا کہ مبین کی دادی بھی ان سے ارما کے رشتے کی بات کر چکی ہیں، مزید یہ بھی کہا کہ مبین پر میں اپنی سگی اولاد سے زیادہ بھروسا کر سکتی ہوں، وہ کبھی کوئی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ یہ تک کہہ دیا ارما کے لئے مبین ہر حوالے سے سعد سے اچھا جوڑ ہے، لیکن ظاہر ہے انکل کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا اور پھر سعد وہاں آ گیا۔''

''سعد...... نانو کے گھر۔'' کیسے کیسے انکشاف تھے وہ ہکا بکا تھی۔

''ہاں اس وقت میں یہاں اپنے کمرے

میں اپنا سامان پیک کر رہا تھا کیونکہ اعظم انکل نے کہہ دیا تھا کہ اگر مبین مزید اس گھر میں رہا تو یہاں ان کا اور ان کی پوری فیملی کا داخلہ بند ہو جائے گا، حتی کہ آمنہ آنٹی بھی اپنی ماں سے ملنے نہیں آسکتیں، اب بہتر یہی تھا کہ میں مزید کسی کے کچھ کہے یہاں سے خود ہی چلا جاتا اور وہ سعداللہ۔'' مبین پہلی مرتبہ کھل کر ہنسا۔

''قسم سے داد دینی پڑے گی اس بندے کی جی دار تو ہے ہی، غضب کا ذہین بھی ہے، تم شاید یقین نہ کرو لیکن اس نے منصور بھائی کی شادی میں ہی بھانپ لیا تھا کہ ہمارے بیچ کچھ خاص ہے، یوں تو اس نے بہت کچھ کہا تھا مجھے، زیادہ اب یاد بھی نہیں، لیکن یہاں تک آ جانے کی خصوصی وجہ یہ تھی کہ اس نے اعظم انکل سے کہا یہاں پیش آنے والے سارے معاملے سے ارما کو ہر حال میں بے خبر رکھنا ہے، اگر وہ یہ بات انکل کے کان میں نہ ڈالتا تو وہ گھر آکر یقیناً تمہاری بھی خوب خبر لیتے، لیکن سعد اپنے پلان کو سو فیصدی کامیاب بنانا چاہتا تھا، اس نے معاملے کو اچانک ایسا موڑ دیا کہ انکل بھی چکر میں آ گئے، یوں بھی وہ سعداللہ کے چھپے عزائم سے ناواقف تھے، سعداللہ نے وہاں موجود سبھی افراد سے دھمکی آمیز وعدہ لیا کہ اگر کسی نے بھی ارما تک یہ بات پہنچائی تو اعظم انکل آپ کی امی کو خدانخواستہ طلاق دے دیں گے، حد تو یہ ہے کہ یہ بات اس نے اعظم انکل کے منہ سے کہلوائی، اب ظاہر ہے وہاں موجود سبھی افراد تمہاری فیملی کے خیر خواہ تھے، کوئی بھی کسی صورت عہد توڑنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا اور بس اسی وجہ سے میں بھی بنا کچھ کہے سنے نہ صرف یہاں سے چلا گیا بلکہ اپنا نمبر بھی تبدیل کر لیا اور ایک ہفتے بعد جہلم سے واپسی پر کمپنی کے فلیٹ میں رہائش اختیار کر لی، منصور بھائی اس سارے معاملے کی وجہ سے کافی اپ سیٹ ہو گئے تھے، تبھی انہوں نے بھی ہمارے گھر سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔''

''نانی امی بھی یقیناً دلبرداشتہ ہو کر یہاں سے چلی گئی تھیں ورنہ وہ اپنے گھر کے علاوہ کہیں ایک بھی دن رہنے کو تیار نہیں ہوتیں اور مجھے بھی ان دنوں یہاں کوئی آنے نہیں دے رہا تھا، شاید ابو کو ڈر تھا کہ مجھے کوئی کچھ بتا نہ دے۔'' وہ کڑیاں ملانے لگی۔

''یقیناً یہی وجہ ہوگی۔''

''اور آپ کے گھر والے مبین؟'' ارما کو اچانک خیال آیا۔

''انہیں کسی بات کا علم نہیں ہے اور ضرورت بھی نہیں ہے، میں نے اپنی رہائش کی تبدیلی کی وجہ آفس کی مجبوری بتا دی اور منصور بھائی سے تو کسی کو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اب وہ فیملی والے ہو گئے تھے، البتہ میرے گھر والے اس بات پر ضرور حیران ہیں کہ میں تو جلدی جلدی کا اتنا شور ڈال رہا تھا رشتہ لانے کے لئے اور اب اتنے ماہ سے ایکدم چپ کیوں ہو گیا ہوں۔'' اس نے ڈھیلا سا ہو کر سانس چھوڑی۔

''سب میری غلطی کا نتیجہ ہے۔'' پلکوں کی نمی چھپاتی وہ کافی دلگرفتہ سی نظر آ رہی تھی، اس کے لئے تو ہر بات نئی تھی، ابو کا رویہ، نانو امی کی تکلیف، مبین کی ذلت سب مل کر دماغ پر پتھر کی طرح بج رہے تھے۔

''پھر تو مجھے بھی اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔'' مبین نے مسکراتے ہوئے اس کی ذہنی رو تبدیل کرنے کی کوشش کی اور کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔

''آپ کی غلطیاں؟'' ارما نے حیرت سے سر اٹھایا۔

''ہاں۔'' وہ دھیمے سے ہنسا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔
''تمہیں دیکھنے، بلکہ مسکرا کر دیکھنے اور دیکھتے چلے جانے کی غلطی، بیک ویو مرر تم پر سیٹ کرنے کی غلطی، اپنے وہموں کا تم سے ذکر کرنے کی غلطی، سعداللہ کے نام پر اپنی جیلسی نہ چھپا سکنے کی غلطی۔''
''بس بس۔'' وہ ہنستی چلی گئی اور مبین اس کا موڈ یک لخت بدل جانے پر محبت اور خوشی سے اس کے چمکتے موتیوں سے دانتوں اور چہرے سے پھوٹتی خوشی کو دیکھنے لگا۔
''اس لمبی لسٹ کے آگے میرا ایک اعتراف واقعی چھوٹا پڑنے لگا ہے۔''
''تو بس، کوئی ضرورت نہیں پچھتاوے پالنے کی، یہ سب باتیں تو خوبصورت یادیں ہیں جنہیں ہم ہمیشہ دوہراتے رہیں گے، کیونکہ ان سب باتوں میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے ارما، جس سے خدانخواستہ کسی کی عزت پر آنچ آئی ہو یا کسی اپنے کا دل دکھا ہو۔''
''کسی پر دل آ جانا اور بات ہے اور دل آ جانے کے بعد دین و دنیا کو داؤ پر لگا دینا اور، محبت تو ہر دل میں ہے، ہواؤں میں ہے، فضاؤں میں ہے، آس پاس ہے، وہ نہ خود رکتی ہے نہ کسی کو روکتی ہے، وہ تو بس چلتی ہی رہتی ہے، ایک دل سے دوسرے دل تک سفر ہی اس کی توانائی ہے، یہ وہ جذبہ ہے جو ہر صحت مند اور مثبت دماغ میں پروان چڑھتا ہے، محبت صرف وہ ہے جو آپ کو صبر سکھاتی ہے، برداشت پیدا کرتی ہے، قربانی کا درس دیتی ہے اور وہ چیز جو آپ کو بغاوت پر آمادہ کرتی ہے، نافرمانی پر ابھارتی ہے، رسوائی کی راہ دکھاتی ہے، تو مان لو وہ محبت نہیں بلکہ فتور ہے دماغ کا، وہ طاقت نہیں بلکہ بیمار ذہنوں کی جذباتی کمزوریاں ہیں جنہیں محبت کی آڑ لے کر استعمال کیا جاتا ہے۔''
''مجھے تم سے محبت ہوئی تو میں تمہاری خوشی میں خوش ہوا، تمہارے دکھ میں اداس، تمہاری موجودگی کو میں نے یہاں محسوس کیا ہے۔'' اس نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔
''تمہاری آہٹ نے سہج سہج دھڑکنوں پہ قدم جمائے، تم نہیں ہو، تب بھی تم ہو، تو بس میں نے محبت کو پالیا، یعنی تمہیں پالیا، قدرت نے ہمارا ملنا لکھا تھا، یہ میری خوش نصیبی ہے، مجھے سر آنکھوں پہ قبول ہے، لیکن اگر تم نہ ملتیں تو بھی محبت میں نے پالی تھی، میں مکمل تھا اور مکمل ہی رہتا، محبت مجھے صبر عطا کرتی اور تم دل کے سیپ میں ایک گہر کی طرح محفوظ ہو جاتیں ہمیشہ کے لئے۔'' وہ کسی ایک نقطے پر سوچتے بولتا چلا گیا، ارما پورے انہماک سے اسے سن رہی تھی، پر اب وہ مسکرا کر نارمل حالت میں آ گیا تھا۔
''اچھا تو تم کیا سوچ رہی تھیں، میری امی نے انکار کیا اور میں منظر سے غائب ہو گیا۔''
''وہ تو فریال کہہ رہی تھی۔'' ارما جھینپ گئی۔
''ہوں اور تمہارا دل کیا کہتا تھا۔'' وہ اب گہری نگاہ ڈالے بھرپور توجہ سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔
''مجھے لگا میرا واسطہ ایک بے وفا سے پڑا تھا، جو دل لگی تو یوں کرتا ہے کہ وقت پڑنے پر جیسے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا لیکن جب ہاتھ تھامنے کا موقع آتا ہے تو راہ فرار اختیار کر لیتا ہے، کچھ لوگ بہانے سے نکل لیتے ہیں اور کچھ یونہی غائب ہو جاتے ہیں۔''
''کیا کہنے، ہمیں یقین کی آخری حدوں پہ لا کے خود ایسے گمان زیادتی نہیں ہے؟'' اس نے

ہلکا سا شکوہ کیا۔

''نہیں بھئی، مذاق کر رہی تھی۔'' اس کی ہنسی میں جھرنوں کی روانی تھی۔

''تو مطلب پورا یقین ہے۔'' وہ بھی مبین تھا ارما زچ ہو گئی۔

''توبہ آپ بہت چالاک ہیں۔''

''ارے میں نے تو سیدھا سا سوال کیا ہے، تمہیں کوئی الجھن ہے کیا۔''

''اور اگر یہی سوال میں آپ سے کروں، آپ کے یقین کے متعلق تو۔'' اس نے الٹا سوال کر دیا۔

''بہت آسان جواب ہے۔'' وہ اب بالکل اس کے مقابل کھڑا تھا۔

''تم بجائے مجھ سے پوچھنے کے میری آنکھوں میں دیکھو اور اپنا جواب پا لو، دراصل یقین ہمارے اندر ہوتا ہے اور ہم اسے دوسرے کے لفظوں میں ڈھونڈتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ مجھے تم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں نے اپنا جواب پا لیا ہے، تمہاری نظریں ہی نہیں، ہر ہر ادا بنا پوچھے میرے سب سوالوں کا جواب دیتی ہے اور میرے یقین کا گراف روزانہ کے حساب سے اوپر ہی اوپر جاتا ہے، کبھی تم بھی تو ایسا محسوس کرو، یا پھر میں اسے اپنی کوئی کوتاہی سمجھوں۔''

''نہ آپ کی کوتاہی، نہ میری بدگمانی، دراصل آپ کے یقین کی بنیاد بہت ٹھوس ہے، جس کی طرف پہل کا ہاتھ بڑھا ہو اور جسے یقین دلایا گیا ہو کہ وہ ہمارے لئے کتنا اہم ہے، اس کے بھروسے کا ڈانواں ڈول ہونا ذرا مشکل ہے، یہ کچھ نفیا... اثر... تے ہیں جو خود بخود دل میں جگہ پا لیتے ہیں۔'' ارما کا جواب خاصا برجستہ تھا۔

''...بت کا جو ہاتھ میری طرف بڑھایا، میں نے وہ مروت میں تھاما تھا۔'' مبین اب سمجھا، ارما ہنسنے لگی۔

''ایسا ہو بھی سکتا ہے لیکن بہرحال وجہ کچھ اور ہے۔''

''وہ کیا؟'' مبین کی دلچسپی عروج پر تھی۔

''کبھی کبھی جو ہم محسوس کرتے ہیں، اسے سننا بھی چاہتے ہیں۔'' جھجک کر کہتے اس کی پلکیں حیا سے جھک گئیں۔

''پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں۔'' وہ فوراً بولا۔

''قدرت نے ایسا پکا بندوبست کیا ہے، سنتے سنتے کہیں تھک ہی نہ جاؤ، فی الحال تو بس آنے والے خوبصورت دنوں کے بارے میں سوچو، چہرے پر نکھار آئے گا، دیکھو تو، کیسی اجاڑ، ویران صورت بنا لی ہے چند ماہ میں۔'' وہ بغور اس کی گھور سیاہ آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ابٹن لگا لوں گی۔'' بنا سوچے ارما نے بھرپور تسلی دی مبین کا قہقہہ نکل گیا۔

''کبھی کبھی سادگی بھی لاجواب کر دیتی ہے، ویسے ایک حل میرے پاس بھی ہے مانو گی؟'' وہ اسے شرارت سے دیکھنے لگا، ارما نے محض دیکھنے پر اکتفا کیا۔

''شادی تک روزانہ مجھے ایک گھنٹہ فون پر دو، کسی ابٹن کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''آپ مجھے ٹوٹکے بتائیں گے؟'' وہ شرگیں مسکراہٹ سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''لوگ اسے محبت کہتے ہیں، تم ٹوٹکا کہہ لو، لیکن ہے بہت کارآمد۔''

''بشرطیکہ سچی ہو۔'' ارما نے بلاوجہ ٹکڑا لگایا۔

''پھر بدگمانی۔'' مبین نے خفگی سے گھورا۔

''آپ کے لئے نہیں کہا، میں تو عمومی رائے دے رہی ہوں۔'' وہ ہنسی لیکن انداز میں واضح شرارت چھپی تھی۔

''جیسے میں جانتا نہیں ہوں۔'' وہ بے سرگوشی کرنے لگا تھا۔

''جانتے تو ایسا نہ کرتے میرے ساتھ۔'' وہ بے ساختہ شکوہ کر بیٹھی۔

''وہ سب میرے اختیار میں نہیں تھا۔'' ماحول میں اچانک سنجیدگی در آئی تھی۔

''میری ایک سانس ہی رکی نہیں مبین۔'' وہ ایکدم ہی رخ موڑ گئی، اس کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہو گیا، جانے کیا کیا یاد آنے لگا۔

''میرے ساتھ پھر کبھی ایسا مت کرنا۔''

''آئی ایم سوری ارما۔'' مبین نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا، اس کی پلکیں پانیوں سے بوجھل تھیں۔

''تمہیں دکھ دینے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا، لیکن حالات نے بہت مجبور کر دیا، اگر دل کی سننے بیٹھتا تو خدیجہ آنٹی اور منصور بھائی سے عمر بھر نظریں ملانے کے قابل نہ رہتا، اپنے پندار کی حفاظت، تمہاری عزت کا خیال اس وقت ہر مصلحت پر حاوی تھا، اگر نہ رکھتا تو آج یوں سرخرو بھی نہ ہوتا اور اب یہ موٹے موٹے آنسو سنبھال رکھو۔'' مبین نے اپنی پور سے پلک کو چھوا تو چمکتا تارے سا قطرہ انگلی پہ آ پڑا۔

''رخصتی کے وقت کام آئیں گے۔'' اس نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

''کیا یہ سب سچ ہے مبین۔'' رخصتی کے لفظ پر ارما کا دھیان یک لخت پلٹا۔

''ہاں بالکل سچ، ہماری محبت کی طرح، اب تو بس گھر والوں کو یہاں لانا ہے تاکہ ارما رباب کو ارما مبین بنانے کی تمام راہوں کو جلد از جلد سہل بنایا جا سکے۔''

''سعد اتنی آسانی سے ہار مان لے گا مبین، اگر اس نے دوبارہ کچھ کرنے کی کوشش کی تو۔''

ارما کی آنکھوں میں خوف بہت واضح تھا۔

''نہیں۔'' مبین نے قطعی انداز میں اس کے خیال کی نفی کی اور شانوں سے تھام کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا۔

''سعد کی بہادری صرف اس وقت تک تھی جب تک اس کے عزائم پوشیدہ تھے، اب تو اس کے لئے اپنے والدین سے نظریں ملانا بھی مشکل ہو گا، اعظم انکل نے معلوم کر لیا تھا تمہارے محسن چچا اور چچی قطعاً ان باتوں سے لاعلم تھے اور ہاں۔'' وہ یک لخت مسکرایا۔

''مبین علی کی بزدلی بھی صرف اس وقت تک تھی جب تک اسے دوسروں کا ساتھ حاصل نہیں تھا، سعد کا پہلا وار اس لئے کامیاب رہا تھا کیونکہ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا، مجبوراً مجھے وہ وار سہنا پڑا لیکن اگر اس نے دوسرا وار کرنے کی بے وقوفی کی تو خود اس کا شکار ہو جائے گا، کیونکہ اب ہم اکیلے نہیں ہیں سویٹ ہارٹ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا اسے تسلی دینے لگا۔

''یہ کیسے لوگ ہوتے ہیں مبین۔'' وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''کیا واقعی ہمارے اردگرد دھوکے اور فریب کے جال اتنی آسانی سے بن لئے جاتے ہیں، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سعد جیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ایسی منفی سوچ اور انتقامی جذبات رکھ سکتا ہے، سویٹ کزن کہہ کر مخاطب کرنے والا میرے بارے میں ایسے جذبات رکھتا تھا۔''

''خود کو اس جگہ رکھ کر سوچو تو شاید تمہیں اس کی محرومیاں بھی نظر آنے لگیں، اس کے حساب سے یہ ردعمل تھا ان زیادتیوں کا جو اس کے ساتھ ہوئیں۔''

''کاش میرے ابو نے ان کے ساتھ ایسا نہ کیا ہوتا، کتنی مشکل سے ہم لوگ چچا کے قریب

آئے تھے شاید پھر کبھی ہم ان سے نہ مل سکیں۔"
"بالکل غلط۔" فریال، صبا اور تارا اکٹھی کوریڈور سے نمودار ہوئیں۔
"محسن انکل نے نہ صرف سعد کی طرف سے اپنے رویے کی معافی مانگی ہے بلکہ ہم سے ان کا تعلق آئندہ بھی بحال رہے گا۔"
"انشاء اللہ۔" صبا نے مسکرا کر اس کی بات مکمل کی۔
"اور سعد اللہ۔" ارما کی آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔
"فی الحال تو کسی قسم کی مثبت امید ظاہر ہے کہ ذرا مشکل ہے کیونکہ نہیں کہہ سکتے کہ سعد اپنے کیے پر نادم ہے یا اپنی ناکامی پر غصہ، لیکن بہرحال اسے بھی وقت دینا چاہیے، تم دونوں کی شادی ساتھ خیریت کے انجام پا جائے اور تم جہلم چلی جاؤ، پھر آہستہ آہستہ سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔" فریال نے قریب آ کر پیار سے اسے ساتھ لگایا۔
"فی الحال تو آپ دونوں بس اچھی اچھی خبریں سنیں۔" تارا نے معنی خیزی سے صبا کی طرف دیکھا تو وہ فوراً سمجھ گئی۔
"ہاں اور سب سے بڑی اور اچھی خبر یہ ہے کہ ٹھیک ایک ماہ بعد کی تاریخ شادی کے لئے طے پا گئی ہے، ابو نے خود منصور ماموں اور عمیر بھائی سے فون پر بات کی ہے اور دوسری اچھی خبر یہ ہے کہ کامبین بھائی کے گھر والے یہاں آ رہے ہیں، باقاعدہ طور پر سارے معاملات طے کرنے کے لئے۔"
"واہ یہاں تو خیر خواہوں کی کمی ہی کوئی نہیں۔" مبین نے خوشگوار حیرت سے سب کو دیکھا۔
"میرے کرنے کے لئے تو کوئی کام ہی نہیں چھوڑا۔"
"کیوں ہلکان ہوتے ہیں دولہا بھائی۔" فریال شوخی سے ہنسی۔
"اتنا قلق ہو رہا ہے تو آپ کو ابھی کام پہ لگا دیتے ہیں۔"
"یعنی؟" اس سے پہلے ارما بول اٹھی۔
"اتنی گرما گرم خبروں کے بعد ایک شاندار ڈنر ہم سب کا حق بنتا ہے، لہٰذا آپ جیب ڈھیلی کرنے کی تیاری کریں اور ہم ساتھ جانے کی، چلو ارما۔" فریال نے باقاعدہ بازو سے پکڑ کر اسے کھینچا۔
"ارے اسے کہاں لے جا رہی ہیں۔" مبین نے سر کھجایا۔
"ہمارا احسان مانیں جو ڈنر پر ساتھ لے جانے کی اجازت دے رہے ہیں، پھر کل سے شادی تک اخلاقی اور معاشرتی پابندیاں لاگو ہو جائیں گی۔" تارا نے اعلان کے انداز میں کہا تو سیڑھیاں اترتی ارما نے بے بسی سے مبین کی طرف دیکھا جس نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے تھے، کہتا بھی کیا، دائمی خوشیوں کے حصول کی راہ میں یہ چھوٹی موٹی پابندیاں بھلا کیا معنی رکھتی تھیں۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

پندرہویں قسط کا خلاصہ

کالج میں نومی کا ٹکراؤ شانزے سے ہوتا ہے اور کہانی میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔
نیل بر کی بنگلے پہ جانے کی خبر بنو محل کی دیواروں کو ہلا دیتی ہے، نیل بر کا اعتراف محبت صندیر خان کو سنگین فیصلے کی انتہا پہ لے جاتا ہے۔
صندیر خان، سردار بنو کو وارننگ دیتا ہے، بیٹی کو سمجھا لو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔
نشرہ ولید کی ''فرمائش'' اور ''بدلاؤ'' پہ تشویش کا شکار ہے۔
اسامہ، ہیام کی امانت لے کر اس کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں اس کا بے حد اچھا استقبال ہوتا ہے، اُدھر عشیہ کو دیکھ کر اسامہ کے من کی مراد بر آتی ہے۔

نیل بر، حمت کو ساتھ لے کر سرکاری بنگلے پہ امام فریدے سے ملنے کو جاتی ہے، امام فریدے، نیل بر کو دیکھ کر برہمی کا اظہار کرتا ہے، لیکن جب اس کی نگاہ حمت پہ پڑتی ہے تو اس کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔
ہیام کو اپنے گھر پیسے بہت ارجنٹ بھجوانے ہیں، سسٹر بیہ کے مشورے پہ وہ اسامہ کی خدمات حاصل کرتا ہے۔

سولہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے
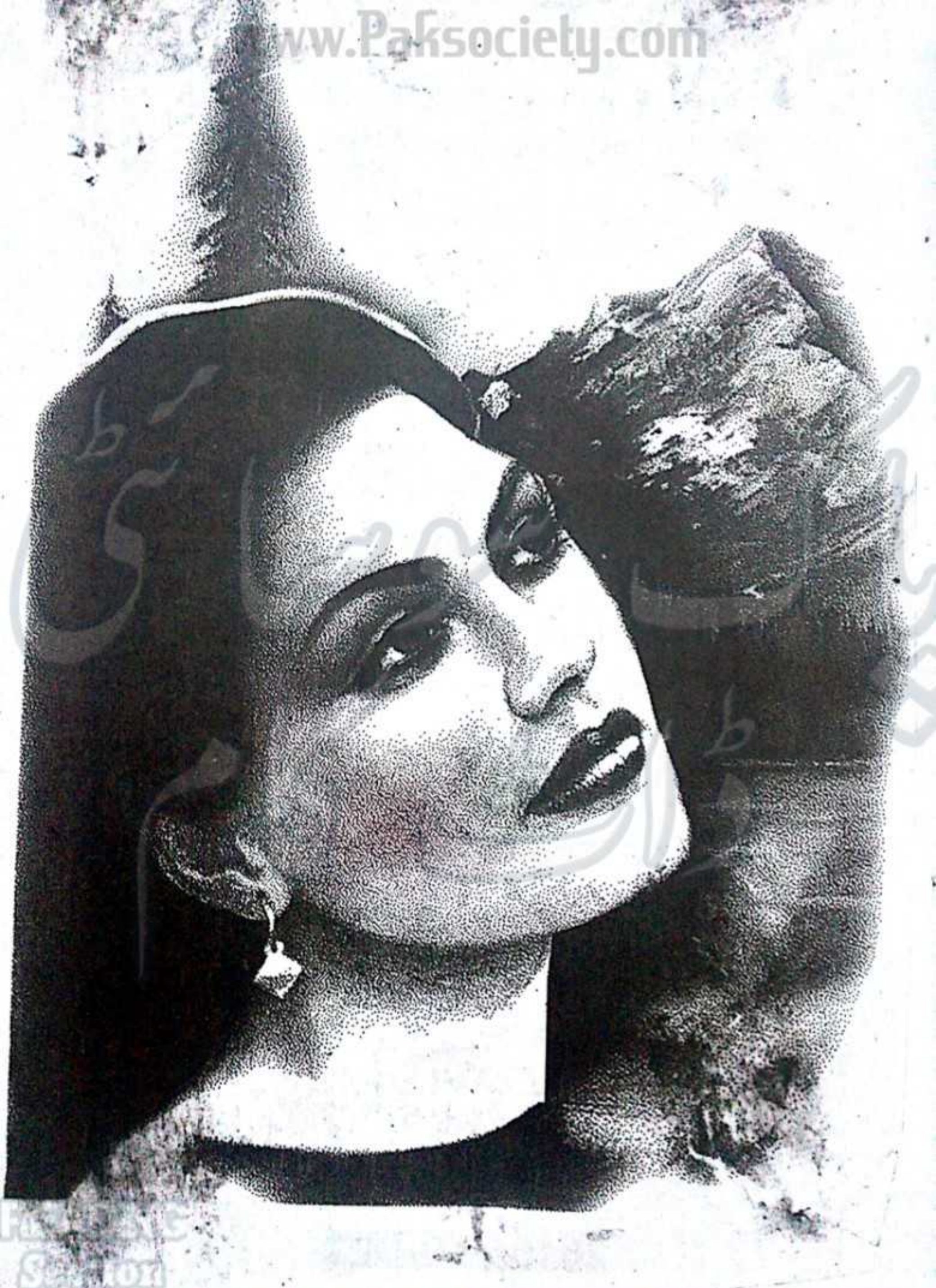
اسامہ کی کھوجتی نگاہوں سے نظر بچاتا وہ کسی اور موضوع کی تلاش میں تھا، لیکن جب کچھ بات نہ بن پڑی تو اس نے اسامہ کا بازو دبوچ کر اٹھاتے ہوئے بے ساختہ کہا تھا۔

''اٹھ جا یار! بارش کا بھروسہ نہیں، میں تجھے روز گل ہوٹل تک چھوڑ آتا ہوں۔'' وہ سر پہ ٹوپا لیتا ہوا گرم شال اٹھا لایا تھا، اسامہ اس بدلاؤ پہ ہیام کو گہری نگاہوں سے دیکھتا اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا، گو کہ مورے نے اسے روکنا چاہا تھا لیکن وہ ہیام کے پیچھے پیچھے ہی باہر آ گیا، وہ ٹارچ تھامے منتظر کھڑا تھا، اسامہ اس کے برابر چلنے لگا۔

''تم واقعی میدان چھوڑ کر بھاگنے والے بھگوڑے ہو۔'' تنہائی پاتے ہی اسامہ نے اسے آڑھے ہاتھوں لیا تھا، ہیام ناک کی سیدھ پہ چلتا رہا، رستہ ناہموار تھا، جگہ جگہ کنکر پڑے تھے، وہ محتاط انداز میں چل رہے تھے۔

''ہیام!'' اسامہ نے اس کا بازو دبوچ کہ بے ساختہ روکا تھا اور ہیام ایک دم رک گیا، پھر ٹارچ کی روشنی اس کے منہ پہ ماری تھی، اسامہ نے جلدی سے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پہ رکھ لیے تھے۔

''بہت بدتمیز ہو۔'' اسامہ نے اسے گھرک کر کہا تھا۔

''یہ بتانے کے لئے روکا تھا؟'' ہیام نے کھلکھلا کر پوچھا تو اسامہ نے اس کے کندھے پہ دھپ لگائی تھی۔

''یہ پوچھنے کے لئے روکا تھا، اندر کیا معاملہ چل رہا تھا؟'' اسامہ نے گہرے لہجے میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ اسے گھیرا تھا، ہیام آنکھیں سکیڑے سوچتا رہا، جیسے کچھ یاد کر رہا تھا، اسامہ اس کی اداکاری پہ تاؤ کھا رہا تھا، اتنی سی دیر میں جیسے جناب سب کچھ بھول آئے تھے۔

''گھر کے اندر؟'' اس نے بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا، اسامہ نے دانت پیس کر جتلایا۔

''تمہارے دل کے اندر؟ کیا معاملہ چل رہا ہے، یہ پوچھ رہا ہوں۔''

''آں...... ہاں۔'' ہیام بری طرح گڑبڑایا۔

''میرے اندر کچھ بدہضمی سی چل رہی ہے، فوڈ پوائزننگ...... روز گل نے بریانی میں کچھ ملا دیا تھا ہے نا؟'' اس نے تکلیف بھرے تاثرات چہرے پہ سجا لئے تھے، اسامہ نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

''میرے ساتھ ''استادی'' کرتے ہو، اب بکو، بولو، مکر کر تو دیکھو۔''

''یار! گردن تو چھوڑ، میرا سانس، ارے میرا گلا۔'' ہیام کی دہائیوں پہ اسامہ نے گرفت ذرا ڈھیلی کر دی تھی، لیکن اس کی گردن کو چھوڑا نہیں تھا۔

''اچھا...... بتاتا ہوں نا،...... پکا۔'' اس نے بالآخر ہتھیار پھینک دیئے تھے، اسامہ فتح مندی سے مسکرایا، ہیام عجیب مصیبت میں پھنس چکا تھا، اب کہے تو کیا کہے، بولے تو کیا بولے؟ اسے تو بات بنانا بھی نہیں آ رہی تھی، پھر دل پہ ہونے والی اس پہلی پہلی ''واردات'' کا ذکر کیسے سنا دیتا؟ حال دل کیسے نشر کرتا؟ وہ بھی اس صورت میں کہ دل پہ واردات کرنے والی اسامہ کی چچازاد بہن

تھی، کیا خبر، اسامہ غیرت میں آ کر اس کا تیا پانچہ کر ڈالتا اور ہیام کو محبت کے نام پہ مرنا منظور نہیں تھا، اس نے تو ابھی جینا تھا، اپنی ماں کے لئے، اپنی بہنوں کے لئے اور نشرہ کے لئے بھی، بشرطیکہ وہ ہیام کو خوش نصیبی سے مل جاتی۔

اب کیسے منہ پھاڑ کر نشرہ کا نام لے دیتا؟ وہ بھی اس صورت میں جب وہ کسی اور کی منگیتر تھی، اسامہ کے اندر کی کیا خبر؟ وہ ہیام پر الزام ہی نہ لگا دیتا۔

''ارے ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے، تو نے دوست کے گھر میں ہی نقب لگا دی؟''

اب سوچنے کی بات تھی، وہ ڈائن تو تھا نہیں، نہ ہی اسامہ کی ایسی نیچر تھی، پھر بھی ہیام کو فطری حیا اور جھجک نے مجبور کر رکھا تھا، وہ کیسے سچ کو اگل دیتا؟ جبکہ اسامہ مجبور بھی بے انتہا کر رہا تھا۔

''اب بکتے ہو یا نہیں؟ یہ یاری تھی تمہاری، اپنے راز میں شریک راز نہیں کر رہے، دیکھنا کبھی تمہیں اس گناہ پہ معاف نہیں کروں گا۔'' اسامہ نے اسے جذباتی بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا، ہیام بری طرح سے جھنجلا گیا تھا، عجیب ہی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا، دل مشورہ دے رہا تھا، یہی مناسب موقع ہے، اپنے دل کا حال عیاں کر دینا چاہیے اور دماغ غیرت دلا کر روک رہا تھا۔

''کہ یہ نامناسب ہے۔''

''اسامہ!'' وہ گھائل سا ہو گیا تھا، پھر ٹھنک کر اس کے کندھے سے آ لگا تھا، رات کی تاریکی تھی، اندھیرا تھا، خاموش ماحول تھا، پربت کی شہزادیاں تھیں، آس پاس ندیاں تھیں، اوپر سے رومینٹک ہوتا ہیام، اسامہ کو تو عزت کے لالے پڑ گئے تھے، ہیام کا رومانس اسامہ کے جھٹکے پہ وہیں کہیں کرلاتا رہ گیا۔

''ابے، عقل کے ناخن لے، مجھ سے چمٹ رہا ہے، میں تیری گم شدہ محبوبہ نہیں ہوں۔'' اسامہ نے چڑ کر اسے احساس دلایا تو ہیام نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

''ایسی کلین شیوڈ میری محبوبہ ہو بھی نہیں سکتی۔''

''تو کیسی ہے تیری محبوبہ؟'' اسامہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا، وہ دونوں وہیں پتھر پہ بیٹھ گئے تھے، شدید ٹھنڈ میں، ایک دوسرے کے آمنے سامنے، پھر ہیام نے ہتھیار پھینک کر تحت یا تختہ کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

''بس کچھ نہ پوچھو، لہسن، ادرک، پیاز کی خوشبو میں رچی بسی ہے، سر جھاڑ منہ پہاڑ، دوپٹہ، اور قمیض اور شلوار اور...... منہ شاید جمعے کے جمعے دھوتی ہو، پوری باورچن ہے، فل دھوبن ہے، بوقت ضرورت درزن بھی ہے۔'' اس نے سر جھکا کر اعتراف جرم کر ہی لیا تھا، اسامہ پہلے تو آنکھیں پھاڑے ہلکی روشنی میں اسے دیکھتا رہا، اس کے چہرے پہ مذاق نہیں تھا، سچائی رقم تھی اور وہ سر جھکا کر بڑا سہما سہما بیٹھا تھا، خوفزدہ سا، ڈرا ڈرا سا، اسامہ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

وہ ہیام کو دیکھ دیکھ کے نہیں تھک رہا تھا، ہیام ایسا ہی تھا، دل لگا کر دیکھنے والا، بڑا ہی خوبصورت اور آن بان والا، پھر اتنا تعلیم یافتہ اور اس کی چوائس ایک باورچن تھی؟ ادرک کی باس میں رچی بسی؟ اسامہ کو حقیقتاً دھچکا لگا تھا، اس نے تو سمجھا تھا، شاید کوئی اس کی ڈاکٹر کولیگ ہو، کوئی کلاس فیلو یا دوست ہو، مگر ہیام کے جواب نے اس بڑا ہی حیران کیا تھا۔

''چلو، تمہاری بہن کی خواہش تو پوری ہوئی، اسے گھر گرہستی والی بھابھی کی خواہش تھی۔''
اسامہ نے بمشکل ہی مسکرا کر کہا تھا، ورنہ اس سے تو مسکرانا بھی دشوار تھا۔
''بس یار! بہنوں کی خواہش پہ خود کو قربان کر دوں گا، ان کا اکلوتا اکلوتا بھائی ہوں، ان کے خوابوں کا احترام مجھ پہ لازم ہے۔'' ہیام نے انکساری کا مظاہرہ کیا تھا۔
''ارے ہاں...... اتنے تم قربان ہونے والے عظیم بکرے۔'' اسامہ نے فوراً طنز کیا تھا۔
''دل ہی ایسی جگہ اٹکایا ہے جسے تمہاری بہنیں ریجیکٹ نہ کریں، ان کی پسندیدہ کوکنگ ایکسپرٹ سے دل لگا کر، بڑے استاد ہو یار! میں نے تمہیں گرو مان لیا۔'' اسامہ اس کی دور اندیشی پہ اش اش کر اٹھا تھا، ہیام عاجزی سے مسکراتا رہا۔
''میں جانتا تھا، میری بہنیں کیسی لڑکی پسند کریں گی، ان کی پسند کو مدنظر رکھا اس تمام معاملے میں۔'' ہیام اب مزید ہی انکشافات کر رہا تھا، اسامہ نے اس کا کندھا دلار سے تھپکا تھا۔
''میں تیرے ساتھ ہوں جان جگر؟ پوری سپورٹ کروں گا، پیچھے نہیں ہٹوں گا۔'' اسامہ نے سینہ ٹھونک کر یقین دلایا تھا، ہیام نے فوراً ہی وعدہ لے لیا۔
''چل کر پھر مردوں والا وعدہ؟'' اس نے ہتھیلی پھیلائی تو اسامہ نے مارے جوش کے اپنا پورا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا، جسے ہیام نے زور سے دبایا۔
''اس وعدے سے نہیں پھرو گے، چاہے کچھ بھی ہو جائے؟'' ہیام اس سے ہر قسم کی یقین دہانی چاہتا تھا، اسامہ نے پورے حق سچ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا تھا، جب پکے وعدے وعہد ہو گئے تو تب اسامہ کو اس لڑکی کے بارے میں پوچھنے کا خیال آیا تھا، جس نے ہیام کی نندیں اڑا لی تھیں، چین چھین لیا تھا، سکون لوٹ لیا تھا، اسامہ کو بالآخر اس لڑکی کا حدود اربع پوچھنے کا خیال آ ہی گیا تھا۔

ہیام نے لاکھ ٹالنا چاہا، صاف مکرنا چاہا، ہزار بہلانا چاہا لیکن اسامہ کی چھری تلے سب کو کچھ اگلنا ہی پڑا تھا، وہ سر جھکا کر رونی صورت بنا کر دھیمی آواز میں کہہ دیا تھا اور اسامہ کو ایک ہزار ایک واٹ کا کرنٹ لگا رہا تھا۔
''یتیم سی ہے، مسکین سی ہے، غریب سی ہے، آدھی بیوقوف، آدھی پاگل۔'' ہیام نے ڈرتے ڈرتے بولنا شروع کیا ہی تھا جب اسامہ نے بیچ میں ہی چیخ کر جملہ اچک لیا۔
''کہاں رہتی ہے؟'' اس نے غرا کر پوچھا تھا، دہاڑ کر جواب طلب کیا تھا، ہیام نے لمحہ بھر کے لئے سوچا، اسامہ کی لال لال آنکھوں میں دیکھا اور ٹارچ سمیت پتھر سے اٹھ کر اپنے گھر کی طرف بھاگتے ہوئے چلا کر جواب دیا تھا۔
''تمہارے گھر میں۔'' وہ سرپٹ بھاگ رہا تھا، وہ ٹارچ لے کر آگے آگے تھا، اسامہ گالیاں بکتا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔
''خبیث، ذلیل، مجھے روز گل کے ہوٹل تو چھوڑ، ابے سالے، رک ٹھہر، مجھے رستہ نہیں معلوم۔'' اسامہ کی دہائیاں پوری وادی میں گونجتی رہ گئی تھیں، وہ اسے عجیب شارٹ کٹ رستے سے لے کر آ رہا تھا، یہ رستہ اسامہ نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور اب تو اندھیرا بھی تھا، کچھ دکھائی نہیں دے

رہا تھا، اور پرستے ہیام کا بھاگ نکلنا، ہیام نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا، بس اتنا رحم کیا کہ ٹارچ پھینک کر چلا گیا۔

اسامہ نے بھاگتے ہوئے ہیام کو دیکھا اور پھر جھک کر ٹارچ اٹھالی تھی، اب وہ سامنے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، اسامہ، ٹارچ کو پکڑ کر اندازے سے ہوٹل کی طرف چلنے لگا۔

''ذلیل! میرے ہاتھ تو آلے، پھر کس نکال دوں گا تیرا، اب بے حیاء دوسروں کی منگیتروں پہ نگاہ رکھتا ہے گدھے، وہ منگنی شدہ ہے، محبت کرنی تھی تو عقل استعمال کر کے کرتا، کوئی چھڑی چھانٹ تجھے نظر نہیں آئی تھی۔'' وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا، جب اسے اپنے برابر کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی، اسامہ نے سمجھا کوئی جنگلی جانور ہے، تبھی وہ کچھ الرٹ ہو گیا تھا، فوراً ٹارچ کا رخ بدلا تو کسی کی جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔

''منگنی شدہ ہے، شادی شدہ تو نہیں اور منگنیاں تو ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔'' وہ اتنی مسکینی سے بول رہا تھا کہ اسامہ کو غصہ آتا آتا رہ گیا، پھر وہ ایک دم ذہنی دباؤ سے باہر آ کے ہنس پڑا تھا۔

''الو کی دم، تو واپس آ گیا؟'' وہ اسے برابر چلتا دیکھ کر بے ساختہ خوش ہو گیا تھا۔

''بیچ رستے میں چھوڑ کر جانے والا نہیں ہوں۔'' ہیام نے سینہ ٹھونک کر کہا تھا، وہ اس کے لہجے کی سچائی پہ چونک گیا تھا اور اس کے لفظوں کی گہرائی پہ ہنس پڑا تھا۔

''وعدہ؟'' اسامہ نے اچانک اس کی طرف رخ موڑ لیا تھا۔

''وعدہ۔'' ہیام نے بڑے مضبوط، مستحکم لہجے میں جیسے یقین دلایا تھا، وہ اس کے چہرے پہ پھیلتی روشنی کو دیکھتا رہا، پھر بے ساختہ سر جھٹک کر بول پڑا۔

''اگر یہ ممکن نہ ہوا تو؟''

''تو کس مرض کی دوا ہے۔'' ہیام نے کندھے اچکائے تھے، اسامہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے ہنس رہا تھا۔

''کیا میں ولید سے بہتر نہیں ہوں؟'' وہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا اور اسامہ اس کا کان کھینچ رہا تھا۔

☆☆☆

اس کے سامنے ڈھیر ساری بالکونیوں سے مزین گھر کھڑا تھا، سفید ماربل سے تعمیر کیا ہوا، کسی زمانے میں سورج کی روشنیوں میں لشکارے مارتا تھا۔

کئی تنگ، پرپیچ سیڑھی نما گلیاں اسی مکان کی طرف آتی تھیں جو ڈھیر ساری بالکونیوں سے سجا تھا، نوکیلی سی مغرور بالکونیوں میں ایک اکھڑے تاثرات والا بچہ کھڑا تھا اور سامنے دور تلک پولو گراؤنڈ پھیلا ہوا تھا اور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آ رہی تھی۔

کسی زمانے میں یہاں کے گھوڑے اور پولو کے کھلاڑی بہت مشہور تھے، یہاں پہ گاؤں چاہے چار گھروں پہ مشتمل ہوتا تھا، پولو گراؤنڈ لازمی ہوتی تھی، پھر زمانہ بدل گیا، باہر کی ہوا آئی، لوگوں نے مشکی گھوڑے بیچ کر ڈیزل کی جیپیں خرید لی تھیں اور پولو کے کھلاڑی پنڈی، کراچی اور لاہور جیسے بڑے شہروں میں افسر بن گئے تھے۔

وہ بھی پولو کا شیدائی تھا، لیکن جب من پسند افسری ملی تو کراچی چلا گیا تھا، وہ رہتا بھی زیادہ کراچی میں ہی تھا، امی کے ساتھ، بہت کم کم بابا اسے یہاں لاتے تھے، پھر بابا کے بعد بھیا اسے لے آتے اور وہ بھی ساتھ ضرور آتا، اسکول سے چھٹیاں ہوتیں اور اس کے دن مزے میں آجاتے تھے۔

گھر میں بس بڑی اماں تھیں، بابا تھے اور بھیا کی بیاری فیملی اسلام آباد یا کسی اور شہر میں؟ اس کے ذہن میں کوئی دھندلا سا عکس بھی نہیں تھا، بھیا کی فیملی کے بارے میں کوئی یاد نہیں تھی، کیونکہ اس نے بھیا کی فیملی کو دیکھا ہی نہیں تھا، جانے بھیا کے کتنے بچے تھے؟ بس ایک دفع بڑی اماں نے جانے کس دھن میں بتایا تھا۔

''میرا بڑا پوتا جہانی سے کچھ ہی چھوٹا ہے، برابر کے لگتے ہیں۔''

بڑی اماں مزاجاً بہت سخت تھیں، مجال تھی جو کوئی ان کی موجودگی میں پر مار جاتا، وہ ان دونوں بھائیوں کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھیں، بڑی اماں اس کی سوتیلی ماں تھیں۔

بہت سال پہلے بابا نے امی سے کراچی میں شادی کر لی تھی اور وہ اپنے بھائی فرخزاد سے پندرہ برس چھوٹا تھا، بھیا کا بڑا بیٹا قریب قریب اس کا ہم عمر تھا، اس کی پیدائش کے چند سال بعد بابا دنیا سے چلے گئے تھے، پھر بڑی اماں اور ان کے بعد اس کی امی، فرخزاد کی جدائی کا غم سہہ نہ سکی تھیں، انہیں ہارٹ اٹیک ہوا اور چل بسیں۔

وہ بہت کم یہاں آتا تھا، گنتی کی باریوں میں، البتہ فرخزاد یہاں سے جاتا ہی نہ تھا، امی فون پہ بڑی بڑی دھمکیاں دیتی تھیں تب کہیں وہ سفر کے لئے تیار ہوتا، اس علاقے سے اسے عشق تھا، پولو اس کا جنون تھا، وہ مر کر بھی اسی علاقے سے نہ گیا، امی کراچی میں دفن تھیں اور فرخزاد یہاں۔

اسی گنہ گار پہاڑی کے پیچھے، ان کی تنہا، اکیلی، ویران قبریں، جس پہ فاتحہ خوانی کا حکم بھی نہیں تھا، نہ کسی کی جرأت تھی اور نہ کوئی ایسی دلیری کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

وہ بھیگی آنکھوں سے پولو کا خالی میدان دیکھ رہا تھا، جس میدان میں کبھی گھوڑے دوڑا کرتے تھے اور ان کے ٹاپوں کی آواز ابھی تک اس کے کانوں میں سنائی دیتی تھی۔

اور اسی گراؤنڈ کے پار سیب اور خوبانی کا سوکھا، مرجھایا، سڑا ہوا باغ تھا، ویران، اجاڑ اور بیابان سا، کبھی اس باغ کی شاخوں پہ پھل لدا ہوتا تھا، اس علاقے میں سب سے مہنگا پھل انہی کا بکتا اور ان کی بیال کے وسیع رقبے میں پھیلی سونا اگلتی زمین، جس پہ دشمنوں کا تسلط تھا، اجارہ داری تھی، قبضہ تھا اور ان کے چلتے ہوئے کولڈ فارخر، شیڈ اور پلانٹ، وہ سوچتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں خون اترتا جا رہا تھا۔

''بہت قرض چکانا ہے، بڑا حساب چکانا ہے، گن گن کے بدلے لوں گا، بوند بوند کا حساب لوں گا۔'' وہ ویران بالکونی کو دیکھتا بیال کی سمت منہ کر کے کھڑا تھا اور کسی بھوکے شیر کی طرح غرا رہا تھا۔

''سردار بنو، آگ لگا دوں گا، تیری اونچی حویلی کو آگ لگا دوں گا، تباہی مچا دوں گا، سرزمین بیال پہ لہو کی ندیاں بہا دوں گا۔'' وہ آگ تھا، سراپا آگ بنا ہوا تھا اور آگ بن کر ہی ہر چیز کو آگ

لگا دینا چاہتا تھا، ہر شے کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا تھا اور یہ اس کا خود سے عہد تھا اور جہاندار اپنے عہد سے پھرا نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆

اور آگ ایک حقیقت تھی، جو محبت کے نام پہ لگتی یا نفرت کے نام پہ، جلا کے راکھ کر دیتی تھی، خاکسار کر دیتی تھی، یہ آگ ہی تھی جو اس کے اندر بھانبھڑ بن رہی تھی۔

یہ محبت تھی بھی یا نہیں، بس نیل بر کو اتنی سمجھ تھی کہ یہ محبت ضد ضرور بن گئی تھی اور ضد دلائی تھی صندیر خان نے، اپنے فیصلوں کو اس پہ مسلط کر کے، اسے بنو محل میں قید کر کے، اسے پربتوں میں محبوس کر کے، یہ ٹھیک نہیں کیا تھا، صندیر خان نے اس کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا تھا اور بالکل بھی ٹھیک نہیں کیا تھا، بنو محل کے داخلی، خارجی دروازے بند تھے، اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی، کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی اور اب تو فون پہ بھی پابندی لگنے والی تھی، حمت نے اسے بتایا تھا، وہ فون کا غیر ضروری استعمال نہ کرے، صندیر خان اس سے فون چھیننے کے پروگرام بنا رہا تھا۔

اسے جو کچھ کرنا تھا، انہی دنوں میں کرنا تھا، اس کا صرف امام سے رابطہ تھا اور امام اب اس کے فون ریسیو نہیں کرتا تھا، اس کا مطلب تھا، اس نے نیل بر کی محبت کو قبول نہیں کیا تھا، اس راہ محبت میں وہ اکیلی ہی تھی، امام کو اس کی محبت منظور نہیں تھی، وہ جس کی خاطر اپنے خاندان سے لڑ رہی تھی وہ کسی بھی موڑ پہ اس کا منتظر نہیں تھا۔

چلو، یہاں تک بھی ٹھیک، ایک مرتبہ وہ ادھر سے نکل جاتی تو واپس مڑ کر بھی نہ دیکھتی، امام تب تو مان ہی جاتا، جب وہ اس کی خاطر اتنا بڑا اسٹینڈ لے رہی تھی تو اسے بھی قدر کرنی چاہیے تھی، اس کی سپورٹ کرنا چاہیے تھا اور اس قید سے نکلوانے میں مدد کرنی چاہیے تھی۔

اور اب نیل بر کے پاس آخری ہی آپشن تھا، وہ کسی طریقے سے گھر کی قید سے نکل جاتی، امام تک پہنچ جاتی اور وہ اسے اسلام آباد پہنچا دیتا، اس دوران وہ شادی بھی کر سکتے تھے، باہمی رضا مندی سے نئی زندگی کی شروعات بھی کر سکتے تھے، تب وہ ایمبیسی سے رابطہ کرتی، وہاں سے پناہ بھی مل سکتی تھی، وہ امریکی نیشنل تھی، وہ امریکہ پہنچ کر امام کو بھی بلوا لیتی، اس بنو خاندان کی پہنچ سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتی، کتنا آسان تھا سب کچھ، پری پلانڈ، اس نے خود ہی تمام فیصلے کر لئے تھے، مقابل فریق کی کیا منشا تھی، اس بارے میں نیل بر کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

تھی نا اسی خاندان کی خود پسند شخصیت، اپنی اجارہ داری، اپنا تسلط اور اپنی حکومت چاہتی تھی اور اس وقت نیل بر نے بہت سوچ کر امام کو میسج لکھا تھا، اس امید تھی جواباً وہ ضرور رسپانس کرے گا، اس نے میسج ہی کچھ ایسا لکھا تھا، وہ کبھی اس میسج کو اگنور نہیں کر سکتا تھا۔

”میری زندگی کو خطرہ ہے، میں بنو محل میں قید ہوں اور ایمبیسی تک میری رسائی نہیں، مجھے اسلام آباد تک پہنچنا ہے، کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟“ نیل بر نے یکے بعد دیگرے ایسے ہی بے شمار میسج سینڈ کیے تھے کچھ دیر بعد اس نے کال کی تو امام نے وصول کر لی تھی، وہ خاصا پریشان تھا اور نیل بر اس سے زیادہ پریشان تھی۔

”میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا نیل بر! آئی ایم سوری۔“ اس نے کال ریسیو اس لئے کی تھی

تا کہ اسے اپنا فیصلہ سنا سکے، نیل بر اس جواب پر ڈھے گئی، ٹوٹ گئی۔

''پلیز امام! تمہیں ایک انسانی جان کے زیاں کا کوئی افسوس نہ ہوگا، یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔'' وہ رو پڑی تھی۔

''تمہارے اپنے ہیں، جو چاہے کریں، میں کون ہوتا ہوں انہیں روکنے والا۔'' امام کی رکھائی کا وہی عالم تھا، نیل بر اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

''تم میں انسانیت نہیں؟'' اس نے گھٹی گھٹی آواز میں چیخ کر کہا تھا۔

''یہاں پہ انسانیت کس میں ہے؟'' امام کا لہجہ تلخی سے پر تھا۔

''میں تمہاری بات کر رہی ہوں اور لوگوں کی نہیں۔'' نیل بر اب بھی رو رہی تھی۔

''میں اور لوگوں سے مختلف کیسے ہو سکتا ہوں؟'' امام کا انداز وہی تھا، سابقہ، تلخی سے پر، روکھا بے جان۔

''پلیز امام! میری مدد کرو۔'' وہ منتوں پہ اتر آئی تھی۔

''مجھے اپنی زندگی عزیز ہے اور میں پرائی آگ میں کیوں کود وں؟'' امام کی برداشت جواب دے گئی تھی، نیل بر کا رواں رواں سلگ اٹھا۔

''میں تمہارے لئے اس عذاب میں پڑی ہوں۔'' وہ کرلائی تھی۔

''میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا۔'' امام اپنی جگہ پہ قائم تھا، اس کا لہجہ سنجیدہ اور لفظوں میں واضح استحکام تھا۔

''پلیز امام! میرے ساتھ ایسا مت کرو۔'' وہ نیل بر نہیں تھی، کوئی بھکارن بن گئی تھی، وہ منتوں پہ اتر آئی تھی، وہ التجائیں کر رہی تھی۔

''اور تم بھی میرے ساتھ ایسا مت کرو، میرے دوستوں میں ببول مت اگاؤ۔'' امام نے سخت انداز میں دوٹوک اسے جواب دے کر فون بند کر دیا تھا جبکہ نیل بر فون پھینک کر اونچی آواز میں رونے لگ گئی تھی۔

پھر وہ نجانے کتنی دیر تک روتی رہی تھی، حمت اس کے لئے کھانا لے کر آئی تو اس نے نیل بر کو بے ہوش پایا تھا، حمت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، اس نے ٹرے رکھی اور پانی اس کے چہرے پہ پھینکنے لگی، کچھ دیر کی محنت کے بعد نیل بر نے آنکھیں کھول لی تھیں، لیکن وہ ہوش میں آتے ہی رونے لگی تھی، حمت کے گلے لگ کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، حمت گھبرا گئی، آخر نیل بر کو کیا ہوا تھا؟ اور ابھی تو حمت اسے صندیر خان کا پیغام بھی دینا چاہتی تھی، لیکن نیل بر کی حالت ایسی نہیں تھی، جو حمت کے انکشاف پہ ایک مرتبہ پھر ہوش سلامت رکھ سکتی۔

نیل بر نے حمت کے مجبور کرنے پہ محض پانی کے دو گھونٹ بھرے تھے اور کھانا کھانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے؟'' اس کا ایک ہی صاف انکار تھا اور حمت کا اصرار، وہ اسے مجبور کر رہی تھی۔

''جب تم میں طاقت نہیں رہے گی تو ان روایتوں سے لڑوں گی کیسے نیل بر، تمہیں انرجی کی

ضرورت ہے، طاقت کی ضرورت ہے۔" وہ پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"صندیر لالہ ٹھیک نہیں کر رہا، میں یہاں سے نکل گئی نا حمت تو دیکھنا سب کو سلاخوں کے پیچھے کروا دوں گی، انہوں نے مجھے حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔" وہ زہریلے لہجے میں کہہ رہی تھی، حمت نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"تم یہاں سے کبھی نکل نہیں پاؤ گی نیل بر! ہم نے سمجھا تھا، تم ہم سب سے مختلف ہو، مجھ سے، سبا خانہ سے اور اس بد نصیب ودھا سے، لیکن ایسا نہیں نا، تم بھی ہمارے جیسی ہو، پابندیوں میں جکڑی ہوئی، ایک قیدی۔" حمت کی آنکھیں بھر بھرا ئیں۔

"میں تم سب جیسی نہیں ہوں، دیکھ لینا حمت، میں تمہاری ان روایتوں سے ٹکرا جاؤں گی، میں پاش پاش ہو جاؤں گی لیکن جھکوں گی نہیں۔" نیل بر کی سرخ سوجی آنکھوں میں ایک عزم تھا، حمت نے ٹھنڈی آہ سی بھری۔

"کبھی کبھی ایک بات بہت شدت سے سوچتی ہوں۔" بہت دیر کی خاموشی کے بعد کہا تھا، نیل بر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا؟"

"یہی کہ تم آزاد فضاؤں کی باسی، خود مختار ریاستوں کی پیداوار، ان پربتوں میں کیا لینے آ گئی تھی؟" حمت کے سوال پہ نیل بر کے لبوں پہ زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں یہاں کبھی نہ آتی، مجھے بابا کے آنسو کھینچ لائے تھے۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔

"اور وہی بابا اب مجبور ہو جائیں گے، تمہیں سولی پر چڑھا دیں گے۔" حمت کی آواز بھیگ گئی۔

"میں ودھا نہیں ہوں حمت!" نیل بر کا انداز اسے حوصلہ دینے والا تھا، حمت نے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"اللہ نہ کرے کہ تم ودھا بنو۔" اس نے دل سے دعا کی تھی۔

"اور خدا نہ کرے، کوئی پرانی کہانی دہرائی جائے، خدا نہ کرے، ہٹو محل پہ کوئی ایسی رات پھر سے آئے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ٹرے میں پلیٹیں واپس رکھنے لگی، اب وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی، اب وہ نیچے آ رہی تھی؟ اب وہ کچن میں جا رہی تھی، ابھی اس نے ٹرے سلیب پہ رکھی ہی تھی جب بی جاناں کا بلاوا آ گیا تھا، حمت کچھ پریشان ہو گئی، بی جاناں نے اس وقت کیوں بلایا تھا؟ وہ اندر آئی، ان کے کمرے کی طرف تو وہ اٹھ کر کہیں اور جانے کے لئے کھڑی تھیں، اسے دیکھ کر نخوت سے بولیں۔

"نیل بر کھانا کھایا؟"

"نہیں۔" اس نے تابعداری سے جواب دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں، خود بخود کھا لے گی، آخر کب تک انکاری ہو گی، اس کے سارے بل نکل جائیں گے، فیصلہ ہو گا اور ابھی کے ابھی ہو گا۔" وہ اپنے نخوت بھرے لہجے میں کہتی پہلے سے بڑھ

کر جلا دلگ رہی تھیں، حمت ان کے پتھریلے تاثرات دیکھتی رہ گئی تھی، وہاں پہ نرمی کے کوئی آثار نہیں تھے، وہ نیل براور حمت کے لئے ایک جیسے جذبات رکھتی تھیں، سرد اور برفیلے۔

☆☆☆

وہ زیر تعمیر پل کا معائنہ کر کے واپس آیا تو راستے میں ہی شانزے کی کال آگئی تھی، اس وقت موسم بھی خراب تھا، کالی گھٹاؤں کے پیچھے بادل چمک رہے تھے، کچھ ہی دیر میں بوندیں بھی گرنے لگیں۔

وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن شانزے کی کال ڈسکنکٹ نہ کر سکا، گو کہ رستہ خطرناک تھا، پھر بھی اس نے محتاط انداز میں کال ریسیو کر لی تھی۔

''کیا حال ہے امام! تم تو فون پہ بھی دستیاب نہیں، بہت مصروف ہو چکے تم، اب تو اپائنٹمنٹ لینا پڑے گی۔'' شانزے نے چھوٹتے ہی طنز کیا تھا، امام گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''بس یار! کام ہی بہت ہے۔'' اس نے وہی پرانا رونا رو دیا تھا۔

''کام تو تمہارا ختم ہی نہیں ہوتا، کچھ گھر کی بھی خبر لو۔'' شانزے نے اسے احساس دلایا تو وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔

''گھر کو کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا؟'' وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔

''کومے کی طبیعت ٹھیک نہیں، بہت مس کر رہی ہے تمہیں۔'' شانزے نے بتایا تھا، امام متفکر سا ہو گیا۔

''کیا ہوا اسے، ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا۔'' اس نے بے قراری سے کہا تھا۔

''کچھ بھی نہیں، بس تمہیں مس کر رہی ہے، کہتی ہے بھائی سے کہو، اپنی ٹرانسفر کروا لے، اسے برے برے خواب آتے ہیں۔'' شانزے نے کومے کا پیغام من وعن پہنچا دیا تھا، وہ پہلے تو حیران ہوا پھر سر جھٹک کر رہ گیا۔

''اسے کہو، وہموں میں نہ پڑے، یہ خواب وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔'' امام کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''اسے تو سمجھا دوں گی، لیکن امام! تم واقعی اس علاقے سے واپس کیوں نہیں آ جاتے۔'' شانزے نے بھی نہ چاہتے ہوئے کہہ دیا تھا، اس کا اپنا دل بھی وہموں میں گھرا ہوا تھا۔

''کیوں؟ اب تمہیں کیا ہوا؟'' وہ تھوڑا چڑا تھا، ایک ہی پرانی رٹ تھی۔

''کومے ٹھیک ہی کہتی ہے، تم واپس آ جاؤ امام۔'' اس کے لہجے میں ملائمت تھی، نرمی تھی اور اصرار بھی تھا، امام کو اپنا انداز بدلنا ہی پڑا۔

''کس چیز سے خوف کھا کر آ جاؤں؟'' امام نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میں نے سنا ہے وہاں کے لوگ اچھے نہیں ہیں۔'' شانزے نے اپنا وہم بتایا تھا، پلوشہ انہیں دیامر کے بارے میں بہت کچھ بتاتی تھیں، شاید تب سے ہی کومے ڈسٹرب تھی اور شاید پلوشہ نے ہی کومے سے کہا تھا وہ امام کو مجبور کر کے واپس بلا لے، کیونکہ امام کسی اور کی مانتا تھا یا نہیں، کومے کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔

''لوگ تو کہیں بھی نہیں اچھے ہوتے شانزے! انسان کو خود اپنا آپ اچھا رکھنا پڑتا ہے۔'' امام نے ملائمت سے اسے سمجھایا تھا۔

''پھپھو بتا رہی تھیں، وہاں عجیب سے سردار ٹائپ لوگ ہیں، ان سے تمہارے پھڈے نہ ہو جائیں امام بہتر نہیں کہ تم واپس ہی آ جاؤ۔'' شانزے کی وہی ایک ضد تھی، یہی ضد کومے کی تھی اور یہی پلوشہ کی، وہ اتنے لوگوں کی بات نہیں مان رہا تھا، کیونکہ اسے خود پر بھروسہ تھا، وہ جانتا تھا، جب وہ کسی کے معاملات میں انٹرفیر نہیں کرے گا تو کوئی دوسرا اسے کیوں ڈسٹرب کرے گا، وہ اپنی مدت پوری کرنے سے پہلے کبھی بھی واپس جانے کے حق میں نہیں تھا، وہ سختیوں سے گھبراتا نہیں تھا، بلکہ مقابلہ کرتا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں شانزے! تم ان کو سمجھایا کرو، میرے کام میں کوئی بھی مداخلت نہیں کرتا۔'' اس نے محتاط انداز میں ایک اور موڑ کاٹا تو آگے سڑک بلاک تھی، سڑک پہ درخت گرے تھے، وہ جھلا کر جیپ کو ٹرن کرنے لگا، اب اسے متبادل راستے سے اپنے بنگلے پہ جانا تھا۔

''او کے شانزے! ابھی میں کال بند کرتا ہوں، گھر جا کر کومے سے بات کروں گا۔'' اس نے عجلت میں فون بند کر دیا اور دوسرے رستے سے بنگلے تک پہنچنے کا سدباب کرنے لگا، ایک مقامی بندے سے رستہ پوچھ کر اس نے جیپ اسی رستے پہ ڈال دی تھی، گو کہ یہ راستہ انجان تھا، لیکن وہ اندازے سے جیپ کو دوڑاتا جا رہا تھا، قریب ایک گھنٹے بعد اس کی جیپ پتھریلے کنکروں سے بنے ایک چھوٹے پہاڑ کی چڑھائی پہ آ کر رک گئی تھی، امام کا مارے جھلاہٹ کے برا حال تھا، وہ جیپ سے نیچے اتر آیا، ذرا جھک کر ٹائروں کا معائنہ کیا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا، جیپ کا ٹائر پنکچر تھا۔

''اف، اب کیا کروں؟'' اس کا کوفت کے مارے برا حال تھا، آج ڈرائیور بھی ساتھ نہیں تھا، امام کا موڈ آف ہو گیا، پھر کافی دیر اِدھر اُدھر کچھ تلاشنے کے بعد وہ پیدل ہی چل پڑا تھا، ڈرائیور کو اس نے فون کر دیا تھا تاکہ جیپ کو آ کر دیکھ لے، خود وہ پیدل ہی چل رہا تھا۔

کچھ آگے پہنچ کر اسے خوبصورت ہٹ دکھائی دیا تھا، بڑا آرٹسٹک مائنڈ بندہ تھا جس کی یہ ملکیت تھا، اس کی ستائش بھری آنکھیں کچھ ہی دیر میں تعجب سے بھر گئی تھیں، تھوڑے ہی فاصلے پہ شاہوار بٹ کھڑا تھا، اپنے ملازم کو کچھ ہدایت دیتا ہوا، امام پہ نگاہ پڑی تو وہ حیران سا ہوا، پھر اس کے چہرے پہ حیرانی کی جگہ اجنبیت نے لے لی تھی، امام جو اسے دیکھ کر پہچانتے ہوئے آگے بڑھا تھا، تھوڑا ربز رو سا ہو گیا تھا، تاہم اس نے آگے بڑھ جانا مناسب نہیں سمجھا تھا، یہ بداخلاقی امام سے نہیں ہو سکتی تھی، پھر شاہوار تو اس کا محسن بھی تھا اور امام احسان بھولنے والوں میں سے نہیں ہو سکتا تھا، اس نے نہایت اخلاق سے سلام کیا تو شاہوار چونک گیا۔

''کیا حال ہے؟ دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی، میں بھی کچھ مصروف تھا۔'' امام نے خوش دلی سے کہا تو شاہوار کو بھی لامحالہ اپنے تاثرات نرم کرنے پڑے تھے۔

''بس میں بھی کچھ مصروف تھا اور تم سناؤ واپسی کب ہے؟'' شاہوار نے بڑی کوشش کے ساتھ اپنی ناگواریت کا گلا گھونٹتے ہوئے پوچھا تھا، امام کو دیکھ کر اس کی جدی پشتی غیرت نے کروٹ ضرور لی تھی اور اس نے بڑی مشکل سے اپنے اشتعال پر بندھ باندھا تھا، پھر اچانک ہی وہ

غور سے امام کو دیکھنے لگا۔
اس کے چہرے پہ نرمی تھی، شفافیت تھی، شرافت تھی، یہ چہرہ کسی ... تھا، وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگا، اس کی کھوج میں سراسر ناکامی تھی، امام ایسا نہیں لگ رہا تھا، جو اسے صندیر بتاتا تھا، یا جس طرح نیل بر نے امام سے اپنے تعلق کو ظاہر کیا تھا وہ تو سرے سے انجان ہی لگتا تھا اور کیا اسے نہیں خبر کہ نیل بر بتو اس کی چچازاد بہن ہے؟
شاہوار کی آنکھوں میں سوچ کی لہریں تھیں اور وہ بالآخر اپنے خیالات کو جھٹک کر آہستگی سے بولا تھا۔
"کیا اندر نہیں آؤ گے؟" اس نے اپنے خیالات کے برعکس کہا تھا اور اگر صندیر خان کو پتا چل جاتا؟ شاہوار نے جھرجھری سی لی تھی۔
امام نے اخلاقاً انکار کر دیا، اسے بنگلے پہ پہنچنے کی جلدی تھی، وہ خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا جبکہ شاہوار اسے دور تلک جاتا ہوا دیکھتا رہا، اس کی چال میں مضبوطی تھی اور شخصیت میں ایک الگ سی بے نیازی، وہ ان کے بتو محل میں نقب لگانے کے الزام سے سراسر بری لگتا تھا، لیکن اس بات کو صندیر خان سمجھتا تو تب نا؟

☆☆☆

باہر وادی بھیگ رہی تھی، چھاجوں چھاج مینہ برس رہا تھا، موسم میں شدت آ رہی تھی، اب تو ہوا میں بھی غصہ تھا، درخت شدت سے جھول رہے تھے، امام نے ساری کھڑکیوں کے پٹ بند کر دیئے، پھر اس نے اپنے لئے کافی بنائی تھی، کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے گھر کومے سے فون پہ بات کر رہا تھا اور کومے اس قدر شدت سے رو رہی تھی، کہ امام کو اسے چپ کرواتے کرواتے کافی سے ہاتھ دھونا پڑے تھے، کافی بدمزہ اور ٹھنڈی ہو چکی تھی، لیکن کومے کے آنسو نہیں رک رہے تھے، امام بری طرح سے گھبرا گیا تھا۔
"کومے! آخر کیا ہوا ہے؟ یہ کوئی بات ہے رونے والی۔" امام کو بالآخر اسے ڈپٹنا ہی پڑا تھا۔
"جب کچھ ہو جائے گا، پھر روؤں گی کیا؟" وہ سوں سوں کرتی نڈھال ہو رہی تھی، امام کو اپنا لہجہ بدلنا پڑا۔
"کچھ نہیں ہوگا، وہم ہے تمہارا اور میں جانتا ہوں، شانزے تمہیں مجبور کرتی ہے۔" کومے اس الزام پہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔
"بھائی! دماغ ٹھیک تو ہے، وہ کیوں مجھے کہے گی، میں تو اتنے برے خواب دیکھ رہی ہوں آج کل۔" اس نے بھرائی آواز میں شانزے کی صفائی بھی پیش کی تھی۔
"اور میں تمہارے خوابوں سے تنگ آچکا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا تھا، کومے چپ سی کر گئی تھی، شاید ناراض ہو گئی تھی، امام نے اس وقت کچھ نہیں کہا، اس نے سوچا تھا، وہ بعد میں اسے منا لے گا، کیونکہ اسی وقت گھر کے نمبر پہ کال آنے لگی تھی، امام نے فون بند کیا اور لینڈ لائن نمبر چیک کرنے لگا، نمبر انجانا نہیں تھا، اس نے گہرا سانس بھر لیا تھا، کیا وہ کال ریسیو کرے یا نہیں؟ وہ تذبذب میں ڈوب گیا تھا، اگر کال ریسیو نہ کرتا تو وہ رات بھر فون ہاتھ میں لئے بیٹھی رہتی؟

نیل بر بنو اب اس کے لئے عذاب بن رہی تھی اور کیا یہ اس کے لئے خطرہ نہیں تھا؟ وہی خطرہ جس کی آہٹیں کومے محسوس کر رہی تھی؟ امام لمحہ بھر کے لئے متوحش ہو گیا تھا، پھر اس نے بالآخر فون اٹھا ہی لیا، دوسری طرف نیل بر نے جیسے سکھ کا سانس لیا تھا۔

''امام! تم سن رہے ہو؟ پلیز میری مدد کرو، مجھے یہاں سے نکالو، میں اسلام آباد جانا چاہتی ہوں، ایمبیسی میں کمپلین کروں گی، یہ لالا لوگ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔'' نیل بر نے ایک ہی سانس میں روتے ہوئے دہائی دی تھی، امام چپ چاپ سنتا رہا، کچھ بولا نہیں، جب وہ خاموش ہو گئی تب امام نے بہت نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''اگر لالہ لوگ تمہارے ساتھ اچھا نہیں کر رہے تو کیا تم بہت اچھا میرے ساتھ کر رہی ہو؟ مجھے مشکلات میں گھیر کر، اب تو میرے گھر والے بھی میرے حوالے سے برے برے خواب دیکھ رہے ہیں۔'' اس کے لہجے میں ملائمت بھی تھی اور بے بسی بھی تھی، نیل بر دوسری طرف رونے لگی۔

''تم تو مرد ہو، اسٹینڈ لے سکتے ہو، مجھے مجبور کر دیا گیا ہے۔'' وہ اسے اپنی مشکلات بتا رہی تھی، امام نے چند پل سوچنے میں وقت گزار دیا تھا، پھر وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا تھا۔

''کس بنیاد پہ میں اسٹینڈ لوں؟ اور خود کو تباہی کے دہانے پہ لے جاؤں؟ بتاؤ نیل بر، محبت تمہیں ہے مجھ سے، مجھے تم سے نہیں۔'' اس کے لفظ لفظ میں تلخی رچی بسی تھی۔

''لیکن یہاں سب لوگ یہ بات نہیں سمجھتے، یہ لوگ تمہیں الزام دیتے ہیں۔'' نیل بر نے دبی آواز میں بتایا تھا، امام نے اس اذیت کو بڑی مشکل سے خود پہ سہا تھا، یہ بہتان اس پہ آنا ہی تھا، وہ گنہ گار ہوتا یا نہ ہوتا، نیل بر اسے اس دوراہے پہ لے ہی آئی تھی۔

''یہی نا کہ میں نے تمہیں ورغلایا ہے، بنو خاندان کی لڑکی کو؟ سنو نیل بر! آج شاہوار خان سے میری ملاقات ہوئی تھی اور اس کی نگاہیں مجھے شرمسار کر رہی تھیں، تم میری برسوں کی بنائی عزت کو اپنے دیامر میں پاش پاش کر دینا چاہتی ہو۔'' وہ جیسے پھٹ پڑا تھا، اس کا سارا ضبط تحلیل ہو چکا تھا، یہ ذلت امام کے لئے بہت بڑی قیامت تھی اور ابھی تو بہت سی قیامتیں باقی تھیں۔

''یہی تمہیں سمجھاتی ہوں، یہ جگہ تمہارے لئے نہیں ہے، ہم بہت دور نکل جائیں گے امام؟'' وہ آس و نراس میں ڈول رہی تھی اور اسے ان راہوں پہ گھسیٹ گھسیٹ کر لانا چاہتی تھی، جن راہوں پہ کانٹے اُگے تھے اور کانچ بکھرے پڑے تھے۔

''میں پورا خاندان رکھتا ہوں نیل بر! اور اپنے خاندان کو کسی وقتی خوشی یا لذت کی خاطر برزخ میں نہیں دھکیل سکتا، یہ میرا آخری فون سمجھ لو، جس میں تم سے کلام کیا ہے، اگر اب تمہاری کال آئی تو میں یہ سب ریکارڈ کالز صندیر خان تک پہنچا دوں گا، پھر آگے نتائج کی ذمہ دار تم ہو گی۔'' امام نے برہمی سے اسے شدت کے ساتھ دھمکایا تھا اور فون بند کر دیا، دوسری طرف نیل بر کی کیا حالت تھی، وہ اس بات سے انجان تھا اور انجان ہی رہنا چاہتا تھا۔

اسے یہ خبر نہیں تھی، وہ جس آگ سے دامن بچا رہا تھا، وہی آگ اسے زبردستی اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بے قرار تھی۔

☆☆☆

اس رات شدت کا طوفان تھا، پوری وادی آندھی کی زد میں تھی اور باہر اولے گر رہے تھے، پہاڑوں سے برف کے تودے گرتے تھے اور درخت جڑوں سے اکھڑتے تھے، بہت غضب کا طوفان تھا، ایک باہر ایک اندر۔

اس رات نیل بر کے ستارے گردش میں تھے، کیونکہ صندیر خان نے اس کا پاسپورٹ ضبط کر لیا تھا، اس کے پاس کوئی نقدی نہیں تھی، زیور کے نام پہ ایک انگوٹھی تھی اور صرف پاسپورٹ نہیں چھینا تھا، بلکہ موبائل بھی چھین لیا تھا، نیل بر کے ہزار رونے چلانے اور واویلا کرنے پر صندیر خان نے اسے دھمکی دی تھی اور باہر نکل گیا تھا، نیچے بی جاناں چلا رہی تھیں۔

''کہا تھا فرنگن کی اولاد کو مت لاؤ یہاں، ہمارے پرکھوں کی عزت کو داغ لگوا دیا، اوئی ماں، اس لڑکی کے عشق نے ہمیں نچوا دیا، میں کہتی ہوں، اسے تہہ خانے میں ڈالو، اسے کاٹ ڈالو، اسے گولی سے اڑا ڈالو، پورے علاقے میں تھو تھو ہماری ہوگی، جرگہ بیٹھ گیا تب بھی تو اس کا قصہ تمام کرنا ہے نا۔'' وہ اونچی آواز میں غرا رہی تھیں یوں کہ بنو محل کے در و دیوار ہل رہے تھے، پری گل اور حمت خوف سے تھرتھرا رہی تھیں، انہیں تو ابھی ودھا کا خون میں لت پت سراپا نہیں بھولا تھا، اب ایک اور ودھا کا قتل عام کیا جانا تھا؟ وہ خوف کے مارے کمروں میں گھس گئی تھیں، صدا کی بے نیاز سبا خانہ بھی بھیگی بلی بنی کانپ رہی تھی، بنو محل کے مردوں کو جلال آیا ہوا تھا۔

''میں چاہوں تو جرگہ بلالوں اور ابھی کے ابھی اس کا فیصلہ کروا دوں، اسے زندہ زمین میں گاڑھ دوں۔'' صندیر خان کی آنکھوں میں خوف اترا ہوا تھا۔

''اور اگر چاہوں تو گلا گھونٹ کر زمین کے اندر سیدھا دفن کر دوں، لیکن یہ میرا رحم ہے بابا، کہ میں آپ جیسا ظالم نہیں ہوں، سردار تو آپ بھی تھے اور سردار تو میں بھی ہوں۔'' وہ بھوکے شیر کی طرح چنگاڑ رہا تھا، نیچے ایک عدالت لگی ہوئی تھی اور ابھی کے ابھی فیصلے اور حکم کا وقت آنا تھا، نیل بر کو دار پہ چڑھانا تھا۔

اب وقت کا سردار صندیر خان تھا، کبیر خان نہیں تھا، اب وقت بدل گیا تھا، پنچائیت نے سرداری صندیر خان کو دے دی تھی، کبیر خان رٹیائرڈ تھے، بے اختیار تھے، سارے اختیار صندیر خان کے پاس تھے اور اب حکم دینے والا بھی صندیر خان تھا اور حکم سنانے والا بھی صندیر خان تھا۔

''میں چاہوں تو اپنے علاقے کی روایات پہ عمل کرتا ابھی اسی وقت اسے قتل کر دوں، لیکن میں اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا، بابا میں آپ کی طرح بے رحم نہیں ہوں، سنگ دل ضرور ہوں پر آپ جتنا سنگدل بھی نہیں ہوں، تو میں نے فیصلہ کیا ہے، اسے اپنے خاندان کو ذلت کی اتھاہ میں گرانے کے جرم میں قتل نہیں کرتا، بلکہ اسے اپنے گھر، خاندان اور علاقے سے ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیتا ہوں، میں اس کا نکاح کرتا ہوں، بشرطیکہ کوئی اس سے نکاح پہ راضی ہو گیا تو، آپ کے پاس دو دن کی مہلت ہے، کوئی متبادل حل ہے تو سامنے لے آئیں، ورنہ نیل بر کو اس گھر سے رخصت کرنے کی تیاریاں کریں، اب یہ آپ پہ منحصر ہے، اسے لال جوڑے میں بھیجتے ہیں یا سفید جوڑے میں۔'' صندیر خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور خوف سے زرد پڑتی تھر تھر کانپتی حمت، پری گل، اور سبا خانہ کی جان میں جان آ گئی تھی، انہیں یقین نہیں آتا تھا، وقت کا کوئی حاکم

اتنا رحم دل بھی ہو سکتا ہے؟ آج صندیر خان نے ایک نئی تاریخ رقم کر دی تھی۔
بی جاناں حیرت سے پاگل ہو گئیں اور کبیر خان بنو کی بوڑھی آنکھوں میں ممنونیت کے رنگ اتر آئے، سارے اصول، سارے رواج، سارے قواعد ایک طرف تھے اور نیل بر سے محبت ایک طرف تھی، وہ اسے قربان گاہ پہ چڑھانے کے لئے بھی تیار تھے، وہ اسے گھر سے ہمیشہ رخصت کر دینے کے لئے بھی تیار تھے، یہ قیمت اس کی زندگی سے بڑی نہیں تھی، کم از کم نیل بر زندہ تو رہتی، انہیں ملتی یا نہ ملتی، انہوں نے تشکر بھری نگاہوں سے صندیر خان کو دیکھا تھا، جو ان کی طرف متوجہ نہیں تھا، وہ بی جاناں کی طرف متوجہ تھا، جو اس فیصلے پہ خوش نہیں تھیں۔
''انصاف یہ نہیں صندیر خان!'' ان کی تلملاہٹ لبوں کو چیر رہی تھی، ان کا غصہ سر چڑھ کر بول رہے تھا، ان کا غیض گرم شعلوں کی طرح ابل رہا تھا۔
''انصاف وہ بھی نہیں تھا کبیر خان!'' وہ بیک وقت اپنے بیٹے اور پوتے سے مخاطب تھیں۔
''تم چاہتے تو انصاف کرتے، اگر جرم برابر ہو تو سزا بھی برابر ہوتی ہے صندیر خان، اگر ودھا کو قتل کیا تھا تو نیل بر کو کیوں بچا لیا، جواب دو صندیر خان۔'' ان کی دماغی رو بہک گئی تھی اور اشتعال جیسے کنٹرول سے باہر تھا، نہ انہیں ودھا سے انسیت تھی اور نہ ہی نیل بر سے، وہ تو بس اس رحم کی وجہ جاننا چاہتی تھیں۔
''ودھا کی دفعہ میں انصاف کرنے والا نہیں تھا بی جاناں! میں ہوتا تو ایسا ہی انصاف کرتا، اس سوال کا جواب آپ خان بابا سے لیں، یہ جواب تو خان بابا پہ قرض کی طرح چڑھا ہے، میرا انصاف ودھا کے لئے بھی یہی ہوتا۔'' صندیر خان کی لہو رنگ آنکھوں میں اب بھی لالی پھیلی ہوئی تھی اور اس کی سنہری رنگت ابھی بھی تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔
''تو پھر پرانی روایت کو دہرا کیوں نہیں رہے؟ اگر ودھا نہیں تو پھر نیل بر بھی نہیں۔'' بنو محل کی دیواریں چلانے لگی تھیں اور پوری وادی بین کر رہی تھی۔
''اگر ودھا نہیں تو پھر نیل بر بھی نہیں، انصاف دانو، انصاف تو اچھا کیا کرو، منصفو ایسے انصاف پہ اللہ تمہیں گردنوں کے بل جہنم میں ڈالے گا اور تم منہ کے بل دوزخ میں گرو گے۔'' بنو محل کی اونچائیاں آہ و فغاں کر رہی تھیں اور اندر ابھی تک ایک قیامت کا سماں تھا، ہر کوئی چپ تھا، خاموش تھا، اندر سے باہر سے الجھا، پریشان، غم زدہ اور متفکر تھا، صندیر خان اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا، جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔
''مجھے ایک موقع اور دیا جاتا اور میرے سامنے ودھا اور فرخزاد کو لایا جاتا، میں تب بھی ایسا ہی انصاف کرتا۔'' وہ خود سے کہہ رہا تھا، لیکن اس کی زبان ان الفاظ کو ادا کرنے سے قاصر تھی۔
''میں ودھا کی جان بخش دیتا اور اسے اپنے خاندان سے بے دخل کر دیتا۔'' اس نے اپنی سوچ سے برعکس الفاظ کہے تھے۔
''تب کبیر بنو تھا، اب صندیر بنو ہے۔'' وہ چلتا ہوا بی جاناں کے قریب آ گیا تھا، پھر اس نے بی جاناں کے کندھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ لئے تھے۔
''بہت سوچا ہے بی جاناں! بڑا ہی سوچا ہے، بڑا ہی غور کیا ہے، ہر انتہا پہ آیا ہوں، ہر انجام کو

سوچا ہے، پھر بھی یہ نہیں کر سکا، نیل بر کو ودھا کی طرح قتل نہیں کر سکا، کوئی بے بسی سی بے بسی ہے، اس عذاب کو آپ نہیں سمجھیں گی، جس عذاب کو خان بابا سمجھ رہے ہیں، ان کے سامنے اب بھی ودھا ہی کھڑی ہے، نیل بر کی جگہ آج بھی ودھا کھڑی ہے اور میرے سامنے میری آنے والی ودھا کھڑی ہے، میں نے سوچ لیا ہے، ہماری نسل میں کوئی بیٹی نہیں ہوگی، اگر ہوئی تو ماں کے پیٹ میں ہی ختم ہوگی، ہمیں ایسی بیٹیاں نہیں چاہیے، جو اونچے شملے والوں اور اونچی دستار والوں کو رسوائیوں سے غبار آلود کر دیں، ہمیں ایسی بیٹیاں نہیں چاہیے، جن کی منہ زور محبتیں ہمیں خاکسار کر دیں، آج نیل بر کو رخصت کریں، پھر حمت اور سبا خانہ کو، بنو محل میں اب کسی بیٹی کا وجود نہیں ہو گا۔'' صندیر خان ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا، بول بول کر انہیں پتھر کر رہا تھا، ہر کوئی ششدر تھا، ہر کوئی حیران تھا، صندیر خان کے اندر یہ تبدیلی کیسے ہوئی؟ کوئی نہیں جانتا تھا، یہ تبدیلی کیسے ہوئی تھی؟

جہاندار سن رہا تھا، شاہوار سن رہا تھا، وہ سننے کے لئے ہی کھڑے تھے، ابھی آدھا فیصلہ سنایا گیا تھا، ابھی آدھا فیصلہ سننا باقی تھا، ہر کوئی صندیر خان کو دیکھ رہا تھا، ہر کسی کی نگاہ میں صندیر خان کا سراپا تھا، وہی بارعب، پر جلال سا سراپا، وہی دبنگ انداز، وہی دوٹوک گفتگو اور فیصلوں کے انداز، جہاندار اسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، وہ بی جاناں سے ہٹ کر اب کبیر خان کے پاس کھڑا تھا، انہیں نگاہوں میں تولتا ہوا اور ان کی بے بسی پہ رحم کھاتا ہوا۔

''اور وقت ہر فرعون کے ساتھ یہی انجام کرتا ہے۔'' جہاندار کی پتلیوں میں ارتعاش ہوا، اب وہ صندیر خان کو بولتا ہوا سن رہا تھا۔

''خان بابا! یہ پوری اسٹیٹ ہماری وارثت میں ہے اور ہم دونوں بھائی اس وارثت کے اصل مالک و مختار ہیں، آپ ہمارے ساتھ برابر کے حصے دار تھے، اپنی زندگی تک حصہ دار رہیں گے، آپ کے بعد نیل بر آپ کی اکلوتی اولاد ہونے کے باعث اس جائیداد کی وارث نہیں رہے گی، یہ اس کی زندگی کا مول ہے، یہ اس کی زندگی کی قیمت ہے، کوئی ایرا غیرا ہماری اسٹیٹ کا مالک و مختار نہیں بن سکتا، ہرگز نہیں اور نیل بر کو اس گھر سے خالی ہاتھ جانا پڑے گا، وہ ہماری جائیداد میں برابر کی شراکت دار نہیں رہے گی، بولیں منظور ہے؟'' وہ کسی شیر کی طرح غرا رہا تھا، دھیمی آواز میں، وہ خان بابا کے پیروں تلے سے زمین کے ننھے ننھے ٹکرے بھی نکال رہا تھا، سرداری ان کے ہاتھ سے چلی گئی تھی اور اب خود مختاری بھی جانے والی تھی، جہاندار نے ایک پرسکون سا سانس سینے کی قید سے آزاد کیا تھا۔

''مجھے منظور ہے صندیر خان! لیکن ایک بات کو مت بھولو، میں بے اولاد نہیں ہوں، میرا اس دنیا میں ایک بیٹا بھی موجود ہے۔'' سردار کبیر بنو نے دھیمی بارعب اور سنجیدہ آواز میں صندیر خان پہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اکیلے ہی بادشاہی اور حکومت کے خواب کو دیکھنا ترک کر دے، وہ پائی پائی جوڑی ہوئی جائیداد کو صرف بھتیجوں کی ملکیت میں نہیں دیں گے۔

ان کے الفاظ نے جہاں صندیر خان کو خاموش کروایا تھا وہیں بی جاناں کو بڑے زور کا چکر آیا تھا، وہ ایسے لہرا کر زمین پہ گری تھیں کہ پھر اٹھ ہی نہ سکیں، انہیں ایک ہی صدمے نے پاگل بنا دیا تھا، ھیہات، ھیہات، کبیر خان کو یہ کون سا حوالہ یاد آ گیا، وہ جو قصہ پارینہ تھا، وہ جن کے نام

انہوں نے اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ دیئے تھے، آخر وہ؟ وہ دل پہ ہاتھ رکھے زمین پہ گر چکی تھیں۔

☆☆☆

باہر ڈھولک کی تھاپ پہ ہیام کے محلے دار دوست بھنگڑا ڈال رہے تھے اور اندر لڑکیاں روایتی لباس میں سج رہی تھیں۔

پورا گھر برقی قمقموں میں نہایا ہوا تھا، ہیام نے شادی کو روایتی ٹچ کے ساتھ ساتھ لاہوری ٹچ بھی دے رکھا تھا، باہر مرد روایتی ڈانس کر رہے تھے اور اندر شادی کے گیت گائے جا رہے تھے، پھر عمکیہ کو رسم کے لئے باہر لایا گیا تھا۔

تیل مہندی کی رسم ہوئی تھی، سات سہاگنوں نے عمکیہ کی گود کو پھلوں سے بھر دیا تھا، پھر گیت گائے گے تھے اور روایتی ناچ ہوا، بعد میں مشروب سے تواضع کی گئی تھی۔

عشیہ کی سج دھج بھی آج نرالی تھی، وہ اپنے روایتی گھیر دار فراک میں تھی، زیور کے نام پہ ماتھا پٹی پہنے ہوئے ہاتھوں میں گلاب اور مہندی کی خوشبو لئے جب وہ پھلوں کا تھال اٹھا کر اندر آئی تو کیمرہ لاتے اسامہ سے بری طرح ٹکرا گئی تھی، اسامہ کا قیمتی کیمرہ زمین بوس ہو گیا، اسامہ حواس باختہ سا پھل اٹھانے بوکھلا کر زمین پہ جھکا تو عشیہ نے تشویش سے پوچھا تھا۔

''کیمرہ بچ گیا؟'' اس کے چہرے پر ہراس پھیل رہا تھا، وہ کیمرے کی قیمت کا اندازہ کر سکتی تھی، اسی لئے پریشان تھی، پھل اکٹھے کرتا اسامہ ایک نگاہ کیمرے پہ ڈال کر بولا۔

''تم میری قیمتی چیزوں کا یہی حشر کرتی ہو، یاد نہیں میرا مجسمہ، وہ بیگ جوندی میں الٹ گیا تھا اور اس میں میرا قیمتی سامان ندی برد ہو گیا تھا۔'' اسامہ نے بہت شوخی کے ساتھ اسے بہت کچھ پرانا یاد دلایا تو وہ مسکرا کر سر جھکا گئی تھی، اس ادا پہ کون نا مر جاتا؟ اسامہ تو پہلے ہی چاروں شانے چت تھا، اب یہ کوئی بات تھی شرمانے والی؟ اور شرما کر اسامہ کو گھائل کرنے والی؟

اسامہ اسے جی بھر کے دیکھتا ہوا دلکشی سے مسکرایا تھا، عشیہ کی دھڑکنیں منتشر سی ہو گئیں، وہ جلدی سے تھال پکڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

اسامہ بھی ایک دلفریب احساس میں مہکتا ہوا باہر آیا تو ہیام بڑا ہی مضطرب، بے چین اور متفکر سا شامیانے سے نکل کر مورے کی طرف بھاگ رہا تھا، اسامہ اس کی تیزی، عجلت اور افراتفری پہ کچھ متفکر سا آگے آیا تو ہیام مورے سے دبی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور ہیام کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اسامہ کو بھی شدید فکر لاحق ہوئی تھی، وہ بھی عجلت میں ان کے قریب ہوا، ہیام مورے کو کچھ بتا رہا تھا۔

''سردار کبیر بٹو کی بیٹی کسی سرویئر جنرل کے ساتھ بھاگ گئی ہے، خبر میں کوئی شک وشبہات نہیں، صندیر خان کے پالتو کتے اسے پاگلوں کی طرح تلاش کر رہے ہیں۔'' ہیام کے الفاظ نے مورے کے چہرے پہ عجیب سے تاثرات سجا دیئے تھے، اسامہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا، وہ تاثرات غمی کے تھے یا خوشی کے؟

(جاری ہے)

یارِ من

نائلہ طارق

چھٹی کا دن ہونے کے باوجود شاہ میر جلدی بیدار ہو گیا تھا، کیونکہ اکیڈمی کی لیب میں کچھ کام مکمل کروانے تھے سو شاہ زیب جب تک بیدار ہوا وہ جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔

پارکنگ کی جانب رخ موڑتے ہی جو اس نے سامنے سے آتی شہرینہ کو دیکھا تو بغیر رکے واپس پلٹ آیا تھا۔

شہرینہ کے پہنچنے تک وہ لفٹ کے سامنے ہی محو انتظار تھا، کھلتی لفٹ میں سے دو افراد نکلے تھے، شاہ میر سے پہلے آگے جانے کی عجلت میں شہرینہ نے کہنی سے اسے پیچھے دھکیلنے سے دریغ نہیں کیا تھا، جبکہ اس کی اس حرکت پر شاہ میر شدید پیچ و تاب کھاتا خونخوار نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا تھا جو اطمینان سے لفٹ میں نصب آئینے میں اپنے تراشیدہ بالوں کو درست کر رہی تھی۔

لفٹ کے کھلنے تک وہ بالکل چوکنا تھا، جیسے ہی لفٹ کھلی وہ اس سرعت سے باہر نکلا کہ اس سے ٹکراتی شہرینہ لفٹ کے اندر ہی لڑکھڑا تی اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے گھور کر رہ گئی تھی۔

گیٹ کھولتے شاہ زیب کو ضرورت ہی نہیں پڑی تھی، شاہ میر کے واپس آجانے کی وجہ پوچھنے کی، تنے ہوئے تاثرات چہرے پر سجائے شہرینہ نے اپنے سامنے آتی طروب کو دیکھا تھا۔

"تو یہ اب تک یہیں موجود ہے۔" تیز نظروں سے شاہ زیب کو دیکھتی وہ سرد لہجے میں بولی تھی اور پھر تیز قدموں سے لاؤنج کی سمت بڑھ گئی تھی۔

اس کے پیچھے جانے سے پہلے شاہ زیب نے ایک نظر پہلے طروب کے سنجیدہ چہرے کو اور پھر شاہ میر کو دیکھا تھا۔

"میں تم سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔" لاؤنج میں ہی شاہ میر اور طروب کی

مکمل ناول
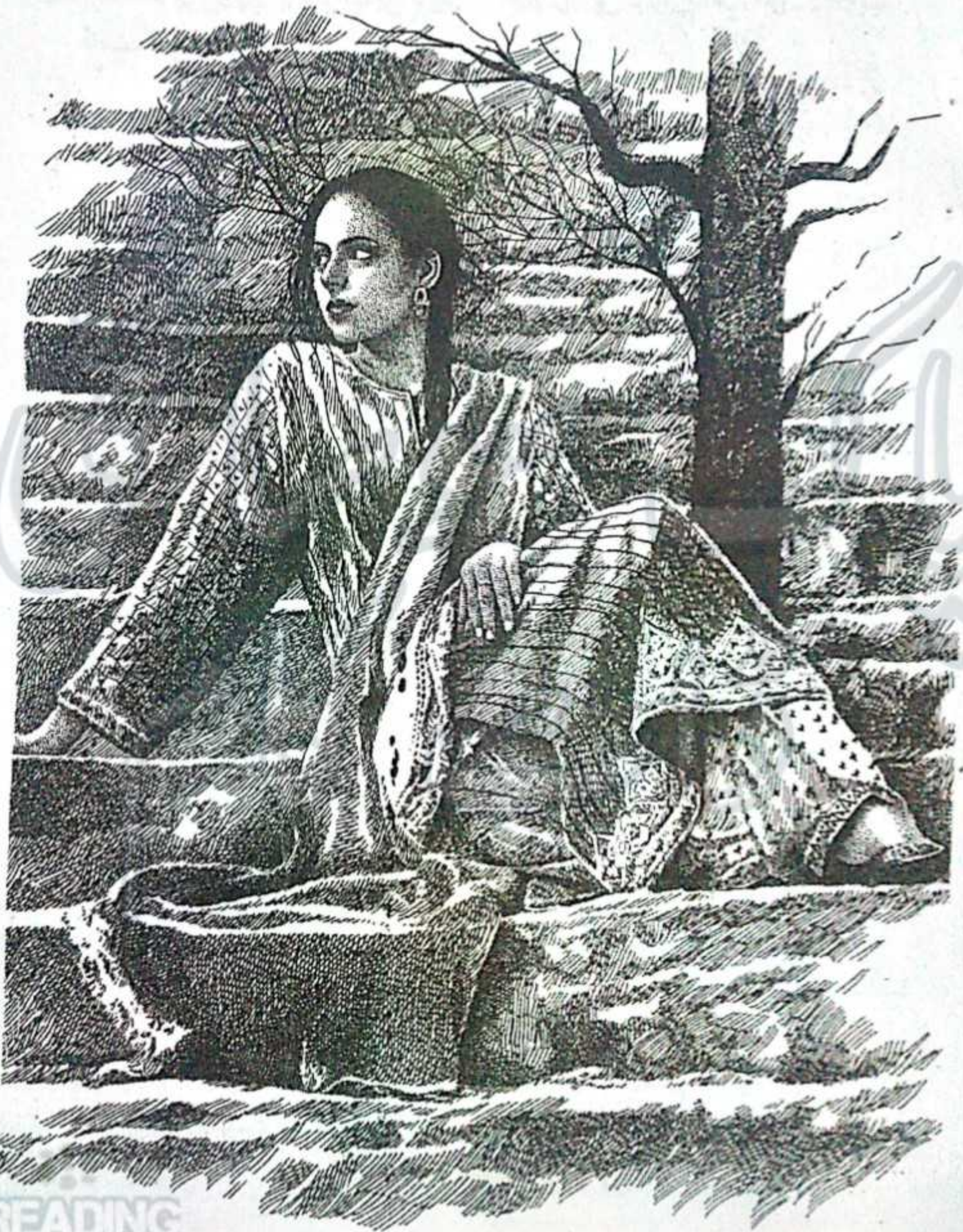
موجودگی نے شہرینہ کو ناگواری میں مبتلا کیا تھا۔
''جو بات ہوگی، اس گھر کے ہر فرد کے سامنے ہوگی ورنہ تم شاہ زیب سے بھی کوئی بات نہیں کرسکوگی۔'' شاہ میر بگڑے لہجے میں بولا تھا۔
''تم ہوتے کون ہو درمیان میں بولنے والے۔''
''اس گھر کا ایک فرد۔'' شاہ میر کے کرخت لہجے میں شہرینہ کی غصیلی آواز دب گئی تھی۔
''شہرینہ! تمہیں جو بات کرنی ہے وہ کرو، بھول جاؤ کہ یہاں کوئی تیسرا فرد بھی موجود ہے ورنہ بحث میں وقت ہی ضائع ہوگا۔'' شاہ زیب تحمل سے درمیان میں بولا تھا۔
''ہاں، تم اس شخص کی مرضی کے خلاف کیسے جاسکتے ہو، اس گھر میں تو وہی ہوتا ہے جو یہ چاہتا ہے۔'' شاہ زیب پر بھڑکتے ہوئے اس نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے شاہ میر کو دیکھا تھا۔
''تم پہلے بیٹھ جاؤ۔''
''میں یہاں بیٹھنے نہیں دوٹوک بات کرنے آئی ہوں۔'' اس نے غراتے ہوئے شاہ زیب کی بات کاٹی تھی۔
''کمال ہے، اب بھی کسی بات کی کسر رہ گئی ہے۔'' شاہ میر کے طنزیہ لہجے اور استہزائیہ مسکراہٹ نے شہرینہ کو سلگا دیا تھا۔
''شاہ زیب! اس سے کہو کہ یہ اپنا منہ بند رکھے ورنہ۔''
''شاہ، اب درمیان میں مت بولنا، اسے بات کرنے دو۔'' سنجیدہ لہجے میں شاہ میر کو تاکید کرتا وہ مکمل شہرینہ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔
''مجھے اب یہاں کسی کے موجود ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ نخوت سے بولی تھی۔
''دیکھو، تم چاہتے تھے کہ اب میں شادی کے بارے میں کوئی فیصلہ کراوں، تو ٹھیک ہے، میں شادی کے لئے راضی ہوں، جب تم کہو، جب تم چاہو۔'' شہرینہ کے قطعی انداز پر شاہ زیب کے تاثرات سپاٹ ہی تھے مگر شاہ میر کے لئے یہ ایک جھٹکا تھا، دنگ ہو کر بے اختیار اس نے طروب کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔
''میں اپنے پروفیشن اور اس فیلڈ سے بالکل الگ اور دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں جسے تم نے کبھی پسند نہیں کیا، میں اس گھر میں تمہارے ساتھ ویسی ہی ایک گھریلو زندگی گزاروں گی جیسا کہ تم مجھ سے توقع رکھتے رہے ہو، مگر اس سب سے پہلے میری بھی ایک شرط ہے۔'' شہرینہ کے معنی خیز لہجے پر ایک عجیب مگر خفیف سی مسکراہٹ شاہ زیب کے چہرے پر لہرا کر معدوم ہوئی تھی۔
''کیا شرط ہے تمہاری؟'' وہ بولا تو اس کا لہجہ بہت پرسکون تھا۔
''تم اپنے ماں باپ کا گھر میرے نام کرو گے پہلے اور ڈائمنڈ جیولری سمیت وہ تمام جیولری جو تمہاری ماں کی ملکیت رہی تھیں، ان پر میرا حق ہوگا۔''
''اور کچھ؟'' شاہ زیب نے پوچھا تھا۔
''فی الحال تو یہی۔'' ایک نخوت بھری نگاہ شہرینہ نے شاہ میر پر ڈالی تھی جو اسے نگلنے کے لئے تیار نظر آرہا تھا۔
''میرا خیال ہے کہ تمہیں پہلے شرط پر غور کرنا چاہیے، تم مجھ سے وہ چیزیں مانگ رہی ہو جن پر میرا حق نہیں ہے، میں تو صرف وہی کچھ دے سکتا ہوں جو میرے پاس ہے، جس پر میرا حق ہے۔''
''ہے کیا کچھ تمہارے پاس؟ یہ ایک اپارٹمنٹ اور کچھ بینک بیلنس، یہ سب اور اس سے زیادہ میرے پاس موجود ہے۔'' شہرینہ کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔

''اگر یہ سب اور اس سے بھی زیادہ تمہارے پاس موجود ہے تو صرف شاہ زیب کی بدولت ہے، جس گھر میں تم اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہو، جس گاڑی میں تم گھومتی ہو، جو پیسہ تم اڑاتی رہی ہو اپنے شاہانہ طرز زندگی پر یہ سب شاہ زیب کا دیا ہوا ہے، ایک نام نہاد تعلق کا بہانہ بنا کر تم اس سے تاوان لیتی رہو ہو اور آج اس تعلق کا سودا کرنے آئی ہو اس انسان سے جس کے سہارے کے بغیر تم ایک قدم نہیں چل سکتی تھیں۔'' غصیلے انداز میں شاہ میر بولتا چلا گیا تھا۔

''صرف تم پر نہیں تمہارے بہن بھائیوں کو بھی شاہ زیب نے سپورٹ کیا، اپنی محنت کا پیسہ اگر وہ بے دریغ تم پر اور تمہارے خاندان پر نہ لٹاتا تو آج تم اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی تھیں، سر تو اب بھی نہیں اٹھانا چاہیے مگر احسان فراموشی تو تمہیں شاید ورثے میں ملی ہے۔''

''تم اپنا منہ بند رکھو سمجھے، اگر اس نے مجھ پر احسان کیے ہیں تو بے وجہ نہیں، قیمت وصول بھی کی ہے۔'' شہرینہ کے بھڑکتے لہجے نے پہلی بار شاہ زیب کے تاثرات بدلے تھے۔

''تم بتانا پسند کرو گی کہ کیا قیمت وصول کی ہے میں؟ اس بات کا مطلب بھی جانتی ہو تم، بتاؤ کیا قیمت وصول کی ہے، کتنی بار تم سے تنہائی میں ملا ہوں، کتنی بار تمہیں چھونے کی بھی کوشش کی ہے؟'' اس کے سرخ چہرے اور بپھرے لہجے نے ایک پل کے لئے شہرینہ کے اعتماد کو ڈانواڈول کیا تھا۔

''بات کو غلط رخ پر مت لے جاؤ، ہلکا کردار میرا بھی نہیں ہے، کیا یہ کم ہے کہ میں پچھلے پانچ سال سے تم سے مخلص، صرف تم سے منسوب، تمہارے نام پر بیٹھی رہی ہوں، یہ جاننے کے باوجود کہ تمہارے ماں باپ مجھے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آخر وہ مجھے قبول کرتے بھی کیوں، وہ تو پروان چڑھا رہے تھے ایک بے نام ونشان بے زبان مخلوق کو تمہارے لئے جو گھر کی چادر دیواری کے اندر تمہاری غلامی کرے، تمہاری جی حضوری کرتی رہے، تمہاری نسل کو آگے بڑھاتی رہے، ساری پلاننگ تو پہلے ہی کر لی گئی تھی اگر ایسا نہیں تو پھر کیا وجہ تھی کہ تمہارے ماں باپ نے اپنی آدھی جائیداد طروب کے نام کر دی، کوئی رشتہ، کوئی تعلق واقعی نہیں تھا یا پھر۔''

''شاہ زیب! اس سے کہو کہ اب اگر اس ایک لفظ بھی غلط کہا تو میں اسے زندہ واپس یہاں سے نہیں جانے دوں گا۔'' شاہ میر اس کی بات کاٹ کر شدید اشتعال میں بولا تھا۔

''تم اپنی بکواس بند کرو، طفل زندگی گزارنے والے جانور، شاہ زیب کے معاملات میں ہمیشہ دھڑلے سے تم شراکت داری کرتے آئے ہو، یہ عادت تمہارے منہ کو لگی ہے، تم اس کے معاملات اور گھر کو ہی شیئر کرنے پر اکتفا نہیں کرو گے، تم جیسا بے غیرت انسان تو اس کی بیوی کو بھی......''

''بہت زیادہ بول چکی ہو تم، مگر اب اپنی زبان کو لگام لگا دو، ورنہ کہیں میں اخلاقیات نہ بھول جاؤں۔'' شاہ زیب کی آواز بلند ہوئی تھی۔

''تمہیں کوئی حق نہیں میرے باپ اور شاہ میر پر انگلی اٹھانے کا، طفلی زندگی تم گزارتی رہی ہو، پانچ سال سے تم نہیں، میں تمہارے آسرے پر رہا ہوں، کیونکہ میں اول درجے کا احمق تھا، تمہارے انتظار میں، میں نے اپنے ماں باپ کو ان کی حسرت کے ساتھ قبر میں اتار دیا، کس منہ سے تم کہہ رہی ہو کہ تم مجھ سے مخلص تھیں، تم نے تو اسی دن مجھے چھوڑ دیا تھا جس دن تم نے گلیمر کی چکا چوند میں قدم رکھا تھا، مجھے ہی یہ جاننے میں

دیر لگی کہ تم نے میرے ساتھ صرف ایک ضرورت کا رشتہ رکھا، ایک نام، ایک سپورٹ کا رشتہ، مجھے صرف اس یقین نے باندھے رکھا جو یقین مجھے صبح نو سے شام پانچ بجے تک محنت کرنے والی، اونچے خواب دیکھنے والی لڑکی پر تھا، لیکن وہ تو گم ہو چکی تھی، دولت اور خواہشات کے بھنور میں، یہ تم بھی جانتی ہو شہرینہ کہ میری خاموشی کا بہت ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تم نے، آج میرے باپ اور طروب کے بارے میں جو غلط الفاظ تم نے استعمال کیے ہیں اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا، شرط اور سودے تجارت میں ہوتے ہیں، ان کی بنیاد پر کوئی تعلق نہ قائم ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے، تم تو پہلے ہی مجھے چھوڑ کر جا چکی تھیں مگر تمہاری زبان کا بھرم رکھنے کے لئے میں تیار ہوں تمہارے پانچ سال کی قیمت ادا کرنے کے لئے، طروب! میرے کمرے سے چیک بک اور جیولری باکس لے آؤ۔'' اس کے اچانک مخاطب کرنے پر ساکت کھڑی طروب تیزی سے وہاں سے گئی تھی۔

''شاہ زیب! پانچ سال تو تمہارے بھی برباد ہوئے ہیں، ان کا ازالہ کون کرے گا؟'' شاہ میر شدید ناگواری سے بولا تھا جس پر شہرینہ نے بس کڑے تیوروں سے اسے دیکھا ضرور مگر خاموش رہی تھی، طروب سے جیولری باکس اور چیک بک لے کر ٹیبل پر ڈال دی تھی۔

''لے جاؤ یہ اپنے ساتھ، بلینک چیک ہے، جتنی رقم چاہتی ہو لکھ دینا، اپنے آپ کو بھی بیچنا پڑا تو بھی رقم تمہیں دوں گا۔'' اس کے سرد لہجے پر شہرینہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''آخر تم کیوں اب بھی اس کے مطالبے پورے کرنے پر تلے ہو، جتنا کچھ تم اس پر لٹا چکے ہو وہ کافی ہے، اب اگر خیرات میں کچھ دے بھی رہے ہو تو اسے اس کی اوقات کے مطابق دو۔'' شاہ میر کے حقارت آمیز لہجے پر شہرینہ کا وجود جلتے بھانبڑوں میں گھرا تھا۔

''تمہیں بتاؤں میری اوقات کیا ہے، بتاؤں تمہیں۔'' حلق کے بل چیختی وہ شاہ میر کے مقابل گئی تھی، اس سے پہلے کہ شاہ زیب اسے روکتا وہ پوری قوت سے تھپڑ شاہ میر کو مار چکی تھی، ساکت کھڑی طروب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، جبکہ شاہ زیب نے سرعت سے شاہ میر کو قابو میں کیا تھا جو شدید اشتعال میں جوابی کارروائی کرنے جا رہا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے شاہ زیب، اس احسان فراموش، دھوکے باز، دو ٹکے کی عورت نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔'' شاہ زیب کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا وہ دھاڑ اٹھا تھا۔

''شاہ! تمہیں میری قسم ہے، تم کچھ نہیں کرو گے، ہلو گے بھی نہیں اپنی جگہ سے۔'' شاہ میر کو گرفت میں رکھے وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''میں جو ہوں، میں جانتی ہوں، تم اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم خود کیا ہو، دوسروں کی چھت تلے بیٹھ کر دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے انسان، تم اور تمہاری بکواس میری جوتی کی نوک پر۔'' بھڑکتے لہجے میں وہ شاہ میر کو مزید بھڑکا گئی تھی۔

''شہرینہ! حد سے زیادہ بڑھ چکی ہو تم، تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ فوراً یہاں سے چلی جاؤ، تم جو کرنے آئی تھی وہ تم کر چکی ہو، جاؤ آزاد ہو تم۔'' شاہ زیب کے مشتعل انداز پر وہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی تھی۔

''مجھے تمہارے اس دھرم شالے میں رک کر محتاجوں کو مفت کی روٹی کھلانے کا شوق بھی نہیں ہے، آج دو ہیں کل مزید آ جائیں گے اور جو

خیرات تم مجھے دے رہے ہو، اسے تم اپنے گھر میں پلنے والے پالتو جانوروں پر خرچ کرو، سمجھے۔''
چیختے ہوئے شہرینہ نے ایک آخری خونخوار نگاہ شاہ میر کے خون رنگ چہرے پر ڈالی تھی اور جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے تھے لیکن طروب کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے قدم رک گئے تھے۔

''مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں، میری بس ایک بات یاد رکھنا، یہ مرد کسی بھی موڑ پر اس عورت کو بھی حقیر بنا کر اپنے قدموں میں گرا سکتے ہیں جسے یہ خود ملکہ کا تاج پہنا کر اپنے سر پہ بٹھاتے ہیں، تم تو پھر بھی میری برابری کی نہیں ہو۔''
''تمہارا یہی گھمنڈ میں نے نہیں توڑا تو شاہ میر نام نہیں میرا، عزت تجھے راس نہیں آئی، بدنام دوسروں کو کر رہی ہو، طروب جیسی بننے کے لئے تجھے سات جنم بھی کم ہیں۔'' شاہ میر غصے میں پاگل ہوتا دھاڑ رہا تھا، شاہ زیب نے اس کو گرفت میں جکڑے ہی رکھا تھا، دوسری جانب شاہ میر کی دھاڑوں کو خاطر میں لائے بغیر شہرینہ لاؤنج سے نکلتی چلی گئی تھی، سن کھڑی طروب کی نگاہیں اس پر جم کر رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

بروقت اس نے بریک لگائے تھے کہ ایک گاڑی اوورٹیک کرتی راستہ بلاک کر گئی تھی خوف کی ایک سرد لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی تھی رات کے آٹھ بج رہے تھے اور اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔
وائیٹ کرولا سے باہر نکلتے شخص کو پہچانتے ہی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا مگر اس نے اپنے اعتماد کو بحال رکھا تھا۔
''کیا مسئلہ ہے؟ راستہ کیوں روکا؟'' شیشہ نیچے کرتی وہ ناگوار لہجے میں بولی تھی جواباً کچھ کہنے کے بجائے شاہ میر نے ڈرائیونگ سیٹ کا ڈور ایک جھٹکے سے کھولا تھا۔
''کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا کر رہے ہو تم؟''
شہرینہ چیختی رہ گئی تھی مگر وہ اسے پرے دھکیلتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی، حواس باختہ ہو کر شہرینہ نے ڈیش بورڈ پر رکھا فون اٹھانا چاہا تھا مگر وہ اس جھٹکے سے اسے پیچھے ہٹا گیا تھا کہ اس کا سر بری طرح ونڈو کے مرر سے ٹکرا گیا تھا۔
''چپ چاپ بیٹھی رہو ورنہ تھپڑ مار کر تمہارا جبڑہ توڑ دوں گا۔'' وہ جس طرح غرایا تھا، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی شہرینہ بالکل سن ہو گئی تھی، اس کے تیوروں کا اندازہ ہونے کے بعد وہ واقعی گونگی ہو گئی تھی۔
''چلتی گاڑی سے کودنے کا ارادہ کرنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لو کہ ٹوٹی ہڈیوں کے باوجود میں تمہیں اٹھا کر واپس گاڑی میں ڈال دوں گا، بخشوں گا نہیں، مجھے صرف اپنا حساب بے باک کرنے سے غرض ہے۔'' اس کے بھینچے لہجے پر وہ وحشت زدہ اور بے حس و حرکت تھی۔
گاڑی کن راستوں سے گزرتی کہاں تک پہنچی اسے کچھ ہوش نہیں تھا، اس کا دل دماغ آنے والے وقت کے کسی عفریت جیسے احساس میں جکڑا منجمد تھا، ہوش تب آیا جب شاہ میر نے اس کا ہاتھ جکڑ کے گاڑی سے باہر نکالا تھا، آبادی سے ہٹ کر اس جگہ پر دور دور تک تاریکی اور ہو کا عالم تھا، اپنے بے جان ہوتے قدموں پر وہ اس کی گرفت میں گھسٹتی چلی جا رہی تھی، اس عمارت کی جانب جو تاریکی میں خوفناک لگ رہی تھی، سیڑھیوں پر پھیلے اندھیرے میں اس کے قدم کئی بار لڑکھڑائے تھے مگر شاہ میر رکے بغیر بے دردی سے اسے کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔

آہنی دروازہ کھولتا وہ ایک جھٹکے سے اندر دھکیل گیا تھا اور وہ جو پہلے ہی ہراساں اور نیم جاں تھی، سنبھل نہ سکی دوسرا یہ کہ تاریکی کے بعد تیز رروروشنی میں آنکھیں چندھیا گئی تھیں، لڑکھڑاتی ہوئی وہ ادھڑی سیمنٹ والے فرش پر اوندھے منہ گری تھی، بلند کراہ کے ساتھ اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بھل بھل بہتے خون سے تر ہونے لگا تھا، بمشکل پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے اس کی وحشت ناک نظریں شاہ میر پر جمی تھیں، آہنی زنگ آلود دروازہ بند کرتا وہ اس کی طرف پلٹا تھا، اس کے جارحانہ تیوروں نے شہرینہ کی بولتی بند کر دی تھی۔

''جانتی ہو میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟ تمہارے غرور کا سر توڑنے کے لئے، اس کام کے لئے کسی کو تو قدم اٹھانا ہی تھا، مجھے شاہ زیب سمجھ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے، ناگن کی طرح تم اس کو ڈستی رہی ہو مگر وہ تمہارا لحاظ کرتا رہا احمقانہ حد تک، مگر مجھے ڈس کر تم نے اپنے ہی زہر میں خود کو غرق کر لیا ہے، تم نے شاہ زیب کے نہیں میرے باپ کے لئے مغلظات بکے ہیں، گالی دی ہے، لیکن آج تمہارا اپنا وجود ایک گالی بن جائے گا، جس دولت کے لئے تم کسی کو بھی دھوکہ دے سکتی ہو، جس دولت کے بل بوتے پر تم کسی کو بھی ذلیل کر سکتی ہو، دیکھتا ہوں کہ وہ دولت کہاں سے تمہیں ایسا خالص زہر مہیا کر سکتی ہے جسے کھا کر تم موت کو گلے لگا سکو۔'' پھنکارتا ہوا وہ اس کی جانب بڑھا تھا۔

''میرے قریب مت آنا، ورنہ شاہ زیب ساری زندگی تمہاری شکل نہیں دیکھے گا۔'' وہ لرزتی آواز میں چیخ اٹھی تھی۔

''شاہ زیب کا نام بھی اب زبان پر مت لانا ورنہ زبان کاٹ دوں گا۔'' شاہ میر مشتعل ہوا تھا۔

''تمہاری اوقات اتنی بھی نہیں کہ تم اس کے پیروں کی دھول کو بھی چھو سکو، جس کا نمک کھاتی رہی ہو اس پر غرانے والی احسان فراموش عورت ہو تم، جو ذلت تم نے مجھے دی اسے سود سمیت واپس لوٹانے کے لئے تمہیں یہاں لایا ہوں ورنہ تم جیسی نیچ عورت کی طرف دیکھنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔''

''ہاں میری کوئی اوقات نہیں ہے، یہ سچ ہے، کب انکار کیا میں نے مگر میں نیچ نہیں ہوں۔'' آنسوؤں اور خون سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ وہ یکدم چیخ اٹھی تھی۔

''اگر میں نیچ ہوتی تو شاہ زیب سے شادی کر کے اس کی ہر چیز پر قابض ہو چکی ہوتی، اس کے ماں باپ جو جائیداد اس کے اور طروب کے نام کر گئے تھے وہ سب اپنے اختیار میں لینے کے لئے مجبور کر دیتی شاہ زیب کو، گدھ بن کر اس کے نام تک کو کھا جاتی کیونکہ میں بھوکی ہوں دولت کی، مجھے صرف روپے پیسے کی قدر ہے، انسان کی، رشتوں کی نہیں، یہ سبق مجھے اسی دنیا کے انسانوں سے ملا ہے، تم اپنی طاقت مجھ پر آزمانے کے لئے مجھے یہاں اٹھا لائے ہو مگر میری نظر میں، اس دنیا کی سب سے طاقتور چیز اگر کوئی ہے تو صرف دولت ہے، مگر تم یہ سب نہیں سمجھو گے کیونکہ تمہارے ماں باپ تمہیں سونے کا نوالہ کھلاتے رہے ہیں، تمہیں اپنی ضرورتوں کے لئے ایڑیاں نہیں رگڑنی پڑیں، کبھی فاقہ نہیں کرنا پڑا، کڑی دھوپ میں پیدل چل چل کر کبھی تمہارے پیروں میں آبلے نہیں پڑے، ذلت سے دوچار کرنے والی غربت کا سیاہ منہ، تم نے کبھی نہیں دیکھا، تمہیں کبھی کسی نے اس لئے نہیں دھتکارا ہو گا کہ تمہارے پاس اچھا لباس پہننے کی استطاعت

نہ تھی، بھوک سے تنگ آ کر تم نے اپنے آپ کو بیچنے کا ارادہ نہیں کیا ہوگا، مفلسی نے تمہیں خودکشی کے لئے مجبور نہیں کیا ہوگا، مگر میں نے یہ سب کچھ جھیلا ہے، غربت کے تاریک دوزخ میں، بس ایک عزت داؤ پر نہیں لگائی، اپنوں کا سودا نہیں کیا، پیسے کے لئے قتل نہیں کیا، باقی سب جائز کر لیا خود پر دولت کے حصول کے لئے، غربت کے ناسور سے بچنے کے لئے میں اگر ساری زندگی بھی دھکے کھاتی رہتی تو بھی اس کی اذیت اور تاریکی سے نہ خود کو نکال سکتی تھی نہ اپنے خاندان کو۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ بلند آواز میں بولتی جا رہی تھی۔

''بینک کی معمولی ملازمت سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا، مجھے بہت آگے جانا تھا اور آگے بڑھنے کے لئے مضبوط سہارے کی ضرورت تھی، ایک ایسے مرد کے نام اور تحفظ کی ضرورت تھی جو خود معاشرے میں اچھے مقام پر ہو، یہ سچ ہے کہ میرے لئے شاہ زیب نہیں اس کا پیسہ اہم تھا، قسمت نے ایک موقع دیا تھا مجھے شاہ زیب کی صورت، جسے میں ہرگز گنوانا نہیں چاہتی تھی، ایک تعلق کے دھوکے میں رکھ کر میں نے اس سے بہت کچھ حاصل کیا مگر میں نے کبھی اس سے یہ جھوٹ نہیں بولا کہ مجھے اس سے محبت ہے، میں نے کبھی اس سے انہیں کہا کہ وہ مجھ سے یہ شادی کرے، اپنی غرض اور ضرورت کے تحت اس کا پروپوزل قبول کرنے کے باوجود میں یہ جانتی تھی کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں، میں کتنی ہی دولت، شہرت اور عزت حاصل کر لوں مگر کبھی اس جیسے اچھے انسان کے برابر نہیں آ سکتی کبھی، باوجود اس کے کہ آج میرے پاس سب کچھ ہے، میرے بہن، بھائی اپنی اپنی زندگی میں کامیاب اور آسودہ ہیں، مجھے اب شاہ زیب سے کوئی فائدہ اٹھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' کمزور آواز میں بولتی وہ ایک پل کے لئے رکی تھی۔

''مجھے شادی اس سے پہلے بھی نہیں کرنا تھی، اس دن میں نے جان بوجھ کر وہ سب کہا اور کیا، میں جانتی ہوں شاہ زیب اپنے ماں باپ اور تمہارے لئے بہت حساس ہے، میں چاہتی تھی کہ وہ مجھے دھتکار دے اور میں اپنی کوشش میں کامیاب رہی، مجھے اندازہ تھا کہ اتنا وقت گزرنے کے بعد شاہ زیب صرف اپنی زبان کی وجہ سے مجھ سے شادی کے فیصلے پر قائم ہے، کیونکہ وہ اپنی زبان کا پکا ہے، اس کی جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو بہت پہلے ہی مجھ پر لعنت بھیج کر جان چھڑا چکا ہوتا، وہ اپنی زبان کی پاسداری اور رواداری میں اپنا نقصان کرتا رہا اور نہ اس کے دل میں جو بھی میرے لئے نرم گوشہ تھا اسے تو میری خود غرضی اور دولت کی بھوک نگل چکی، یہ سب جانتے ہوئے بھی میں اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتی رہی، آج مجھے اس کی سپورٹ کی ضرورت نہیں ہے مگر آج بھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ دوٹوک انداز میں یہ حقیقت بتا سکوں کہ میرے دل میں اس کی عزت ہے، دل اس کے احسانوں کے بوجھ سے دبا ہوا ہے، مگر دل کے کسی کونے میں اس کے لئے محبت کا جذبہ کبھی نہیں رہا، میں کبھی اسے یہ بتانے کی جرأت نہ کر سکی کہ میں اس سے شادی کبھی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی، میں اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کی بات مان کر مجھ سے دستبردار ہو جائے مگر نہیں کہہ سکی، پہلے اپنے فائدے آڑے آتے رہے تھے، پھر بعد میں ضد سی ہو گئی کہ شاہ زیب کو اس حد تک عاجز کر دوں کہ وہ خود ہی قدم پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جائے۔'' سر اٹھا کر اس نے شاہ میر کو دیکھا تھا جو بغور اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"تم میں اور شاہ زیب میں بہت فرق ہے، مجھے پہچان کر تم نے کئی بار اپنی طنزیہ باتوں سے مجھے ذلت سے دوچار کیا ہمیشہ، مجھے موقع ملا بدلہ لینے کا وہ میں نے لیا، تم بھی اگر بدلہ لینا چاہتے ہو تو میں گڑگڑاؤں گی نہیں، بس اتنا کرنا کہ مجھے کوئی ایسی چیز دے دینا جس سے میں اپنی شہ رگ کاٹ دوں، تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔" اس کے لرزتے لہجے پر وہ جانچتی نظروں سے اسے دیکھتا مقابل آرکا تھا۔

"تمہیں پورا یقین ہے کہ شاہ زیب کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے؟"

"جھوٹ بول کر کچھ حاصل ہوتا تو ضرور جھوٹ کہتی، یہ سچ تو خود شاہ زیب بھی جانتا ہے۔" وہ ہلکی آواز میں بولی تھی، جواباً شاہ میر چند لمحے اس کی آنکھوں میں سچائی کو کھوجتا رہا تھا اور پھر ہلکا سا ہنکارا بھرتے ہوئے اس کی چوٹ کا جائزہ لیا تھا۔

"تمہیں فوری طور پر بینڈج کی ضرورت ہے، چلو جلدی کرو۔" کچھ عجلت میں بولتا وہ دروازے کی سمت گیا تھا جبکہ یقینی اور بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا شہرینہ فوری طور پر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکی تھی۔

"سنبھل کر اترنا۔" تاریکی میں اسے شاہ میر کی آواز سنائی دی تھی، واپسی کا سفر بہت مختلف تھا مگر وہ محسوس کرنے کے قابل نہیں تھی، دماغ گھوم رہا تھا، تاریکی میں کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا، ٹوٹے پھوٹے اسٹیپ پر اس کا پیر لڑکھڑایا تھا اس کی کراہ نے آگے جاتے شاہ میر کے قدم یک لخت روکے تھے، سرعت سے اس نے شہرینہ کو سنبھالا تھا جو اس کے شانے سے آ ٹکرائی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ بوکھلا اٹھا تھا۔

"پتہ نہیں، میرا دماغ گھوم رہا ہے۔" بمشکل خود کو سنبھالتی وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"تمہاری چوٹ کی وجہ سے شاید خون بھی تو بہت بہہ گیا ہے۔" وہ تشویش سے بولا تھا۔

"نہیں، اس کی وجہ سے نہیں۔"

"تو پھر؟"

"میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔" اس کے ہاتھ کا سہارا ملنے کے باوجود وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"پھر تو مجبوری ہے۔" وہ بولا تھا۔

اور اگلے ہی پل وہ اسے بازوؤں میں اٹھاتا تیزی سے سیڑھیاں اترتا جا رہا تھا، سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی اس جگہ سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا، اسے شہرینہ کی فکر ہونے لگی تھی اور یہ بہت عجیب احساس تھا جو وہ یہاں سے اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا، اس کے پھولوں جیسے نازک ہلکے پھلکے وجود کو گاڑی میں منتقل کرنے کے بعد وہاں سے نکلنے میں شاہ میر نے ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔

پانی پینے کے بعد اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی، شاہ میر کی ہدایت پر اس نے ٹشو پیپر سے اپنی پیشانی اور چہرے پر موجود خون کو آہستہ آہستہ صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔

"اگر چوٹ وجہ نہیں تو پھر کیا بات ہے۔" کافی دور نکل آنے کے بعد شاہ میر نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"دو دن سے کچھ کھایا نہیں، کافی پریشان تھی۔" اس کے نقاہت زدہ لہجے پر شاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

"اگر تم چاہو تو مجھے اپنی پریشانی بتا سکتی ہو۔" شاہ میر کے کہنے پر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہی مگر پھر بول اٹھی تھی۔

"میں اپنا کلیکشن لونچ کرنا چاہ رہی تھی، مگر اس سے پہلے ہی کافی نقصان ہو گیا، میری پارٹنر

نے مجھے دھوکا دیا، اس نے غیر معیاری کپڑے کو استعمال کیا، میری دن رات کی محنت اور پیسے پر پانی پھر گیا، کل میری اس سے کافی بحث و تکرار ہوئی، فیشن انڈسٹری میں اس کا کافی نام ہے میری کون سنتا، اس نے اپنے تمام فیشن شوز سے الگ کر دیا مجھے، جبکہ میں خود بھی اب اس کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتی۔''

''تمہیں صدمہ ہے یا حیرت کہ تمہاری اتنی قابل بھروسہ پارٹنر نے تمہیں دھوکہ دیا؟'' کچھ تھا شاہ میر کے لہجے میں جو شہرینہ نے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں دونوں ہی باتیں نہیں ہیں، مجھے سمجھ آ گیا ہے کہ جب ہم کسی کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں تو کوئی ہمارے لئے بھی دھوکہ دہی کے جال تیار کر رہا ہوتا ہے، لاکھ ہوشیاری کے باوجود ہمیں اس چال میں کبھی نہ کبھی پھنسنا ہی پڑ جاتا ہے۔'' وہ مدھم آواز میں بولی تھی، اگلے آدھے گھنٹے میں وہ ہاسپٹل سے بینڈج وغیرہ سے بھی فارغ ہو گئی تھی۔

وہ ایک کافی بارونق سڑک تھی، اسے فوڈ اسٹریٹ کہنا غلط نہ ہوگا، لوگ کھانے پینے اور باتوں میں مصروف اور محو تھے، طرح طرح کے کھانوں کی خوشبوؤں نے اس کی اشتہا کو بھی بڑھا دیا تھا، جوس کے پیکٹ سے آخری گھونٹ لے کر اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی، رات کے دس بج رہے تھے تب ہی وہ چونک کر شاہ میر کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو جانے کیا کچھ کھانے پینے کے لئے لے آیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کی حیران نظروں پر وہ پوچھ رہا تھا۔

''اتنا سب کس کے لئے؟''

''ظاہر ہے تمہارے لئے، ڈاکٹر کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم نے کئی گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا، گھر فون کیا تم نے؟'' جواب دے کر اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں امی سے بات ہو گئی ہے۔''

''یہ اچھا ہو گیا، ویسے بھی ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔'' اس کے سنجیدہ لہجے میں کچھ تھا جو شہرینہ نے اسے دیکھا مگر خاموش رہی تھی۔

''میں اور زیب اکثر یہاں آتے ہیں، تم تو شاید کبھی ایسی جگہ آنا پسند نہ کرو مگر ابھی مجبوری تھی اور قریب ترین جگہ بھی یہی تھی۔'' برگر کھاتے ہوئے وہ بولا تھا، برگر لذیذ تھا اور اسے بھوک بھی لگی تھی مگر بار بار شاہ میر کا اپنی طرف دیکھنا اسے کچھ نروس کر رہا تھا، وہ رغبت سے کھا نہیں پا رہی تھی، اسی دوران شاہ میر کے فون پر شاہ زیب کی کال آ گئی تھی، وہ کچھ پرسکون ہوئی تھی اس کی توجہ کے ہٹنے سے۔

''میں تم سے کوئی معذرت نہیں کروں گا۔'' اس کے اچانک کہنے پر شہرینہ نے اسے دیکھا تھا۔

''کیونکہ جو میں نے کیا اگر وہ نہ کرتا تو کچھ حقیقتوں سے بے خبر رہتا، تم شاید غلطی سے بھی مجھے اپنے دل کی کوئی بات زندگی بھر نہ بتاتیں اور میں تم سے نفرت کرتا رہتا۔''

''اب نہیں کرتے نفرت؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''نہیں، کیونکہ اب میں تمہیں جان چکا ہوں۔'' بغور اسے دیکھتا وہ اتنا ہی بولا تھا۔

''جاننے کے لئے چند گھنٹے کافی ہوتے ہیں؟'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں چند گھنٹوں میں پل پل بدلتے حالات اور جذبات پہچان کروا دیتے ہیں انسان کی۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہارا کافی نقصان ہوا ہے مگر فکر مت کرو، کوشش کروں گی تو ضرور اپنا کلیکشن کامیابی سے لونچ کرلوگی۔'' چند لمحوں بعد وہ بولا تھا۔

''نہیں، اب میں اسی کام کو ہاتھ لگاؤں گی جو میں خود کرسکوں، پھر نقصان ہو یا فائدہ۔'' وہ بولی تھی۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ بولا تھا۔

''مجھے بھی گزرے سالوں میں یہ پہچان نہ ہوئی جو گزرے چند گھنٹوں میں ہوگئی۔'' ایک پل کو رک کر شہرینہ نے اسے دیکھا تھا۔

''کہ تم ایک اچھے انسان ہو، شاہ زیب یونہی تم پر جان نثار نہیں کرتا۔'' اس کے کہنے پر شاہ میر حیرت سے اسے دیکھتا ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''تمہیں چوٹ پہنچائی اس کے باوجود تم مجھے اچھا انسان کہہ رہی ہو؟''

''نہیں، صرف چوٹ پہنچائی ہے اس لئے اچھا کہہ رہی ہوں، ورنہ جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا اس کے مطابق تو میں زیادہ کی مستحق تھی۔'' وہ پشیمان لہجے میں بولتی اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

☆☆☆

''میرے سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تم پر، آخر وہی کیا تم نے جو ٹھان رکھا تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اپنے سنگین ارادوں پر عمل بھی کر ڈالو گے۔''

''آہستہ بولو، طروب نے سن لیا تو کیا وضاحت دوں گا اسے۔'' شاہ زیب کے بلند اور غصیلے لہجے پر شاہ میر نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''کیوں چھپانا چاہتے ہو طروب سے یہ بات، جب تم جانتے ہو کہ یہ قدم انتہائی غلط تھا تو کیوں ایسا شرم ناک کام کرنے کا سوچا تم نے۔''

''شاہ زیب! تم جانتے ہو کہ میں غصے میں کچھ بھی کہوں مگر ایسا کوئی شرمناک کام نہیں کرسکتا جو مجھے تم سے اور اپنے آپ سے نظر نہ ملنے دے، میں عورت کی عزت کرنا جانتا ہوں۔'' شاہ میر درمیان میں بول اٹھا تھا۔

''تو پھر کیوں تم نے شہرینہ کو اذیت دینے کا سوچا اور صرف سوچا ہی نہیں عمل کرنے کی بھی کوشش کی۔'' اس بار شاہ زیب کی آواز نیچی مگر لہجہ غصے میں بھرا ہوا ہی تھا۔

''جتنی اذیت اس نے مجھے پہنچائی اس کے مقابلے میں تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا، میرا کوئی ارادہ نہیں تھا اسے تنگ کرنے کا، میں بس یہ چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے معافی مانگے اپنی غلطی پر شرمندہ ہو۔''

''اسی لئے تم اسے زبردستی ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔'' شاہ زیب نے غصیلے لہجے میں ہی اس کی بات کاٹی تھی۔

''وہ جیسی بھی، جس قدر بھی آزاد خیال ہے، اچھی ہے یا بری، لیکن اس سچ پر مجھے ذرہ بھر بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ ایک با کردار لڑکی ہے، اس کے دامن پر کوئی داغ نہیں ہے، ایسی لڑکی کے سامنے تم نے اپنا ہی نہیں میرا سر بھی جھکا دیا ہے۔''

''دیکھو، جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے، اس کا دامن میری وجہ سے داغدار ہوا بھی نہیں ہے، جو مجھ سے سرزد ہوا وہ غلط ہے میں مانتا ہوں، اس کے لئے میں شہرینہ سے معافی مانگ لوں گا۔ میرے اور اس کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ سب میں تمہیں بتا چکا ہوں اگر تمہیں میری باتوں پر شبہ ہے تو تم ابھی شہرینہ سے بات کرو، شاید پھر تمہیں یقین آجائے۔'' شاہ میر کافی ناراض لہجے میں بولا تھا۔

''اور بات صرف معافی تلافی تک ہی محدود نہیں رہی ہم دونوں کا دل ایک دوسرے سے صاف ہو چکا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ شہرینہ اور میں ایک دوسرے کے دوست بن چکے ہیں، ایک طویل دشمنی کے بعد، اب اگر اس بات پر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو کہو۔''

''میری طرف سے تم اپنے کیا میرے بھی ہر دشمن کو گلے لگا لو، لیکن آج تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس حد تک جا سکتے ہو۔'' شاہ زیب کے ہنوز بگڑے لہجے پر ایک پل کے لئے اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''دیکھو، اگر وہ سیدھی زبان سمجھنے والی ہوتی تو میں کبھی اس حد تک نہ جاتا، بہر حال وہ مجھے معاف کر چکی ہے اور میں اسے، اب خدا کا واسطہ ہے تم بھی مجھے معاف کر کے اس ٹاپک کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دو، طروب کو ذرا بھی میری اس حرکت کی خبر نہیں لگنی چاہیے۔''

''لگنے دو اسے بھنک، ویسے بھی تم نے تو جو کرنا تھا وہ کر کے ہی دم لیا ہے تم نے۔'' شاہ زیب ناگواری سے بولا تھا۔

''کیوں تم میرا گھر آباد ہونے سے پہلے برباد کرنے پر تلے ہو؟ طروب کے لئے مجھے چن کر اب تم خود میرا امیج اس کی نظروں میں خراب کرو گے تو اس کی ناں، کبھی ہاں میں نہیں بدل سکے گی، جبکہ بقول تمہارے طروب کے لئے تمہیں مجھ سے بڑھ کر کسی پر بھروسہ نہیں، اپنی زبان سے تم کسی صورت نہیں پھرتے یہ یاد رکھنا۔'' شاہ میر کے جتانے والے انداز پر وہ بس کڑی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

ایک گہری چپ اس نے سادھ رکھی تھی، شاہ میر سے بھی اس کا رویہ کھینچا کھینچا سا تھا، ان دونوں کے گھر آنے کے بعد وہ کسی نہ کسی بہانے سے اپنے کمرے تک ہی محدود رہتی، اس کی گہری سنجیدگی اور لاتعلقی کو دیکھتے ہوئے شاہ میر نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا مگر اس نے کوشش ضرور کی تھی کہ کسی طرح طروب کی خاموشی ٹوٹے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور پھر زیادہ بات کرنے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا، کھانے کے بعد وہ اب پہلے کی طرح لاؤنج میں نہیں رکتی تھی، بات اتنی ہی کرتی جتنی ضرورت ہو، شاہ زیب بھی یہ سب دیکھ رہا تھا مگر خاموش تھا، لیکن اس رات جب وہ اور شاہ میر گھر پہنچے تو طروب کو دیکھتے ہی وہ دونوں چونک گئے تھے اس کے چہرے سے ہی اس کی طبیعت کی ناسازی کا اندازہ ہو رہا تھا، شاہ میر کے پوچھنے پر وہ ٹال گئی تھی، کھانا بھی اس نے برائے نام کھایا تھا۔

''شاہ زیب! تم طروب سے بات کرو، میری تو کسی بات کو وہ توجہ سے سننے کے موڈ میں نہیں۔'' شاہ میر نے لاؤنج میں آتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا، جو ٹی وی اسکرین سے نگاہ ہٹا تا مکمل متوجہ ہو گیا تھا۔

''ہاں مجھے ہی اس سے بات کرنی ہو گی، اس نے شہرینہ کی باتوں کو دل سے لگا لیا ہے، اندازہ ہے مجھے۔'' شاہ زیب پر سوچ انداز میں بولا تھا۔

''کچھ بھی کرو مگر اس کی خاموشی ختم کرو، میں ذرا باہر جا رہا ہوں، تم چاہو تو ابھی بات کرو طروب سے۔'' شاہ میر کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

بند دروازے پر دستک دے کر اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا، طروب کے لئے حیران کن تھا اس کا اپنے کمرے تک آنا، چہرے سے

مسکراتیں بکھری لٹیں سمیٹتے ہوئے وہ اپنی حیرت نہیں چھپا سکی تھی شاہ زیب کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے۔

''میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا، شاید تم سونے لگی تھیں؟'' ایک پل کو رک کر شاہ زیب نے بغور اس کے ستے چہرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں آکا جا......'' طروب کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

''وہ...... میرے سر میں کچھ درد تھا تو...... جاگ ہی رہی تھی۔'' کمزور لہجے میں بولتی وہ اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی۔

''تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے تمہاری طبیعت درست نہیں۔'' شاہ زیب نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے حیران کر دیا تھا۔

''بخار ہے تمہیں، کب سے طبیعت ٹھیک نہیں؟ کم از کم ایک فون تو کر دینا چاہیے تھا، ابھی چلو میرے ساتھ ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا ہو گا۔''

''معمولی سا بخار ہے ٹھیک ہو جائے گا۔'' شاہ زیب کے ڈپٹنے والے انداز پر وہ خفیف سی ہو کر بولی تھی۔

''اندازہ ہو رہا ہے کہ کتنا معمولی ہے، اگر میرے ساتھ ہی نہیں جانا تو میں شاہ کو بلا لیتا ہوں، اس کے ساتھ تو تمہیں کہیں بھی جانے پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔'' شاہ زیب کے سرد لہجے پر وہ چونکی تھی۔

''مجھے کسی کے بھی ساتھ نہیں جانا، میں ٹھیک ہوں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ پیشانی پر بل ڈالے سامنے سے ہٹتی کھڑکی کی سمت بڑھ گئی تھی، شاہ زیب چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا جو خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لئے پردے ایک طرف ہٹا رہی تھی۔

''بہت اچھی طرح ایٹ کیا ہے تم نے کمرے کو، ویسے یقین ہے کہ اس میں شاہ کا عمل دخل زیادہ ہے۔'' شاہ زیب کے کہنے پر اس نے گہری سانس لی تھی جبکہ شاہ زیب خود بھی کھڑکی کی سمت آ گیا تھا۔

''ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کوئی آپ سے مخاطب ہے تو اسے توجہ سے سنا جائے، رخ پھیر کر خاموشی سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنے سے بہتر ہے کہ لفظوں کا سہارا لے کر مخاطب کو ایک ہی بار شرمندہ کر دیا جائے۔'' سنجیدگی سے بول کر وہ اس پر سے نگاہ ہٹاتا جانے کے لئے پلٹ گیا تھا جبکہ طروب یکدم نادم سی ہو کر بے اختیار اس کے پیچھے گئی تھی۔

''آپ ناراض مت ہوں، مجھے لگا کہ آپ بس میری طبیعت کا پوچھنے آئے تھے، آپ اس طرف آتے نہیں تو......'' شاہ زیب کی سنجیدہ نظروں پر وہ شرمندگی سے بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔

''کافی نامعقول وضاحت ہے مگر قبول کرنی پڑے گی، ویسے بھی طبیعت ناساز ہے تمہاری۔'' شاہ زیب کے جملوں نے اسے مزید شرمسار کیا تھا۔

''میں نے ٹیبلٹس لی تھیں، اب تو طبیعت ٹھیک ہے، آپ بیٹھیے تو۔'' طروب کے بیدار ہوتے اخلاق پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

''ہاں آرام سے روبرو بیٹھ کر تم سے کچھ باتیں کرنے کا موڈ تو ہے، اگر طبیعت اجازت دے تو لاؤنج میں آ جاؤ، آج میں تمہارے لئے خود چائے بناؤں گا اور تم سے اچھی بناؤں گا۔'' اس کے دوستانہ سے انداز پر طروب حیران ہوئی تھی مگر پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا اٹھی تھی۔

لاؤنج میں آتے شاہ زیب کو دیکھ کر اس نے میگزین ایک طرف رکھ دیا تھا۔

''شاہ! کب تک واپس آئیں گے؟''

چائے کا مگ شاہ زیب سے لیتی وہ بولی تھی مگر اگلے ہی پل وہ حیران ہوتی گڑبڑا سی گئی تھی جب اس نے شاہ زیب کو اسی صوفے پر اپنے سے کچھ فاصلے پر براجمان ہوتے دیکھا تھا۔

''جب کبھی بھی وہ واپس آئے لیکن آنا تو اسے یہیں ہے میرے اور تمہارے درمیان۔''

اس کے سنجیدہ لہجے مگر مسکراتی نظروں پر طروب کے دل کی دھڑکن رکی تھی، نظر چراتے ہوئے اس نے مگ لبوں سے لگا لیا تھا، اس کے چہرے کے بدلتی رنگت شاہ زیب سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

''آپ کو کوئی ضروری بات کرنی تھی؟''

خاموشی اور قربت سے گھبرا کر طروب کو اس کی جانب دیکھنا پڑا تھا۔

''پہلے یہ بتاؤ چائے کیسی لگی تمہیں؟''

''بہت اچھی۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

''شکریہ۔'' جواباً وہ بھی مسکرایا تھا۔

''اب مجھے وہ سب باتیں بتاؤ جو تمہیں پریشان کر رہی ہیں؟ مجھ پر تو تمہاری نظر کرم کم ہی پڑی ہے مگر شاہ میر بھی پریشان ہے تمہاری مستقل خاموش کیفیت سے۔'' شاہ زیب کے پوچھنے پر وہ بس خاموشی سے نظر جھکائے چائے کے مگ کو دیکھتی رہی تھی۔

''شہرینہ کی طرف سے مجھے اسی ردعمل کی توقع تھی، یہ سب ایک نہ ایک دن ہونا تھا۔''

''آپ اس کے مطالبے مان سکتے تھے، میں آپ کی اور اس کی خوشی کے لئے ہر چیز سے دستبردار ہوسکتی ہوں۔''

''اس میں میری کوئی خوشی نہیں تھی، تم کیوں کسی کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہوسکتی ہو؟''

طروب کی طرح شاہ زیب کو بھی اس کی بات کاٹنی پڑی تھی۔

''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتی ہو، بالفرض میں اس کا ہر مطالبہ مان بھی لیتا تو بھی وہ مجھ سے شادی کے لئے کبھی اقرار نہ کرتی، اسے بس مجھ سے تعلق ختم کرنے کا ایک بہانہ چاہیے تھا، آج وہ ایک اچھے مقام پر ہے، اسٹرانگ ہو چکی ہے، اب اسے میرے سہارے کی ضرورت نہیں، صرف اپنی زبان کا بھرم رکھنے کے لئے ہی نہیں، میں اس لئے بھی خاموش تھا کہ میں چاہتا تھا وہ اس سچ کو قبول کرے کہ اسے مجھ سے کوئی تعلق بنانا ہی نہیں، یہ وہ سچ ہے جو میں کافی پہلے جان چکا تھا، میری غلطی یہ تھی کہ بنا سوچے سمجھے میں نے جلد بازی میں ایک بڑا فیصلہ کر لیا تھا اور پھر اس کا خمیازہ ہی بھگتنا پڑا اب تک، شہرینہ نے جو گستاخی کی، ہم سب کی انسلٹ کی، تمہارے دل کو ٹھیس پہنچائی اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ کسی طرح وہ مجھے مجبور کر دے سب کچھ ختم کرنے پر، ہر چیز کو ایک طرف کر کے اگر وہ صرف مجھے ایک دوست سمجھ کر یہ کہہ دیتی کہ اس کے دل میں میرے لئے ایسا کوئی جذبہ پنپ ہی نہیں سکا جس کی وجہ سے وہ اپنی ساری زندگی میرے ساتھ گزارنا چاہتی، میں اسے کبھی مجبور نہیں کرتا، کبھی اسے یہ یاد نہ دلاتا کہ میں نے اس کے لئے کیا کچھ کیا اور اس نے بدلے میں کیا دیا۔'' شاہ زیب کے خاموش ہونے پر طروب نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتے؟''

''مصنوعی، مجبوری اور ضرورت کے تعلق کے درمیان کبھی محبت کا جذبہ جنم لے کر پھل پھول نہیں سکتا، یہ حقیقت جاننے میں بہت دیر لگی اسی لئے تو انجانے میں سچی اور کھری محبتوں کو

منوں مٹی تلے محروم ہی اپنے ہاتھوں سے دبا دیا۔'' شاہ زیب کے لہجے میں پچھتاوا اور آزردگی کی چھاپ تھی۔

''پھر اب کیا آپ مجھے ہاسٹل شفٹ ہونے کی اجازت دیں گے؟''

''تمہاری زبان سے میں دوبارہ ہاسٹل کا نام بھی نہ سنوں۔'' اس کے گھرکنے پر طروب دنگ ہوئی تھی۔

''تمہیں میری کوئی فکر نہیں تو پھر جو چاہے فیصلہ کروا اپنے لئے۔''

''میں اپنی نہیں آپ کی ہی فکر میں یہ پوچھ رہی تھی، میں ہاسٹل نہ جاؤں، آپ شادی نہ کریں، تو اب کیا کریں گے؟''

''تو بھی شادی ہی کریں گے اور اس کے لئے تمہارا ہاسٹل جانا نہیں گھر میں رہنا ضروری ہے۔'' شاہ زیب کی سنجیدگی پر وہ الجھی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے طروب کہ پہلے کبھی میں نے تمہارے لئے اس طرح سے نہیں سوچا تھا جس طرح امی اور ابو نے سوچ رکھا تھا، لیکن اب ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے تمہارے اردگرد رہ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ میرے لئے تم سے بہتر واقعی کوئی نہیں، جس طرح ساتھ رہ کر میری سوچ، خیالات میں بدلاؤ آئے ہیں، ہو سکتا ہے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو، میرے لئے تمہاری وہ مرضی اور فیصلہ اہم ہے جواب ہے۔'' بغور شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

''طروب! مجھے ابھی تمہارا جواب چاہیے۔'' اس کی خاموشی پر وہ بولا تھا۔

''آپ میرا جواب جانتے ہیں، میری مرضی تو امی اور ابو کی مرضی میں ہی ہمیشہ شامل رہی، سوچ بچار کی ضرورت تو آپ کو ہے، میں آخری چارہ تو نہیں ہوں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ کچھ چبھتے لہجے میں بولی تھی۔

''طنز کا حق رکھتی ہو تم، کوشش کروں گا کہ میری طرف سے تلافی میں کوئی کمی نہ رہے۔'' شاہ زیب کی نگاہ ایک لمحے کو اس کے صبیح رخسار پر ٹھہری تھی۔

''شاہ سے کیا کہیں گے؟'' طروب نے اسے دیکھا تھا جو گہری سانس لیتا فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''عجلت میں جو کچھ کہہ چکا ہوں، اس سے پھرنا مشکل تو ہے، تم میری مدد کرو گی؟''

''میں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' خفت سے بولتی وہ اٹھ جانا چاہتی تھی کہ یکدم شاہ زیب نے اس کا ہاتھ تھام کر روکا تھا، سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ طروب اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی۔

''ٹھیک ہے لیکن ایک کام تو تم کر سکتی ہو کہ اسے مجھ سے زیادہ اہمیت نہ دو، اس سے دور رہنے کی کوشش تو کر سکتی ہو تم۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''ہاں، میں جانتا ہوں کہ میں غلط بات کر رہا ہوں اور بیکار پابندی لگانے کی بات کر رہا ہوں، لیکن میں کیا کروں، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تمہارا اس سے بے تکلف ہونا، وہ بھی میری نظروں کے سامنے۔''

''شاہ تو مجھ سے ویسے ہی بات کرتے ہیں جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔'' وہ اپنی ناراضگی نہیں چھپا سکی تھی۔

''پہلے اور اب میں بہت فرق ہے، بہر حال تمہیں برا لگا اس کے لئے معذرت، شاید مجھے حق نہیں ہے تم پر ایسی کوئی حد لگانے کا۔''

''ایسا مت کہیں، میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو شکایت نہ ہو۔'' وہ فوراً ہی بول اٹھی تھی۔

''شکریہ، تم بہت اچھی ہو۔'' اس کی مسکراہٹ پر وہ محجوب سی ہوئی تھی۔

''اور میں بہت برا، شاہ تو ویسے بھی آج کل مجھے زہر لگنے لگا ہے۔'' اس کے مزید کہنے پر طروب اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

''اسے پورا یقین ہے کہ میں تمہیں راضی کر لوں گا اس سے شادی کے لئے حامی بھرنے پر، تمہیں ہنسی آ رہی ہے اور میری تشویش بڑھ رہی ہے کہ میں اس سے دوٹوک بات کیسے کروں گا۔''

''میں تو اس معاملے سے بھی دور رہنا چاہتی ہوں، یہ مشکل آپ نے کھڑی کی ہے، اسے آپ ہی دور کر سکتے ہیں۔'' وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں، تھوڑا وقت لگے گا لیکن یہ مشکل بھی دور ہو جائے گی۔'' مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا تھا۔

''ایک بات کہوں آپ سے، مانیں گے؟'' وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

''بالکل مانیں گے، کوئی شک؟'' شاہ زیب نے کافی دلچسپی سے اس کے تذبذب کو دیکھا تھا۔

''آپ دوبارہ کبھی شہرینہ کے بارے میں بات نہیں کریں گے، آج کے بعد، مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا آپ سے اس کا ذکر بھی سننا۔'' اس کے مدھم سنجیدہ لہجے نے ایک پل کے لئے شاہ زیب کو حیران کیا تھا۔

''اچھا لگا اپنے لئے تمہارا پوزیسو ہونا اور میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ میرے لئے ایسی ہی رہو۔'' اس کی جگمگاتی گہری نظروں پر پلکیں جھکاتے ہوئے طروب کے رخسار دہک اٹھے تھے۔

☆☆☆

طروب کو کچن میں اور شاہ زیب کو لیپ ٹاپ میں مصروف دیکھنے کے بعد موقع سے فائدہ اٹھاتا وہ ٹیرس کی پرسکون فضا میں آیا تھا اور شہرینہ کو کال کرنے کے ارادے پر عمل بھی کر ڈالا تھا۔

''میں نے سوچا تمہاری خیریت دریافت کروں، تم تو شاید اب میری شکل بھی نہ دیکھو۔'' وہ مسکراتے لہجے میں بولا تھا۔

''ایسا تو بالکل نہیں، ویسے میں خیریت سے ہوں اگر آج تم مجھے کال نہ کرتے تو ایک دو دن میں میں ہی تم سے کانٹیکٹ کرتی۔''

''کوئی خاص وجہ؟'' شاہ میر چونکا تھا۔

''ہاں، تمہیں گھر اور گاڑی کی چابیاں دینی تھیں، شاہ زیب کے حوالے کرنے کے لئے، گھر اور گاڑی اسی کی امانت ہیں میرے پاس، گھر کی باقی ساری قیمت میں نے ادا کر دی تھی، یہ میری ملکیت ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ گھر شاہ زیب کے حوالے کروں، آدھی سے زیادہ رقم اسی نے ادا کی تھی اس گھر کی، شاید تھوڑا بہت ازالہ ہو جائے، تم پلیز اس سے کہنا کہ مجھے معاف کر دے، جانتے ہو، تم سے سب کچھ کہہ دینے کے بعد میرے دل کا بوجھ تو ختم ہو گیا ہے، لیکن اس کی جگہ پشیمانیوں نے لے لی ہے۔'' شہرینہ کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

''پشیمان ہونا بھی چاہیے، لیکن جہاں تک بات ہے گھر اور گاڑی کی واپسی کی تو یہ تو تم بھی جانتی ہو کہ شاہ زیب کی فطرت کبھی یہ گوارا نہیں کرے گی کہ وہ تم کو دی گئی کوئی چیز واپس لے، اچھی بات یہ ہے کہ تمہارے ضمیر نے تمہیں ایک اچھا عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔''

''شاہ میر! وہ تمہاری بات رد نہیں کرے گا،

اسے کہو کہ کم از کم یہ دو چیزیں وہ واپس لے تا کہ میرا ضمیر کچھ تو مطمئن ہو جائے۔'' وہ التجائی لہجے میں بولی تھی۔

''رد تو میں بھی نہیں کر سکتا اب تمہاری کوئی بات، تم کہتی ہو تو آج ہی کر لیتا ہوں اس بارے میں بات۔''

''مجھے پتہ تھا تم ضرور میری بات مانو گے تھینکس۔''

''تھینکس اگر تم روبرو ہو کر کہو تو زیادہ اچھا نہیں ہوگا؟''

''چابیاں تمہارے حوالے کرنے کے لئے مجھے روبرو آنا ہی ہوگا، لیکن تم پہلے شاہ زیب تک میرا میسج پہنچاؤ۔''

''فکر مت کرو، میں ابھی اس سے بات کر لیتا ہوں۔'' سنجیدہ ہوتے ہوئے شاہ میر نے اسے یقین دلایا تھا۔

''اچھا ہوا آپ یہاں موجود ہیں مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔'' ٹیرس پر آتی طروب کے لہجے میں خوشی اور عجلت نمایاں تھی، شاہ میر کے استفسار پر اس نے اپنے اور شاہ زیب کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اسے آگاہ کر دیا تھا البتہ شاہ زیب نے شاہ میر کے حوالے سے جو ہدایات دی تھیں اسے طروب نے سنسر کر دیا تھا۔

''دیکھا تم نے، میں نہ کہتا تھا کہ ذرا خود کو مضبوط کرو، سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔'' شاہ میر کے یاد دلانے پر وہ مسکرائی تھی۔

''اب باقی چیزوں کو میرے اور شاہ زیب کے درمیان رہنے دو، اگر وہ میری وجہ سے پریشان ہے تو ہونے دو، تمہیں کیا کم پریشان کیا اس نے، یہی سزا ہے اس کی۔'' شاہ میر کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''اب تو خوش ہو؟'' شاہ میر نے بغور اس کے کھلے پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''جی ہاں، بہت زیادہ۔'' بولتے ہوئے وہ یکدم رک کر شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''اگر کوئی ضروری باتیں ہو رہی ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' شاہ زیب کا لہجہ بھلے ہی سادہ تھا مگر اس کی ایک چبھتی نگاہ نے ہی طروب کی مسکراہٹ غائب کر دی تھی۔

''اب تو آپ آ ہی گئے ہیں، تشریف رکھیے ہم ذرا اپنی ملکہ طروب کے ساتھ ایک سیلفی بنا لیں۔'' شاہ میر نے اتنی اچانک اس کے شانے کے گرد بازو حمائل کر کے قریب کیا تھا سیلفی لینے کے لئے کہ وہ کچھ کر نہیں پائی، البتہ شاہ زیب کی مستقل چبھتی نگاہوں نے اسے گم صم کر دیا تھا، کافی کی فرمائش ایک بہانہ تھی طروب کو ٹیرس سے بھیجنے کے لئے کیونکہ شہرینہ کے بارے میں کوئی بات وہ طروب کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم اس سے کہہ دینا کہ اگر وہ چاہتی ہے کہ میں اسے معاف کر دوں تو مجھے کوئی چیز واپس کرنے کی بات نہ کرے، نہ مجھے کسی حساب کتاب سے کوئی غرض ہے۔'' شاہ میر سے شہرینہ کا پیغام سن کر وہ سنجیدگی سے اتنا ہی بولا تھا۔

''اور سنو، طروب کے سامنے اس کا ذکر غلطی سے بھی مت کرنا، مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ طروب اسے سخت ناپسند کرتی ہے۔'' شاہ زیب نے تاکید کی تھی۔

''ظاہر ہے، میں کیوں چاہوں گا کہ طروب میری طرف سے بدظن ہو، میرے مستقبل کا سوال بھی تو ہے۔'' شاہ میر مسکراہٹ چھپائے بولا تھا، جبکہ شاہ زیب نے بس ایک تیکھی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

ٹیرس سے ان دونوں کو لاؤنج میں آتے دیکھ کر وہ ٹی وی کا والیوم کم کرتی شاہ زیب کی

طرف متوجہ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل اس کے سپاٹ چہرے اور دیکھنے کے انداز پر طروب سن سی ہوگئی تھی، جن نظروں سے وہ اسے دیکھتا ہوا سامنے سے گزرا تھا، وہ طروب کو ہراساں کرنے کے لئے بہت تھا، گھبرا کر اس نے قریب بیٹھے شاہ میر کو دیکھا تھا۔

''والیوم کیوں کم کیا، میں بھی تمہارے ساتھ بیوٹی ٹپس دیکھوں گا۔'' مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر شاہ میر نے ریموٹ اس سے لیا تھا جبکہ طروب کی نگاہ بے اختیار شاہ زیب کی طرف گئی تھی۔

''شاہ! ذرا پانی کی بائل لیتے آؤ۔'' اپنے کمرے کے دروازے پر رکا وہ کافی کھردرے لہجے میں مخاطب تو شاہ میر سے تھا مگر اس کی ناگوار نظریں طروب پر تھیں جو بوکھلا اٹھی تھی۔

''میں لے آتی ہوں۔'' اس نے اٹھنا چاہا تھا کہ شاہ میر نے جھٹ اس کا ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

''بیٹھی رہو، آتا ہوں شاہ زیب دو منٹ میں۔'' بول کر وہ تو ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہوگیا تھا جبکہ طروب کی تو جان ہی نکل گئی تھی، اس لمحے جب شاہ زیب سلگتی نظریں اس کے فق چہرے سے ہٹا کر کمرے میں گیا تھا۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا، بار بار اس کی منتظر نظریں باہر جا رہی تھیں مگر جس کا انتظار تھا اس کے آنے کے کوئی آثار بھی نہیں تھے، کوئی درجن بھر میسجز طروب نے اسے بھیجے مگر جواباً مکمل خاموشی، وہ یقیناً اس کو نظر انداز کر رہا تھا، طروب کے لئے یہ بہت حیران کن نہیں تھا کہ وہ ناحق اس حد تک کیوں ناراض ہوا ہے مگر اپنی کیفیت پر اسے شدید حیرت تھی کہ شاہ زیب کی ناراضی کا وہ اس حد تک اثر لے رہی ہے کہ نیند تک آنکھوں سے اڑ چکی تھی، سکون سے وہ اس کا انتظار بھی نہیں کر پا رہی تھی، ٹہل ٹہل کر پیر دکھنے لگے تھے بے چینی حد سے تجاوز کرنے لگی تھی، اگر شاہ میر کا خیال نہ ہوتا تو اب تک وہ شاہ زیب کے روبرو پہنچ چکی ہوتی، بھاری ہوتے دل کے ساتھ بالآخر وہ اسے کال کرنے پر مجبور ہوگئی تھی، ایک پل کو تو وہ بے یقین ہوئی تھی مگر یہ سچ تھا شاہ زیب نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''آپ ابھی اسی وقت یہاں آئیں، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' لرزتے لہجے میں بمشکل بولتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''آخر میرا قصور کیا ہے، آپ کیوں اس طرح کر رہے ہیں۔'' دوسری جانب جامد خاموشی پر طروب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں، ساری رات چاہے ایسے ہی گزر جائے مگر آپ کو آ کر مجھ سے بات کرنی ہوگی۔'' طروب کی بات ادھوری رہ گئی تھی، کہ وہ لائن ڈسکنیکٹ کر گیا تھا۔

ہال میں وہ ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسی پر بیٹھی کسی بت کی طرح ساکت تھی، رات دھیرے دھیرے گزرتی چلی گئی تھی، دور کہیں سے فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں، قدموں کی مانوس آہٹ کو سنتے ہوئے بھی طروب نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا، چند لمحوں تک شاہ زیب اسے دیکھتا رہا تھا مگر پھر کرسی کا رخ اس کی جانب کرتا بالکل سامنے براجمان ہوا تھا۔

''میرے لئے یہ احساس بہت اجنبی مگر بہت خوبصورت ہے کہ کوئی ہے جو میرا منتظر رہتا ہے، میرے لئے بے چین ہو اٹھتا ہے، بہت

عجیب مگر خوش کن ہے یہ احساس کے میرے مزاج کے موسم کسی کے دل پر اس حد تک بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔'' اس کے گمبھیر لہجے کو سنتے ہوئے وہ نظر جھکائے ساکت تھی۔

''میرے ساتھ یہ سب پہلی بار ہے طروب، شاید اسی لئے میں ان احساسات کی قدر نہیں کر پا رہا۔'' ایک پل کو وہ رکا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں کے درمیان محفوظ کرلیا تھا۔

''ایم سوری، تمہیں تکلیف دینے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، بس کسی اور کے قریب تمہیں دیکھنا برداشت نہیں ہوتا۔'' اس کے شرمسار لہجے پر طروب نے جلتی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''یہ سب پہلی بار نہیں، مجھے تو اب عادت ہو چکی ہے، ان احساسات کو محسوس آپ نے اب کیا ہے، آپ نے ٹھیک کہا، آپ ہمیشہ سے میرے لئے ایسے ہی ہیں، انجان سے، بے قدر، سنگدل۔'' لرزتے لہجے میں بولتی وہ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتی تیزی سے وہاں سے گئی تھی، وہ یقیناً اس کے سامنے آنسو عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، سامنے کمرے کے بند ہوتے دروازے کو دیکھتا شاہ زیب مستقل سیاہ بھنوراسی آنکھوں میں تیرتی اذیت میں ڈوبا دم بخود سا تھا۔

☆☆☆

بینک کی جانب بڑھتا وہ جہاں ٹھٹکا تھا وہیں بینک سے باہر آتی شہرینہ بھی پہلے چونکی اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ قریب آ رکی تھی، تراشیدہ بالوں کو پونی ٹیل میں جکڑے وہ کاٹن کے سادہ سے لباس میں ملبوس تھی، دوپٹہ شانوں پر پھیلائے سیاہ چمڑے کا بیگ کاندھے پر ڈالے وہ ایک پل کو الجھی تھی شاہ میر کی معنی خیز سی مسکراہٹ پر لیکن پھر ترچھی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''اس شیطانی مسکراہٹ کی وجہ؟'' اس کے سوال پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''یہ نیچرل بیوٹی ہے مسٹر، تم جیسے دیدہ ہوائی لوگوں کو اس کی پہچان کہاں۔'' شہرینہ کے جتانے پر وہ مزید ہنسا تھا۔

''اب چاہے کچھ بھی کہہ لو، مگر مجھے پتہ چل گیا، مصنوعی چیزیں تھوپ کر کوئی سپر ماڈل بن جائے یا فیشن آئیکون، اندر سے سب ایسی ہی نکلتی ہیں، جیسی کہ تم نظر آ رہی ہو۔'' شاہ میر کے کہنے پر اب کہ وہ اپنی ہنسی نہیں چھپا سکی تھی۔

''ویسے آپ بتانا پسند کریں گی کہ کیا کچھ لوٹ کر نکلی ہو بنک سے؟'' وہ اب بھی اسے چھیڑنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔

''یہ کام تمہیں مبارک ہو، میں نے جاب کے لئے اپلائی کیا تھا، اسی سلسلے میں آئی تھی، بتایا تو تھا تمہیں۔''

''یعنی اب تمہیں دوبارہ بنک میں شو پیس بن کر بیٹھنا ہے۔'' شاہ میر نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے تم سے جو کہا تھا، اس پر غور کرنے سے انا پر ضرب لگ رہی ہوگی۔''

''شاہ میر! بات انا کی نہیں ہے، تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میں شاہ زیب کا سامنا کرنا ہی نہیں چاہتی، اکیڈمی تم دونوں کی ہے، وہ تمہاری وجہ سے مجبور ہو کر مجھے اپنی اکیڈمی میں برداشت کرے، یہ مجھے گوارہ نہیں، میں صرف مصروف رہنے کے لئے جاب کرنا چاہ رہی ہوں، ایسی جگہ کام نہیں کرنا چاہتی، جہاں میری وجہ سے کوئی ڈسٹرب ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ ہمیں اکیڈمی میں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو

میری اور شاہ زیب کی غیر موجودگی میں بھی اکیڈمی کے معاملات مینج کر سکے، میری نظر میں تم سے زیادہ اسٹرانگ پرسنیلٹی اس پوسٹ کے لئے اور کوئی نہیں اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں اس بارے میں شاہ زیب سے بات کر چکا ہوں، اسے بالکل کوئی اعتراض نہیں، یقین نہیں تو ابھی میرے ساتھ اکیڈمی چلو۔''

''تم نے واقعی شاہ زیب سے بات کر لی ہے؟'' شہرینہ دنگ ہوئی تھی۔

''بالکل، اکیڈمی میں واقعی ضرورت ہے تمہاری، ورنہ میں کیوں تمہیں فورس کرتا، اب فٹافٹ یہ فیصلہ کرو اکیڈمی کو جوائن کب کر رہی ہو؟'' شاہ میر کی عجلت نے اسے کشمکش میں ڈالا تھا۔

''میں روز روز شرمندہ نہیں ہونا چاہتی، ٹھیک ہے بقول تمہارے اس کا دل صاف ہے میری طرف سے مگر پھر بھی، اگر اس نے کسی ناگواری کا اظہار کیا تو......''

''ایسا بالکل نہیں ہے ورنہ میں کیوں تمہیں شرمندہ کروانے کے لئے یہ جاب آفر کرتا، اچھا ایسا کرو گھر جا کر اس بارے میں سوچو بزدلی کو ایک طرف ہٹا کر، پھر رات تک مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔''

''انکار مت کرنا بس۔'' شاہ میر کی تاکید پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''ویسے دل بھر کے بے وفا ثابت ہوئی ہو، میں نے کال نہیں کی تو تم نے بھی زحمت نہیں کی، بندہ حال چال ہی پوچھ لیتا ہے۔''

''تمہارے حال چال کا پتہ ہے مجھے اس لئے زحمت نہیں کی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''تو نہ کرو زحمت، تم کون سا میری وہ ہو جو میں صدمے میں گرفتار ہو جاؤں گا۔'' اس کے خشمگیں لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''اگر تم ذرا دیر ٹھہرو تو میں تمہیں گھر تک ڈراپ کر دوں گا۔'' راسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا وہ بولا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں وہاں ٹیکسی میرا انتظار کر رہی ہے، تم جاؤ رات تک بتاتی ہوں تمہیں اکیڈمی جوائن کب کرنا ہے۔'' وہ آگے بڑھتی عجلت میں بولی تھی۔

''ایک منٹ رکو۔'' شاہ میر کی آواز پر وہ رکی تھی۔

''میں نے مذاق کیا تھا ورنہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو، اسی طرح رہا کرو۔'' اس کے سنجیدہ سے لہجے اور مسکراتی گہری نظروں نے ایک پل کے لئے شہرینہ کو گنگ کیا مگر اگلے ہی پل وہ خدا حافظ کہہ کر نظریں چراتی ٹیکسی کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''دیکھو سو باتوں کی ایک بات، تم نے کوئی کنوینس نہیں کیا مجھے، شہرینہ کو اکیڈمی جوائن کروانے کے لئے تم نے مجھے دھمکیاں دی ہیں، کیونکہ اچانک تم اس کے مہربان دوست بن گئے ہو۔'' شاہ زیب نے کافی بیزاری سے کہا تھا۔

''اب جو بھی ہے، یہ میری عزت کا سوال ہے، وہ یہاں پہنچنے والی ہے اور تمہیں ہر حال میں گرمجوشی سے اس کا استقبال کرنا، ویسے بھی تم گزری باتوں پر مٹی تو ڈال ہی چکے ہو۔'' شاہ میر نے فوراً کہا تھا۔

''ہاں، میرے دل میں بھی اس کے خلاف کچھ نہیں ہے، مگر میں کسی ایسے انسان کو اپنی نظروں کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا جس نے میرے ماں باپ کے لئے غلط الفاظ استعمال کیے ہوں، دوسری بات یہ کہ طروب کو بھی یہ سب ناگوار گزرے گا، وہ بھی یقیناً شہرینہ کا میرے اور

تمہارے ساتھ کام کرنے کے خلاف ہوگی۔"
"اب طروب کو یہ کون بتانے جا رہا ہے کہ شہرینہ ہماری اکیڈمی جوائن کر رہی ہے۔" شاہ میر زچ ہو کر بولا تھا۔
"میں موقع دیکھ کر طروب کو بتا دوں گا، ویسے بھی اس کا مستقبل مجھ سے وابستہ ہے، اسے سمجھانے اور راضی رکھنے کا کام میرا ہے۔" شاہ میر کے جتانے والے ذومعنی لہجے پر ناگواری کی ایک شدید لہر شاہ زیب کے دل میں اٹھی تھی لیکن اسے ضبط تو کرنا ہی تھا۔
"تم صرف میری خاطر، میری زبان کی خاطر شہرینہ کو ایک موقع دو، مجھے پورا یقین ہے کہ اب جو نئی شہرینہ میں نے دریافت کی ہے، اس سے مل کر تمہیں کوئی مایوسی نہیں ہوگی۔" شاہ میر کے اصرار پر اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔

☆☆☆

خجل سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ شاہ میر کو دیکھ کر رہ گئی تھی جو گلاس ڈور اس کے لئے کھولتا بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔
"آیئے محترمہ! خوش آمدید۔" شاہ میر کے مسکراتے لہجے پر وہ جھجکتے ہوئے شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو اسے ہی دیکھتا حق دق تھا۔
ٹی پنک نازک سی سرخ ایمبرائیڈری سے لیس کرتے میں سلیقے سے بڑا سا دوپٹہ شانوں پر سجائے پنک کلر کے ہی اسکارف کو خوبصورتی سے چہرے اور سر کے گرد لپیٹے میک اپ سے پاک سادہ چہرے میں وہ اگر شہرینہ تھی تو شاہ زیب واقعی پہلی نظر میں پہچان نہیں سکا تھا، شاہ میر اس کے دنگ تاثرات بھانپ کر کافی لطف اندوز ہوا تھا۔
"شاہ زیب! تم نے ان کو پہچانا نہیں؟"
شاہ میر کے مسکراتے لہجے پر وہ چونک کر دوبارہ شہرینہ کے شرمندہ تاثرات کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
"نہ پہچاننے کا کیا سوال، بیٹھو شہرینہ، کیسی ہو تم، اور گھر میں سب کیسے ہیں؟" بہت نارمل انداز میں شاہ زیب نے مخاطب کیا تھا۔
"سب ٹھیک ہیں، تھینکس، طروب کیسی ہے؟" وہ بمشکل پوچھ سکی تھی۔
"طروب بھی اچھی ہے، بہت پیاری فرمانبردار بچی ہے، اب اس حال احوال سے آگے بڑھ کر اس مدعے پر آنا چاہیے جس کے لئے آپ میری دعوت قبول کر کے یہاں تشریف لائی ہیں۔" شاہ میر کے درمیان میں مداخلت کرنے پر وہ خجالت سے مسکرائی تھی۔
"شاہ نے بہت اچھا کیا تمہیں اکیڈمی جوائن کرنے کا مشورہ دے کر، مجھے یقین ہے کہ تم یہاں معاملات کو اچھی طرح سنبھال سکتی ہو۔" شاہ زیب نے کہا تھا۔
"دراصل میں تو شاہ میر کی بات مان کر ہی یہاں آئی ہوں۔" ایک پل کو رک کر شہرینہ نے شاہ میر کو دیکھا تھا۔
"نوازش۔" شاہ میر ضرورت سے زیادہ خوش ہوا تھا۔
"ورنہ مجھے نہیں لگتا کہ میں اتنی وسیع اکیڈمی کے لئے بہتر ثابت ہو سکتی ہوں۔" وہ ندامت بھرے لہجے میں بولی تھی۔
"کیوں نہیں، تم بالکل اس پوسٹ کے اہل ہو، تمہارے اندر اعتماد ہے حالات کو فیس کرنے کا، تم محنتی ہو، جس فیلڈ سے تم وابستہ رہی ہو، وہاں ہر کام میں پرفیکشن لازمی جز ہے، تمہارے لئے یہاں ایڈجسٹ ہونا بہت آسان ہے، پھر یہاں میں ہوں، شاہ میر ہے تمہارے ساتھ، باقی اسٹاف بھی بہت کوآپریٹو رہے گا تمہارے

ساتھ۔'' شاہ زیب کے سنجیدہ اور حوصلہ افزا لہجے نے اس کے اعتماد کو بحال کیا تھا۔

''مجھے تو کام کرنے کی عادت ہے، اردگرد کا ماحول اور لوگ اچھے ہوں، یہی بہت، میں پوری کوشش کروں گی کہ تم دونوں کو میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہو۔'' شہرینہ نے ان دونوں کو ہی دیکھا تھا۔

''اچھی بات ہے، چلو میں تمہیں یہاں کا سروے کروا دوں، باقی اسٹاف سے بھی تعارف ہوتا رہے گا۔'' شاہ زیب اپنی جگہ سے اٹھا تھا جبکہ شاہ میر نے حیرت سے شہرینہ کو دیکھا تھا جو بیگ کندھے پر ڈالتی شاہ زیب کے ہمراہ ہو گئی تھی۔

''ارے رکو تو، میں بھی آ رہا ہوں۔'' شاہ میر اس طرح اگنور کیے جانے پر ہول کر ان دونوں کے پیچھے سرعت سے گیا تھا۔

☆☆☆

گیلے بالوں کو ٹاول سے آزاد کرتی وہ واش روم سے باہر نکلتی چونک اٹھی تھی، کمرے کی فضا میں پھیلی بھینی بھینی سی مہک اور بیڈ پر رکھے فلاورز نے اسے دنگ کر دیا تھا، اس میں تو کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ گھر میں وہ تنہا نہیں۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ بیڈ کے قریب آئی تھی، چند لمحوں تک وہ حیران کیفیت میں ان سرخ گلابوں کو دیکھتی رہی تھی اور پھر ان کے درمیان رکھا خوبصورت سا کارڈ اٹھا کر کھولا تھا، نمایاں طور پر جگمگاتے سوری پر اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کھلتے دروازے کی جانب دیکھا تھا، اپنی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کی جانب بڑھ آیا تھا جو اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں سکی تھی۔

''مجھے پوری امید ہے کہ تم مجھ سے اب بالکل ناراض نہیں ہو۔'' شاہ زیب نے اس کی جھکی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔

''پتہ ہے تمہیں بھی کہ تمہاری خاموشی اور ناراضی سے گھر کی رونق ختم ہو جاتی ہے اسی لئے تنگ کر رہی ہو۔'' اس کے ناراض لہجے پر طروب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔

''پھول دے کر آپ نے میری ساری ناراضی ختم کر دی ہے۔'' وہ چہکی تھی۔

''اور تمہارے نظر انداز کیے جانے پر میں جو مرجھا کر رہ گیا ہوں۔'' وہ شکایت کر رہا تھا۔

''کوئی نہیں، ان پھولوں سے بھی زیادہ فریش نظر آ رہے ہیں۔'' اس کے فوراً کہنے پر وہ حیرت سے اسے دیکھتا بے ساختہ ہنسا تھا۔

''تمہاری اس تعریف پر سر پکڑ کر بیٹھنے کا حق ہے مجھے مگر ٹائم کی کمی ہے اور ابھی تو تمہاری اس مسکراہٹ کی خوشی میں تمہیں شاپنگ کروانے بھی لے جانا ہے مجھے، لہٰذا فوراً تیار ہو کر باہر آؤ۔''

''مگر مجھے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ضرورت نہیں ہے تو بھی چلو، یہ تو بس بہانہ ہے تمہارے ساتھ کچھ وقت باہر گزارنے کا، ویسے بھی تم گھر میں قید رہ کر کہیں آدم بیزار ہی نہ ہو جاؤ، صرف دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔'' اسے تاکید کرتا وہ کمرے سے نکلا تھا۔

اس کے لئے یہ سب کسی خواب سے کم نہیں تھا، کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ شاہ زیب کی اتنی توجہ اور اہمیت کا مرکز وہ بن جائے گی، شاہ میر کی موجودگی میں اس کے معنی خیز لہجے اور نظریں طروب کو سرشار کرنے کے لئے بہت تھیں، آج تو اس کا چہرہ بھی کھلا جا رہا تھا، اسے یاد نہیں کہ شاہ زیب کی سنگت میں وہ کہاں کہاں سے گزری، شاہ زیب نے اس کے لئے کیا پسند کیا اس نے کیا

کچھ خریدا یا در ہا تو بس یہ کہ بہت قریب آجانے والا یہ شخص اس کی وہ دعا تھی جسے اپنے لبوں تک لانے کے قابل بھی وہ خود کو نہیں سمجھتی تھی۔

ہوش تو اسے تب آیا جب ایک جیولری شاپ میں شاہ زیب نے اسے رنگ پسند کرنے کے لئے کہا تھا، وہ دنگ تھی مگر شاہ زیب کی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد اسے نہ کوئی سوال کرنے کی ضرورت رہی نہ شاہ زیب کو کسی وضاحت کی۔

اس لمحے سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آگیا تھا، جب کینڈل لائٹ ڈنر کے آغاز اور پرفسوں ماحول میں شاہ زیب نے بہت استحقاق سے وہ رنگ اس کی انگلی میں پہنا دی تھی، چند لمحوں تک وہ اس کی مومی انگلی میں جگمگاتی رنگ کو دیکھتا رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہیں اچانک اس سب پر حیرت ہو گی، شاید تم پریشان بھی ہو۔'' وہ کافی سنبھل کر بولا تھا جبکہ طروب کو ہنسی آئی تھی اس کی سادگی پر۔

''لیکن میں کیا کروں، شاہ نے زچ کر رکھا ہے، خیر تم کھانا شروع کرو، کوئی تکلف نہیں۔'' اس کی توجہ کھانے کی طرف دلاتا وہ موضوع بدل گیا تھا۔

''شاہ واقعی اپنا اپارٹمنٹ خرید رہے ہیں؟'' کھانے کے دوران طروب نے ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''ہاں، کیونکہ اب وہ شادی کرنے کے لئے پوری طرح سنجیدہ ہو رہا ہے، سنو اس نے تم سے تو کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی، میرا مطلب ہے شادی کے لئے تمہاری رضا مندی کے سلسلے میں؟''

''نہیں، ان کو شاید یہ ڈر ہے کہ کہیں میں خفا نہ ہو جاؤں، ویسے بھی ان کو بھروسہ ہے کہ آپ اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔''

''کتنے اطمینان سے یہ بات کہہ دی تم نے۔'' شاہ زیب نے بات کاٹی تھی جبکہ اس کے اترے چہرے پر طروب بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

''ایک بات کہوں۔'' وہ یکدم سنجیدہ ہوا تھا۔

''شاہ میر مجھے بہت عزیز ہے، اس کے لئے میں اپنی ہر خوشی قربان کر سکتا ہوں، مگر تمہیں اس کے حوالے نہیں کر سکتا، چاہے وہ مجھ سے بدظن ہو کر میرا دشمن بھی بن جائے۔'' اس کے قطعی لہجے پر طروب اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

پہلی شفٹ کی آخری کلاس کے ساتھ ہی تمام اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز جا چکے تھے، ایک گھنٹے کے وقفے کے بعد سیکنڈ شفٹ اسٹارٹ ہو جاتی تھی جس میں سیکنڈ شفٹ کے ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس کی آمد و رفت شروع ہو جاتی تھی، اس وقت لیب کی پر سکون خاموشی میں وہ اسٹوڈنٹس کے بنائے گئے پروجیکٹس کے پیپرز دیکھ رہی تھی، یہی ایک گھنٹہ کچھ سکون سے بیٹھنے کے لئے ملتا تھا، جس میں وہ شاہ میر اور شاہ زیب کے ساتھ لنچ بھی کرتی تھی، اکیڈمی کے کچھ ملازمین کے علاوہ اب ایک وہی تھا جو صبح سے رات تک اکیڈمی میں موجود رہتی تھی، شاہ زیب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شہرینہ اتنی اچھی طرح یہاں کے انتظامات سنبھالے گی، اسے اور شاہ میر کو کسی نہ کسی کام سے اکیڈمی سے باہر جانا پڑ جاتا تھا، اب شہرینہ کی موجودگی میں ان دونوں کی ہی فکر نہیں ہوتی تھی، کلاسز کے شیڈول سے لے کر وہ اسٹوڈنٹس کے معاملات اور ایڈمیشن کے لئے آنے والوں کو بھی ڈیل کرتی تھی بس یہ تھا کہ دونوں شفٹوں میں اس

کے ساتھ ایک ہیلپر موجود رہتی تھی، باقی میل، نی میل سب ہی ٹیچر اس کی اہمیت سے آگاہ ہو چکے تھے، اس کی کسی بات سے اختلاف کرتے ہی نہ تھے، دوستانہ تعلقات اس کے کسی سے یہاں نہیں تھے، کچھ اس کی شخصیت اور انداز کا رعب و دبدبہ بھی تھا، اس کے آنے کے بعد اکیڈمی میں بہت نظم و ضبط آ گیا تھا، ایک تعلیمی ادارے کے جو قاعدے قوانین ہونے چاہیں شہرینہ نے سب سے پہلے ان کا پابند سب کو کر دیا تھا، بس ایک اس کا رعب کسی پر قائم نہ ہو سکا تو وہ ظاہر ہے شاہ میر ہی ہو سکتا تھا، ٹیبل سے سامان سمیٹتی وہ ایک پل کے لئے شاہ میر کی طرف متوجہ ہوئی جو گلاس ڈور کھولتا اندر آ رہا تھا۔

''کہاں غائب تھے تم؟'' وہ مصروف انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''تم کہاں جانا ہے اور تمہارے حکم پر سیکنڈ فلور کے لیب میں سر کھپا رہا تھا دو گھنٹے سے۔'' وہ بیزاری سے بولا تھا۔

''وہاں کے سوئچ بورڈ ٹھیک کیے؟ اور وہ جو کمپیوٹرز خراب تھے وہ۔''

''سب ہو گیا ٹھیک، میری گرینڈ ماں، بخش دو مجھے۔'' شاہ میر نے جس طرح ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے تھے وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تھینک یو سو مچ، دو دن سے اتنی پرابلم ہو رہی تھی وہاں کے اسٹوڈنٹس کو دوسری لیب میں ایڈجسٹ کروانے میں، ایک منٹ، یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' شہرینہ اچانک چونکی تھی اس کی سرخ آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''کہاں ٹھیک ہے طبیعت، فیور ہو رہا ہے رات سے، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں مجھ مسکین کو۔'' وہ چہرے پر مسکینیت طاری کیے بول رہا تھا جب لیب کا گلاس ڈور کھلا تھا۔

''تم نے گھر سے کھانا کیوں منگوایا شہرینہ؟'' شاہ زیب اندر آتا بولا تھا۔

''آ گیا گھر سے کھانا، شاہ میر نے فرمائش کر رکھی تھی، اس لئے سوچا آج بریانی امی سے بنواؤں، لیکن مجھے پتہ نہیں تھا کہ آج ہی شاہ میر کی طبیعت خراب ہونی ہے۔''

''کیوں کیا ہوا تمہاری طبیعت کو؟'' قریب آتے شاہ زیب نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''بخار تو تیز لگ رہا ہے۔''

''میرے پاس تھرمامیٹر ہے ابھی پتہ چل جائے گا۔'' شہرینہ اپنے بیگ سے تھرمامیٹر نکال کر تیزی سے واش بیسن کی طرف گئی تھی۔

''تم کم تھے جو یہ ایک اور آ گئی نفسیاتی......'' شاہ میر کے بیزار لہجے پر مسکراتے ہوئے شاہ زیب نے اس کا بازو پکڑ کے کرسی پر بیٹھایا تھا اور پھر شہرینہ سے تھرمامیٹر لیا تھا۔

''ویسے معاف کرنا، میں دیکھ چکا ہوں کھانے میں کیا کیا آیا ہے، گرم گرم خوشبو اڑاتی مٹن بریانی، رائتہ، اتنا سارا فروٹ ٹرائفل۔'' شاہ زیب یقیناً شاہ میر کو سنا رہا تھا جس کے منہ میں تھرمامیٹر تھا کچھ بول نہیں سکتا تھا اگر اس کی آنکھیں ہی نہیں بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔

''اور اٹالین سلاد بھی تو ہو گا، میں خود بنا کر آئی تھی۔'' شہرینہ نے درمیان میں لقمہ دیا تھا اور تھرمامیٹر کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''میرے خدا! شاہ زیب اسے ایک سو تین بخار ہے۔'' شہرینہ تشویش میں مبتلا ہوئی تھی۔

''ارے گولی مارو بخار کو، وہاں بریانی میرے انتظار میں ٹھنڈی ہو رہی ہے اور تم آ گئیں درمیان میں تھرمامیٹر لہراتیں۔'' شہرینہ کو گھرک

کر وہ سرعت سے باہر جانا چاہتا تھا مگر شاہ زیب کی گرفت میں اس کا کالر آ گیا تھا۔

''چلو، آرام سے لیٹ جاؤ یہاں، بھول جاؤ بریانی، تم صرف دودھ اور بسکٹ پر گزارا کرو گے۔'' شاہ زیب نے اسے صوفے پر دھکیلا تھا۔

''کیوں بیمار کی ہائے لے رہے ہو، ایک پلیٹ ہی بریانی دے دو ورنہ بد دعا دے دوں گا۔'' شاہ میر کی دھمکی پر کھانا ٹیبل پر لگاتی شہرینہ ہنسی تھی۔

ٹیبلٹس کھا کر بھی شاہ میر نے آنکھیں بند کرنے کا نام نہیں لیا تھا، اس کا صدمہ بجا تھا، اپنے حصے کی بریانی بھی ان دونوں کو کھاتے دیکھنا اس سے برداشت کیسے ہو سکتا تھا، شاہ زیب اور شاہ میر کی نوک جھونک کے درمیان اچھا وقت گزرا، سیکنڈ شفٹ کا ٹائم جلد شروع ہو گیا، شاہ میر تب تک ٹیبلٹس کے زیر اثر سو چکا تھا، پردے پھیلا کر شہرینہ آفس سے نکلی تو باہر موجود پیون کو اس نے سختی سے تاکید کر دی تھی کہ شاہ زیب کے علاوہ کسی کو آفس میں نہ جانے دے، معمول کی مصروفیت کے دوران اسے جب جب موقع ملا وہ ایک نظر شاہ میر کو دیکھنے آتی رہی تھی، ہر بار وہ اسے بے سدھ سوتا ہوا ہی نظر آیا تھا۔

اکیڈمی آف ہونے کا وقت قریب تھا، فراغت ملتے ہی وہ رسٹ واچ پر نظر ڈالتی آفس میں آئی تھی، پردہ ہٹا کر اس نے ذرا جھانکا تو شاہ میر چھت کو دیکھتا کسی سوچ میں گم نظر آیا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' شہرینہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر پردے ایک طرف سمیٹ کر سینٹرل ٹیبل کے کنارے آ بیٹھی تھی جبکہ صوفے کے بازو پر سر رکھے شاہ میر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''کس سوچ میں گم تھے؟ خیریت ہے سب؟''

''سوچ تو رہا تھا، کیا سوچ رہا تھا اگر یہ بتاؤں تو یقین کرو گی؟'' اس کے عجیب سے لہجے پر شہرینہ چونکی تھی۔

''میرا خیال ہے نہ بتاؤ تو اچھا ہے، ہر سوچ شیئر نہیں کی جاتی۔'' دامن بچانے والے انداز میں بولتی وہ اٹھ کر جانا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی شاہ میر سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑتا اٹھ بیٹھا تھا۔

''تم ہوش میں تو ہو؟'' ناگواری سے شہرینہ نے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔

''ایم سوری، لیکن میں چاہتا ہوں تم میری بات سنے بغیر نہ جاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''میں جس کے بارے میں سوچ رہا ہوں، اس سے شیئر تو کیا جا سکتا ہے۔'' اس کے کہنے پر شہرینہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

''یہ سچ ہے میں تمہارے بارے میں سوچنے لگا ہوں۔'' شاہ میر کے گمبھیر مدھم لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی، دوسری جانب اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ صوفے سے اٹھا تھا۔

''کل کچھ وقت نکالو میرے لئے، تمہیں کچھ دکھانا ہے اور کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔'' نظر اٹھا کر شہرینہ نے واش روم کے بند ہوتے دروازے کو دیکھا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ انجان تھی مگر انجان رہنے کی کوشش ضرور کر رہی تھی، گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ شاہ زیب اور اس کے درمیان تکلف کی حد قائم تھی اور اسی حد میں ہی عافیت تھی، وہ بہت ممنون تھی کہ شاہ زیب نے ماضی کی کسی تلخی کے حوالے سے ایک لفظ تک نہ کہا تھا، اکیڈمی کے معاملات اور خیر خیریت کے علاوہ اس کے اور

شاہ زیب کے درمیان کوئی بات نہ ہوتی تھی، لیکن شاہ میر اور اس کے درمیان بے جا تکلف کی کوئی دیوار نہیں رہی تھی اس کی اہم وجہ شاہ میر کی فطرت ہی تھی، یہاں شاہ زیب سے زیادہ شاہ میر سے اسے بہت ڈھارس ملی تھی، وہ اس کا خیال بھی زیادہ رکھتا تھا، وہ محسوس کر رہی تھی کہ شاہ میر اور اس کے درمیان کچھ ایسا ہے جو ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط ہوتا جا رہا ہے، شاید اسی لئے شاہ میر کی کوئی ذومعنی بات یا گہری نظر اسے کبھی جھنجھلاہٹ میں بتلا نہیں کرتی تھی، اکیڈمی کے تھکا دینے والے دن کے اختتام کے بعد جب وہ گھر میں سکون سے سونا چاہتی تو ایسے میں شاہ میر کی کال اسے کبھی کوفت میں بتلا نہیں کرتی تھی، سچ تو یہ تھا کہ اس سے بات کر کے تھکن ختم ہو جایا کرتی تھی، تشویش تب شروع ہوئی جب وہ محسوس کرنے لگی کہ شاہ میر اور اس کے درمیان جو تعلق ہے وہ کسی اور سمت جا رہا ہے، اس بارے میں سوچنے سے ہی اسے وحشت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

لاؤنج میں آتے ہوئے اس نے رک کر دیکھا تھا، شاہ میر تو کمبل سینے تک چڑھائے سو چکا تھا مگر اس کے قریب موجود طروب ایک گھنٹہ گزر جانے کے باوجود ایک ہاتھ سے شاہ میر کا سر دباتی دوسرے ہاتھ میں موجود اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی۔

''شاہ میر سو چکا ہے۔'' خاموشی میں ابھرتی خنک آواز پر طروب نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

''جی ہاں، سو رہے ہیں۔''

''میں نے تم سے پوچھا نہیں ہے، بتا رہا ہوں تمہیں۔'' شاہ زیب کے دبے دبے مگر گھر کنے والے لہجے اور کڑی نظروں پر طروب کا رنگ فق ہوا تھا۔

''لیکن تم چاہو تو شوق سے بیٹھی رہو ساری رات سرہانے۔'' ہلکی آواز مگر غصیلے لہجے میں بول کر وہ سلگتی نظریں اس پر سے ہٹاتا ٹیرس کی سمت بڑھ گیا تھا، طروب بس چند لمحے تذبذب میں رہی مگر پھر خفت کے باوجود اس کے پاس جانے سے خود کو روک نہیں سکی تھی، آج صبح ہونے والی بارش نے سردی میں اضافہ کر دیا تھا، ہوا نہیں تھی مگر خنکی نے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں تو بس ان کے گہری نیند سو جانے کی ہی منتظر تھی، اسی لئے وہاں موجود رہی، کہ مجھے لگ رہا تھا، آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں مجھ سے۔'' اس کے مدھم لہجے پر شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں کہنا مجھے، تم بس دل بھر کر مجھے اگنور کرو، تمہیں ہر بات شاہ میر سے کرنی ہوتی ہے، اسے ہی مخاطب کرنا یاد رہتا ہے تمہیں، کیا میں محسوس نہیں کر سکتا کہ مجھ سے ہی فاصلہ رکھا جاتا ہے، میری بے قدری کا بدلہ تم اب مجھے اگنور کر کے لے رہی ہو۔'' دنگ نظروں سے طروب اسے دیکھتی رہ گئی تھی جو پھٹ پڑا تھا۔

''سارا دن باہر گزار کر میں گھر میں اس لئے نہیں آتا ہوں کہ تمہیں شاہ میر کے آگے پیچھے گھومتا دیکھتا رہوں احمقوں کی طرح۔''

''آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟'' اس کے لرزتے لہجے پر شاہ زیب کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''جس کے لئے دل میں محبت ہو، عقیدت ہو اس کے سامنے تو نگاہ تک اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور آپ مخاطب کرنے کی بات کرتے ہیں، قربت کی بات کرتے ہیں، کمال کرتے ہیں۔'' دو موتی اس کی جھکی پلکوں سے پھسل کر عارض پر چمک اٹھے تھے، ٹھٹرتی سی چاندنی میں اس کے کانپتے لبوں سے سسکتے جملے شاہ زیب کو دم بخود کر گئے تھے، بے اختیار اس نے طروب کے معصوم

سے آزردہ چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں دھیرے سے بھر لیا تھا۔

''یہ کیسے سوچا تم نے کہ مجھے تم پر بھروسہ نہیں؟ مجھے تو تم اپنے وجود، اپنی روح کا حصہ لگتی ہو، سارے حق تمہیں سونپے ہیں اور تم بھروسہ نہ ہونے کی بات کرتی ہو، کمال کرتی ہو، کیا مجھے حق نہیں تم سے شکایت کرنے کا؟'' بوجھل لہجے میں بولتے ہوئے وہ اس کی بھنورا آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھے گیا تھا۔

''آپ سزا پہلے دے دیتے ہیں شکایت بعد میں کرتے ہیں۔'' پلکیں جھکائی وہ شکایت کر رہی تھی۔

''تم میرے سوا کہیں اور توجہ دو، میرے سوا کسی اور سے بات کرو، میرے سوا کسی اور کو مسکرا کر دیکھو، یہ سب جلا کر راکھ کر دیتا ہے مجھے، اسی لئے غصے میں بے سوچے سمجھے بول جاتا ہوں، مگر تم یہ سب نہیں سمجھو گی، جاؤ جا کر سو جاؤ۔'' بجھے لہجے میں بولتا وہ رخ موڑ گیا تھا، گہری سانس لے کر باؤنڈری پر ہاتھ رکھتے ہوئے طروب نے اسے دیکھا تھا جو گارڈن ایریا کی جانب دیکھتا جانے کہاں گم تھا۔

''آپ کو یہ لگتا ہے کہ آپ کو اس طرح پریشان دیکھنے کے بعد بھی میں سکون سے سو سکتی ہوں؟''

''شاہ میر چچی جان کے پاس جانا چاہتا ہے کچھ دن کے لئے، مس کر رہا ہے وہ اپنے گھر والوں کو، دو سال گزر چکے ہیں ان سب سے ملے ہوئے اسے۔'' شاہ زیب نے جواباً یہ کہا تھا۔

''واقعی؟ مجھ سے تو ذکر نہیں کیا شاہ نے اب تک۔'' طروب حیرانی سے بولی تھی۔

''آپ ان کے جانے کی وجہ سے پریشان ہیں؟''

''نہیں، وہ اپنی شادی کے سلسلے میں بات کرنے جا رہا ہے، اسے پورا یقین ہے کہ میں تمہیں راضی کر لوں گا شادی کے لئے۔'' اس کے بے بس لہجے اور چہرے کے تاثرات پر طروب بہت مشکل سے اپنی امڈتی ہنسی کو روک سکی تھی۔

''کیا انہوں نے صاف طور پر آپ سے کہا ہے کہ وہ میرے بارے میں اپنی امی اور بھائی سے بات کرنے جا رہے ہیں؟''

''نہیں مگر میں یہ جانتا ہوں، اسے صاف صاف اور کیا کہنے کی ضرورت ہے۔''

''تو پھر آپ کو ان سے بات کرنے کی ضرورت ہے، آپ ان سے کہہ دیں کہ آپ امی اور ابو کی وصیت پر عمل کریں گے۔'' طروب نے قطعی انداز میں فیصلہ سنایا تھا۔

''جو کچھ میں اس سے کہہ چکا ہوں اس کے بعد یہ بات دوٹوک انداز میں کرنا آسان نہیں۔'' وہ بولا تھا۔

''آپ کو یہ کرنا ہی ہوگا، آپ کی پریشانی کا حل آپ کے پاس ہی ہے۔'' اس کے کچھ جھلائے انداز پر شاہ زیب نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

''میرے لئے اپنی کہی بات سے پھرنا بہت مشکل ہے، میں نے اسے زبان دی ہے طروب۔''

''تو پھر ٹھیک ہے اپنی کہی بات کا بھرم قائم رکھنے کے لئے جہاں ماضی میں آپ نے بہت نقصان اٹھائے تو اب بھی اپنی زبان کی پاسداری کے لئے آپ کر دیں مجھ شاہ کے حوالے۔'' وہ سلگتے لہجے میں بولی تھی۔

''تم حواسوں میں ہو یا نہیں؟'' شاہ زیب نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا جو لب بھینچے جانے کے لئے پلٹ گئی تھی شاہ زیب کے

پکارنے پر بھی نہیں رکی تھی۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا، ایسا گمان تھا کہ کسی بھی لمحے بادل برس جائیں گے، ایسے میں دور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا منظر بہت دلکش تھا، ٹیرس کی باؤنڈری پر کہنیاں ٹکائے وہ اسی منظر میں گم تھا کہ شہرینہ وہاں چلی آئی تھی۔

''بہت مبارک ہو، بہت زبردست لوکیشن ہے یہاں کی، میری دعا ہے ایسے دس گھر ہوں تمہارے۔'' اس کی طرف آتی وہ بولی تھی۔

''ایسی دعا بھی نہ دو، دس گھر سنبھالنے کے لئے دس گھر والیاں کہاں سے لاؤں گا۔'' شاہ میر کے ٹوکنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تمہیں برا تو نہیں لگا، میری وجہ سے تمہیں شاہ زیب سے غلط بیانی کر کے یہاں آنا پڑا؟'' سرخ اسکارف میں قید اس کے صاف شفاف چہرے کو بغور دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

''بالکل نہیں، لیکن اگر تم مجھے بتا دیتے کہ تم اپنا گھر دکھانے کے لئے لے جانا چاہتے ہو تو میں شاہ زیب کو سچ بتا دیتی، آخر اس میں چھپانے والی بات کیا تھی؟'' شہرینہ نے سوال بھی کیا تھا۔

''دراصل شاہ زیب اور طروب دونوں کو ابھی یہ معلوم نہیں کہ میں گھر فائنل کر چکا ہوں، سچ تو یہ ہے کہ میں چاہتا تھا اس گھر میں سب سے پہلا قدم تم رکھو۔'' اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر شہرینہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا اب بھی اس میں حیران ہونے کی کوئی وجہ ہے؟'' اس کی حیرت کو بھانپ کر وہ بولا تھا جبکہ شہرینہ نظر چرا گئی تھی۔

''میں کوئی تمہید نہیں باندھوں گا، سیدھی بات کروں گا، کچھ دنوں میں ہی میں باہر جا رہا ہوں، امی اور بھائی سے اپنی شادی کے بارے میں بات کرنے، کچھ ہیلتھ پرابلم کی وجہ سے امی اور اپنی جاب کی وجہ سے بھائی کا یہاں آ جانا ممکن نہیں جبکہ میں شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں، مگر ان دونوں سے کوئی بات کرنے سے پہلے مجھے تمہاری رضامندی چاہیے۔'' اس کے صاف گو انداز پر شہرینہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''کچھ کہو گی نہیں؟'' اس کی خاموشی پر وہ پوچھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں تم نے میرے لئے اس حد تک کیسے سوچ لیا، سچ کہوں تو مجھے یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہے، شاید مجھے یہ سوچنا بھی ٹھیک نہیں لگے گا کیونکہ تم میرے ماضی سے واقف ہو، پانچ سال تک میرا ایک تعلق رہا ہے اس انسان سے جو تمہارے بہت قریب ہے، جس سے تم کبھی الگ نہیں ہو سکتے، جو سچ آج تمہارے لئے بے معنی ہے، آگے جا کر وہ تمہاری انا پر ضرب بن کر دن رات لگتا رہا تو کیا کرو گے؟ میں تمہارے جذبے اور فیصلے کی قدر کرتی ہوں مگر میرا پرخلوص مشورہ یہی ہے کہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھاؤ جو تمہیں شاہ زیب سے بدظن کر دے، ہو سکتا ہے شاہ زیب تمہارے اس فیصلے کو سن کر ہی تم سے بدظن ہو جائے، کسی نئے رشتے کو بنانے کے لئے پرانے رشتوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔'' بات مکمل کر کے شہرینہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو بغور اس کی طرف متوجہ تھا۔

''بس یہی خدشات ہیں تمہارے دل میں یا اور بھی وجوہات ہیں حقیقت سے نگاہ چرانے کے لئے؟''

''کیسی حقیقت؟'' وہ بولی تھی۔

''بتاتا ہوں، پہلے تو تم یہ ذہن نشین کر لو کہ مجھے تمہارے ماضی سے کوئی سروکار نہیں، تمہارے اور شاہ زیب کے درمیان بس ایک نام نہاد تعلق

تھا جس کی اگر کوئی حقیقت ہوتی تو نہ آج وہ تمہاری طرف دیکھنے کا روادار ہوتا نہ تم اس کا چہرہ دیکھنا چاہتیں، مجھے اس دن تم پر بہت بھروسہ اور یقین ہو گیا جب تم نے اپنی زندگی کے سچ میرے سامنے بیان کیے، دل میں تمہاری عزت مزید بڑھ گئی جب سب کچھ ختم ہونے کے بعد بھی شاہ زیب نے تمہارے کردار کے پاک صاف ہونے کی گواہی دی، ٹھیک ہے اس دنیا میں ہر انسان آگے بڑھنے کے لئے راستے ڈھونڈتا ہے اس میں کچھ غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں جو کہ تم سے بھی ہوئیں مگر تم نے کسی کو ناقابل تلافی نقصان میں بتلا نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ شاہ زیب آج بھی تمہاری عزت کرتا ہے اور وہ ہمیشہ کرے گا کیونکہ دل میں کینہ رکھنے والا وہ انسان نہیں ہے، نہ ہی میرے دل میں شاہ زیب یا تمہارے لئے کوئی بغض یا شک ہے، سب کچھ میری نظروں کے سامنے ہے، مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے اسی لئے آج ہم تینوں ایک ساتھ کام کر رہے ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہم تینوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہے، شاید بات بہت طویل ہو جائے مگر میں آخر میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ آج کی حقیقت یہی ہے کہ میں اور تم ایک دوسرے کو جانتے ہیں، سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کی پرواہ رکھتے ہیں، سب سے بڑھ کر تم مجھ پر اعتبار کرتی ہو اس لئے یہاں تنہائی میں میرے ساتھ موجود ہو اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم دونوں ایک ساتھ بہت اچھے لگتے ہیں یہ دنیا کو بھی نظر آنا چاہیے۔'' اس کی مسکراتی نظروں پر شہرینہ نے نگاہ جھکالی تھی۔

''تمہاری کیا رائے ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں، مجھے کیا کہنا چاہیے۔'' نظر جھکائے وہ تذبذب کا ہی شکار نظر آتی تھی۔

''میں سمجھ سکتا ہوں کہ ابھی کچھ بھی کہنا تمہارے لئے دشوار ہے، مجھے بھی کوئی جلدی نہیں، میں پندرہ دن کے لئے جا رہا ہوں، وہاں پہنچ کر ہی کسی دن تم سے اس بارے میں کوئی سوال کروں گا، تب تک تم ہر طرح سے سوچ لو، تمہارا ہر جواب مجھے منظور ہو گا، زبردستی کا قائل بھی نہیں۔''

''اب یہ بات کہہ کر شرمندہ تو مت کرو۔'' شہرینہ نے کچھ خفگی سے ٹوکا تھا۔

''میں ایسا بالکل نہیں کر رہا، بلکہ میں تو تمہیں اس خوشی کے موقع پر خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اپنی محنت سے میں نے یہ گھر حاصل کیا ہے اور اس میں پہلا قدم اس ہستی نے رکھا جسے میں یہاں صبح شام اپنی نظر کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں، زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ میں نے تمہیں پرپوز کرنے کا معرکہ انجام دے دیا ہے مگر افسوس کہ اس خوشی کے موقع پر منہ میٹھا کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہارے بیگ میں چاکلیٹس موجود ہوں گی۔''

''مطلب، آج مجھ سے چاکلیٹس ہتھیانے کا تمہیں کوئی بہانہ نہیں ملا تو پرپوز کر دیا۔'' شہرینہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بیگ کھولا تھا۔

''کاش تمہاری اس بات میں کوئی سچائی ہوتی۔'' شرارتی نظروں سے شاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

''ہمیں اب واپس جانا چاہیے، میں نے صرف ایک گھنٹے کے لئے اکیڈمی سے فری ہونے کی اجازت لی تھی شاہ زیب سے۔'' رسٹ واچ پر نظر ڈالتی وہ عجلت میں بولی تھی۔

''یہ کیا، کس دل سے چاکلیٹ دی ہے تم

نے، اس میں تو ذرا بھی مٹھاس نہیں۔" پہلا بائٹ لے کر شاہ میر حیرت سے بولتا اسے بھی حیران کر گیا تھا۔

"ادھر دو ذرا۔" شہرینہ نے اس سے چاکلیٹس لے کر ذرا چکھا تھا۔

"مٹھاس ہے تو۔" شہرینہ نے بتاتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا پھر دو ذرا۔" اب کہ شاہ میر نے چاکلیٹ واپس لے کر دوبارہ ایک بائٹ لیا تھا۔

"اب تو بہت مٹھاس آ گئی ہے اس میں۔" مسکراتی نظروں سے شاہ میر نے اسے دیکھا تھا، جس کی حیرت گڑبڑاہٹ میں بدل گئی تھی، وہ دھیرے سے ہنسا تھا جبکہ شہرینہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ نظر چراتی واپس جانے کے لئے پلٹ گئی تھی۔

☆☆☆

کچن کی طرف آتا وہ بری طرح ٹھٹکا تھا، اگلے ہی پل اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔

"بس کچھ دنوں کی تو بات ہے، واپس تو مجھے یہیں آنا ہے، اس طرح روتی نظر آؤں گی تو میں کیسے جا سکوں گا احمق لڑکی۔" سامنے ہی شاہ میر اسے دلاسا دیتا نظر آیا تھا جو اس کے سینے سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔

"شاہ زیب! تم ہی سمجھاؤ اسے، میں ہمیشہ کے لئے تو ملک چھوڑ کر نہیں جا رہا۔" اس پر نظر پڑتے ہی شاہ میر نے مدد مانگی تھی۔

"تم سمجھاؤ تو اچھا ہے، ویسے بھی تمہاری بات اس کو زیادہ سمجھ آتی ہے۔" شاہ زیب کے سرد لہجے کو محسوس کرتے ہوئے طروب آنکھیں خشک کرتی چہرہ دوسری طرف موڑ گئی تھی۔

"اور کیا...... میں ہوں ہی اتنا اچھا، کیوں طروب؟" شاہ میر نے فخر سے مسکراتے ہوئے طروب کو دیکھا تھا جبکہ شاہ زیب ناگواری ضبط کیے کچن میں چلا گیا تھا۔

"اب یہ مکمل لائن پر آ چکا ہے، دیکھا تم نے کتنا جیلس ہو جاتا ہے یہ۔" شاہ میر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ان کے پاس اور کام ہی کیا ہے۔" طروب کے ناگواری سے کہنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا، کچن میں موجود شاہ زیب کو کوئی چیز اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو رہی تھی جو ٹھنڈا یخ پانی پینے کے باوجود بجھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

☆☆☆

شام سے رات ہو چکی تھی، ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تو رگوں میں کھولتا لہو مزید ابلنے لگا تھا، کل شاہ میر کی فلائٹ تھی، آج کا ہی دن تھا شاپنگ کے لئے اور دن بھی چھٹی کا تھا، شاہ میر نے اسے ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا مگر وہ انکار کر گیا تھا، جانتا تھا کہ یہ شاپنگ کافی تھکا دینے والی ہو گی اور ویسے بھی وہ گھر میں ہی وقت گزارنے کے موڈ میں تھا، شاید ساتھ نہ جانے کی ایک وجہ طروب بھی تھی، جو اب تک ناراض ہی تھی، ایک دبی دبی سی کوشش کی تھی شاہ زیب نے اسے منانے کی اس سے بات کرنے کی مگر طروب نے شاید مکمل نظر انداز کیسے رکھنے کی قسم اٹھائی ہوئی تھی، شاہ زیب بس شاہ میر کے چلے جانے کے انتظار میں ہی تھا۔

یہ تو طے تھا کہ اس طرح نظر انداز کیے جانے پر وہ خود بھی طروب سے سخت ناراض تھا۔

وال کلاک میں بارہ بج چکے تھے جب کال بیل گونجی تھی، چند لمحوں تک اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کے بعد اس نے گیٹ کھولا تو

سامنے ہی ڈھیروں شاپرز سنبھالے طروب کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی، شاہ زیب کے تنے ہوئے تاثرات سے نگاہ چراتی وہ رکے بغیر لاؤنج کی طرف آ گئی تھی۔

''ایم سوری، صرف آج کا ہی دن تھا اور شاہ کو اتنی چیزیں خریدنی تھیں، چچی جان نے لسٹ بھی اتنی طویل بھیجی تھی، آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اب تک، شاہ مجھے ڈراپ کر کے واپس گئے ہیں باہر سے کھانا لینے، یہاں پہنچ کر یاد آیا تھا مجھے کہ......''

''کس نے وضاحت مانگی ہے تم سے؟''

شاہ زیب کے سرد لہجے پر وہ شاپرز صوفے پر رکھتی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی جو جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

ایک پل کو رک کر طروب نے اپنے ہاتھ میں موجود لیدر کی جیکٹ کو دیکھا تھا جو اس نے خاص طور پر شاہ زیب کے لئے خریدی تھی، اندازہ تھا اس کی ناراضی کا اس لئے کافی سنبھل کر آگے بڑھتی تھی، ٹیرس کی باؤنڈری پر بازو ٹکائے وہ بس ایک پل کے لئے طروب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''یہ جیکٹ میں آپ کے لئے لائی ہوں۔''

''نہیں چاہیے مجھے کچھ، یہ بھی تم شاہ کو دے تو بہتر ہے۔'' اس کے جھلستے لہجے پر طروب گنگ ہو گئی تھی۔

''جب تم میرے حصے کی نظر، میرے حصے کی مسکراہٹ، وقت اور جذبے بھی اسے دے سکتی ہو تو یہ تحفہ بھی اسے ہی پیش کر دو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' طروب کی آواز کانپ اٹھی تھی رنگ فق تھا۔

''حقیقت بیان کر رہا ہوں، میرا وجود ہونا نہ ہونا تمہارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا، بس ایک شاہ میر ہے اس گھر میں جس کے علاوہ تمہیں کوئی انسان نظر نہیں آتا، ساری بے رخی، بے اعتنائی میرے لئے ہے، میں احمق نظر آتا ہوں تمہیں؟ میں جس قدر جھک رہا ہوں، اسی قدر تم نے مجھے نظر انداز کر کر کے دو کوڑی کا بنا دیا ہے۔'' وہ بری طرح بھڑکتا اشتعال میں بولتا جا رہا تھا۔

پانیوں لے لبریز ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی طروب بس ساکت تھی۔

''میں اتنے گھنٹوں سے انتظار کر رہا ہوں یہاں مگر تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک کال کر لیتیں تم، مگر تم ایسا کیوں کر سکتی تھیں، تمہیں جس کی پرواہ ہے، وہ تو تمہارے ساتھ ساتھ تھا، اب بھی وقت ہے تمہارے پاس، فیصلہ کر لو کہ تم کرنا کیا چاہتی ہو، شاہ بغیر کسی وجہ کے اتنے یقین ہے تمہارے بارے میں اپنی ماں سے بات کرنے نہیں جا رہا، مجھے اندھیرے میں مت رکھو، مت دھول جھونکو میری آنکھوں میں......'' اس کے غضبناک تاثرات اور دھاڑتے لہجے پر طروب کو اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی تھی، لرزتے قدموں سے وہ پیچھے ہوئی، چلی گئی تھی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھ پر ایسا شک کریں گے، آپ کی تنگ نظری نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے، نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے آپ سے۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ چیخی تھی اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی ٹیرس سے نکل گئی تھی، سناٹے میں گھرے شاہ زیب کی نظریں فرش پر گری جیکٹ پر ساکت تھیں، طروب کا آخری جملہ بہت بھاری تھا، جس کے بوجھ تلے اسے اپنا وجود شل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

مجھ کو ڈھونڈ لیتا ہے نت نئے بہانے سے
ہر درد ہو گیا واقف میرے ہر ٹھکانے سے

کھلی کھڑکی سے ہوا کے خنک اس کے دھیرے دھیرے لرزتے ناتواں وجود سے ٹکرا رہے تھے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لکیریں اس کے چہرے پر بنتی جا رہی تھیں، رات کا اندھیرا باہر نہیں اس کے اندر پھیلا ہوا تھا، دروازے پر ابھرتی مدھم دستک پر سرعت سے چہرہ خشک کرتی وہ پلٹی تھی، لائٹ اس نے پہلے سے ہی آف کر رکھی تھی، احتیاط سے وہ کھڑکی بند کرتی دبے قدموں بیڈ پر آ گئی، تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس کا رخ دروازے کی ہی سمت تھا، آنکھوں سے ہاتھ کی ٹکا کر وہ مندی آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی، کچھ توقف کے بعد دستک دوبارہ ہوئی تھی اور پھر خاموشی چھا گئی، جب اسے یقین ہو گیا کہ باہر اب کوئی موجود نہیں اسی لمحے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی تھی۔

دھیرے سے دروازہ کھولتا وہ اندر داخل ہوا تھا، نائٹ بلب کی سرخ خوابناک روشنی میں بیڈ کی سمت دیکھتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لئے رکا رہا تھا۔

''اس جسارت کے لئے معذرت خواہ ہوں طروب۔'' قریب آتی جاتی مدھم گمبھیر آواز سنتے ہوئے بند آنکھوں کے ساتھ طروب کے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تھا، بیڈ کے قریب ہی وہ نیچے بیٹھ چکا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو، میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی ہو، میں نے بہت تکلیف پہنچائی ہے تمہیں، بہت گستاخی کی، بے ہودہ الزام لگایا تم پر مگر......'' شدید تاسف سے بولتا وہ رکا اور پھر دھیرے سے اس کی آنکھوں پر ٹکا ہاتھ ہٹا کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا، طروب کی چمکتی بھیگی پلکوں نے اسے مزید شرمساری میں مبتلا کر دیا تھا۔

''مگر میں کیا کروں طروب، میں ہمت نہیں کر پا رہا شاہ میر سے سب کچھ صاف کہنے کی، وہ بہت پیارا ہے مجھے، بچپن سے میرے دکھ سکھ کا ساتھی ہے، میں اس کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا مگر تمہارے دل کو تکلیف دے دی، بہت برا اور خود غرض ثابت ہوا ہوں میں۔'' اس کے ہاتھ کی نرمی کو اپنی جوڑی ہتھیلی پر محسوس کرتا وہ ایک پل کو خاموش ہوا تھا۔

''شاہ اپنی دھن میں مجھ پر تکیہ کیے جانے کیا کچھ سوچ چکا ہے اور میں ہمیشہ کی طرح اپنی عجلت میں کہے گئے جملوں کی بدولت پچھتاوے میں گھرا تماشا دیکھ رہا ہوں، جانتی ہو، احسان انکل نے مجھے فون کیا تھا، بہت غصہ کیا انہوں نے، باتیں سنا سنا کر شرمندہ کرتے رہے، اس لئے کہ میں نے امی، ابو کی وصیت پر عمل کیے بغیر تمہیں اس گھر میں روکا ہوا ہے، وہ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے، وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تین دن کے اندر اندر تک ہمارا نکاح نامہ نہیں پہنچا تو وہ خود یہاں آ جائیں گے، تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے، وہ کہہ چکے ہیں کہ اس طرح وہ تمہیں یہاں نہیں رہنے دیں گے، آخر کیوں سب تمہیں مجھ سے دور لے جانا چاہتے ہیں، اب جبکہ مجھے لگتا ہے کہ تمہارے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے تو سب میرے صبر کا ضبط کا امتحان لینے پر بضد ہیں، مگر قصوروار تو میں ہی ہوں۔'' اس کی بند پلکوں پہ نگاہ جمائے وہ پھر رکا تھا۔

''لیکن میں ماضی کی کوئی غلطی نہیں دہراؤں گا، میرے لفظ پتھر کی لکیر نہیں نہ ہی تمہاری خوشی اور مرضی سے بڑھ کر ہیں، میں سب ٹھیک کر لوں گا، بس تم مجھ سے بدگمان مت ہو، تم میرے ساتھ ہو تو میں بلا خوف و خطر یہ سب کے سامنے قبول کروں گا کہ تم میرے لئے اور میں تمہارے

لئے ہوں۔'' وہ جانے اور کتنے خوبصورت اقرار کررہا تھا، طروب کو اپنا آپ کہکشاؤں میں گھرا محسوس ہورہا تھا، دل کی دھڑکن اسے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی اور ان کے درمیان شاہ زیب کی بھاری آواز، ایک سلگتا لمس اسے اپنے ہاتھ کی پشت پر محسوس ہورہا تھا، بند آنکھوں سے جاگتی وہ حسین خواب دیکھ رہی تھی۔

''مجھ سے راضی ہوکر سونا۔'' مدھم سرگوشی اس کی سماعتوں سے ٹکراتی اسے سرشار کرگئی تھی، رکی سانسوں کے ساتھ اس نے دھیرے سے اپنی خمار زدہ آنکھیں کھول کر بند ہوتے دروازے کو دیکھا تھا، وہ جاچکا تھا مگر ارد گرد رہ جانے والی اس کے مخصوص کولون کی مہک کیف آگیں احساسات جگارہی تھی، ہاتھ کی پشت پر سلگتے لمس کی خوشبو نے اس کے سحر زدہ وجود کو حصار میں لے لیا تھا، گہری سانس لے کر ان سب خوشبوؤں کو اپنی سانسوں میں اتارتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی تھی۔

ہاتھ کی سلگتی پشت کو بے اختیار اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اس کے رخسار تپ اٹھے تھے۔

☆☆☆

اسٹاف کے لئے ایک چھوٹی سی گیٹ ٹوگیدر کا اہتمام کیا تھا شاہ زیب نے، ڈنر کا سارا انتظام شہرینہ کے ہاتھ میں تھا، رات میں شاہ میر کی فلائٹ تھی، سو جانے سے پہلے سب کے ساتھ کچھ اچھا وقت وہ بھی گزار رہا تھا، ہر دلعزیز بندہ تھا، اس لئے سب ہی چاہتے تھے کہ وہ جلد از جلد واپس آئے، ڈنر کا اہتمام شہرینہ نے ہال میں کروایا تھا، سب کو کھانا سرو کرکے وہ اچانک منظر سے غائب ہوئی تو شاہ میر اس کی تلاش میں نیچے آفس تک چلا آیا، شاہ میر کو حیرانی ہوئی تھی اسے وہاں تنہا کسی سوچ میں گم بیٹھے دیکھ کر، چونک کر شہرینہ نے اسے دیکھا تھا جو کرسی کا رخ اس کی طرف کرتا بیٹھ رہا تھا۔

''تم ڈنر چھوڑ کر یہاں کیوں آگئے؟''

''کیونکہ تم یہاں ہو۔'' شاہ میر نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں تو بس ایسے ہی۔'' وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

''تھک گئی ہو، اس شاہ زیب نے بہت ذمہ داریاں ڈال دی ہیں تم پر۔''

''نہیں، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، بس ویسے ہی کچھ تھکن محسوس ہوئی تو کچھ دیر کے لئے یہاں آکر بیٹھ گئی۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''کمال کرتی ہو یار تم لڑکیاں بھی جذبات چھپانے میں، جاؤ میں نہیں کھیلتا۔'' شاہ میر کے مصنوعی ناراضی سے روٹھنے پر شہرینہ حیرت سے اسے دیکھتی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''دیکھو میری وجہ سے کیسے تمہاری اداسی دور ہوگئی، اب میرے جانے کے بعد آنسو بہانے مت بیٹھ جانا، فکر مت کرو روز صبح شام کال کروں گا۔''

''بے کار کی خوش فہمیاں، خبردار جو تم نے صبح شام میرا سر کھایا، تمہارا سارا وقت تمہارے گھر والوں کے لئے ہونا چاہیے، اتنے کم دنوں کے لئے تو جارہے ہو۔'' شہرینہ نے خشمگیں لہجے میں ڈپٹا تھا۔

''میں تو سمجھا تھا، میری جدائی کے پندرہ دن تمہیں پندرہ صدیاں لگیں گے، جاؤ میں نہیں بولتا۔''

''اچھی بات ہے مت بولو، میں ویسے بھی یہاں خاموشی میں کچھ ریلیکس ہونے آئی ہوں۔'' شہرینہ نے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''سن لو یار، کچھ وقت کا تو مہمان ہوں

یہاں، پھر جانے یہ بے وفا زندگی مہلت دے نہ دے۔'' شاہ میر نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیسی بدفال منہ سے نکال رہے ہو، بری بات ہے۔'' شہرینہ نے ٹوکا تھا۔

''تو پھر اچھی بات بھی تو تم نہیں سن رہی ہو، زہر لگ رہی ہو اداس خاموش مورت بنی۔''

''اچھا بابا، بولو میں سن رہی ہوں۔'' وہ زچ ہو کر بولی تھی دوسری جانب شاہ میر سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔

''اچھا تم مجھے لاکھ چڑاتے رہو اور میں جو ذرا تمہیں تنگ کروں تو اس طرح سنجیدہ ہو گئے، حد ہو گئی۔'' اس کے تاثرات پر شہرینہ نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

''ذرا تنگ۔'' شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''جانتی ہو، نیند کے غلبے میں بھی مجھے صرف تمہاری آواز سنائی دیتی ہے، صبح بیدار ہوتے ہی سب سے پہلا خیال تمہارے بارے میں میرے دل و دماغ میں چکراتا رہتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں وقت سے پہلے یہاں پہنچ جاؤں تاکہ تمہیں دیکھ سکوں۔'' اس کے بے حد سنجیدہ لہجے اور خود پر جمی نظروں نے شہرینہ کو ساکت کر دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم یقین نہیں کرو گی، لیکن میں اس سب سے گزر رہا ہوں، تمہاری بے یقینی کے خدشے کی وجہ سے یہ سب بتانے کی جسارت نہیں کی مگر جانے سے پہلے تمہیں یہ بتانے کا موقع مل گیا ہے تو میں یہ چاہوں گا کہ تم میرے بارے میں ہی نہیں اپنے بارے میں بھی سوچو، دل دماغ جس فیصلے پر متفق ہوں اس سے مجھے ضرور آگاہ کر دینا، میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا کوئی سوال کر کے، بس تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔'' اس کے خاموش ہونے پر شہرینہ نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹالی تھیں۔

''اپنا بہت خیال رکھنا، اکیڈمی کی ذمہ داریوں میں گم ہو کر میری کمی کو محسوس کرنا مت بھولنا۔'' مسکراتی نظروں سے شاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

''گم صم کیوں ہو گئیں؟ ویسے تم سے کسی خوشبو جیسی بات کی امید مجھے ہے بھی نہیں، جسے تم میرے ہمراہ کرو، آپ بڑے لوگوں کی احتیاطیں۔'' اس کی خاموشی پر وہ گہری سانس لیتا کرسی سے اٹھا تھا۔

''چلو سب کے درمیان چلتے ہیں۔'' اس کے کہنے پر شہرینہ نے نظر اٹھا کر اس کے بے طرح سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''شاہ میر......'' اس کی پکار پر وہ جاتے جاتے رک کر ذرا پلٹا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے مگر تم برا مت ماننا۔'' شہرینہ نے اس کے مقابل آتے ہوئے کہا تھا۔

''میری کال کا انتظار مت کرنا ورنہ تمہیں مایوسی ہی ہو گی۔'' بولتے ہوئے شہرینہ نے بغور اس کے یکدم بجھتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''کیونکہ میں فون پر نہیں آنٹی سے روبرو ملنا چاہتی ہوں۔'' یکدم شہرینہ کے چہرے پر بکھرتی مسکراہٹ نے شاہ میر کو دنگ کیا تھا۔

''تمہیں یہ لگا کہ جو اپنی کیفیت تم نے بتائی وہ میرے لئے قابل یقین نہیں، سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ سب جھوٹ ہوتا تو بھی میں آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی، کیونکہ یہ سب کہنے والے اس دنیا میں صرف تم ہی ہو، میں حیران بھی ہوں اور خوش بھی۔''

''سمجھ نہیں آ رہا کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کن لفظوں میں کروں، تم نے ایک بوجھ میرے سر سے اتار دیا ہے۔'' شاہ میر کی خوشی دیدنی اور لہجہ نہال تھا۔

''مگر ایک شرط ہے۔''

''کیسی شرط؟'' شاہ میر کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

''شرط یہ ہے کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد آج کے ہی دن تم یہاں میرے سامنے ہو گے۔''

''سر کے بل آئیں گے محترمہ، یہ شرط تو کچھ بھی نہیں، قضا بھی آئی تو اس سے مہلت لے کر آپ کے قدموں آ کر ہی......''

''مجھے تمہارے ان ڈائیلاگز میں کوئی دلچسپی نہیں، اگر تم نے شرط پوری نہیں کی تو ڈھونڈ لینا کسی ایسی احمق محبوبہ کو جو تمہارے ڈائیلاگز پر شرماتی لجاتی رہے۔'' شہرینہ کے جتانے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

☆☆☆

ایک اداس طائرانہ نگاہ اس نے آسمان پر ڈالی تھی اور پھر گہری سانس لے کر سر گھٹنوں سے ٹکا دیا تھا، رات کو وہ بھی ایئرپورٹ گئی تھی شاہ میر کو سی آف کرنے، گھر میں ہی اس کی آنکھیں نم ہوئی جا رہی تھیں اس کے افسردہ چہرے کو دیکھ کر شاہ میر نے بہت تسلیاں دی تھیں جلدی آنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

ڈھلتی دوپہر کے سناٹے میں گونجتی کال بیل نے اسے چونکا دیا تھا، اس وقت شاہ زیب کی آمد نے اسے حیران کیا تھا، اگلے ہی پل وہ دنگ بھی رہ گئی تھی جب شاہ زیب اس کا ہاتھ تھامے کچھ عجلت میں لاؤنج تک لایا تھا۔

''طروب! کیا تمہیں مجھ پر مکمل بھروسہ ہے؟'' اسے شانوں سے تھامے وہ سوال کر رہا تھا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ میں تمہارے لئے بہتر فیصلہ کر سکتا ہوں؟'' اس کے سوالوں پر کچھ الجھی اور پریشان نظروں سے دیکھتی طروب نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''تو پھر مجھے تمہارے مکمل ساتھ کی ضرورت ہے مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی، ہر سوال پر جرح کا سامنا میں کروں گا لیکن ابھی میرے ساتھ چلو۔'' اس کے قطعی اور فیصلہ کن لہجے پر طروب کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

رات کی سیاہ چادر پھیل چکی تھی ہر سمت بیک ویو مرر میں شاہ زیب نے ایک بار پھر اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے عاری تھا، یقیناً جو اچانک اور غیر متوقع قدم وہ اٹھا چکا تھا اس کے بعد فوری طور پر طروب سے کسی ردعمل کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، وہ بالکل خاموش اور جامد تھی، شاہ زیب نے بھی فی الوقت اسے مخاطب نہ کرنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

''تمہیں اس بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، میں اکیڈمی سے واپس آتا ہوں تو ہم بات کرتے ہیں۔'' اسے گھر کے گیٹ تک چھوڑ کر واپس پلٹنے سے پہلے شاہ زیب نے کہا تھا۔

رات میں جب وہ واپس آیا تو طروب اسے گم صم کیفیت میں ہی نظر آئی تھی، وہ کھانا گرم کرنے کے ارادے سے کچن کی سمت جا رہی تھی کہ شاہ زیب نے اسے روک دیا تھا۔

''شاید میری خوشی ہی اس قدر ہے کہ میری بھوک، پیاس سب ختم......'' صوفے پر کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے اس نے طروب کو مخاطب کیا تھا جو اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

''سمجھ نہیں آتا کہ اس عجلت پر تم سے معافی مانگوں یا تمہارے ساتھ دینے پر تمہارا شکریہ ادا کروں۔'' ایک پل کو رک کر وہ بولا تھا۔

''میں نے سب سے پہلے وہی کیا جو میرے لئے سب سے زیادہ اہم تھا، میں اب اعتماد کے ساتھ احسان انکل اور شاہ میر کا سامنا کر سکتا ہوں کیونکہ اب مکمل طور پر تم میرے ساتھ جڑ چکی ہو، کورٹ میرج کا فیصلہ آسان نہیں تھا مگر تمہارے ساتھ نے، بھروسے نے مجھے اتنی جرأت دی، تمہاری وجہ سے ہی آج میں اپنے ماں باپ کی خواہش اور وصیت کو پورا کرنے میں کامیاب ہوا ہوں، تمہارے دل میں اگر کوئی شکایت، خدشہ یا بدگمانی ہے تو کہہ دو مگر خاموش مت رہو، ورنہ مجھے یہ سوچ بے چین رکھے گی کہ میں نے خود کو تم پر مسلط کر دیا ہے۔'' اس کے سپاٹ چہرے اور خاموشی نے شاہ زیب کو کہنے پر مجبور کیا تھا۔

''اتنی خاموشی سے تو کوئی گناہ بھی نہیں کرتا۔'' طروب کے سرد لہجے اور سپاٹ نظروں پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا، جبکہ طروب مزید کچھ کہے بغیر صوفے سے اٹھ کر لاؤنج سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

شاہ زیب نے یہی سوچ کر تحمل سے کام لیا کہ سب کچھ قبول کرنے میں طروب کو کچھ وقت لگے گا مگر وہ دن گزرنے کے بعد بھی طروف پر چھایا جمود اور گریز قائم رہا تو یہ سب اسے نارمل نہیں لگا، کم از کم اب جبکہ طروب اور وہ ایک اٹوٹ رشتے میں بندھ چکے تھے تو اس کی لاتعلقی اور گریز کو برداشت کرنا شاہ زیب کے لئے ناممکن ہونے لگا تھا۔

ٹیبل پر کھانا چن کر اس نے ایک نگاہ کچن میں داخل ہوتے شاہ زیب کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل نگاہ چراتی وہاں سے جا رہی تھی کہ شاہ زیب کی پکار نے اس کے قدم روک لئے تھے مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

''میں دیکھ رہا ہوں طروب، تمہیں اب میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا، کھانا بھی گوارہ نہیں، تمہاری یہ لاتعلقی مجھے میری نظروں میں گرا رہی ہے۔'' اس کے سخت شکایتی لہجے پر بھی جب طروب نے پلٹ کر نہ دیکھا تو شاہ زیب نے خود ہی اس کا رخ اپنی سمت کیا تھا۔

''میرے صبر کا مزید امتحان مت لو طروب، آخر میرا قصور تو بتا سکتی ہو تم۔'' اس کے سخت لہجے پر طروب نے ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''قصور آپ کا نہیں، قصور تو میرا ہے جو خود کو بہت معتبر سمجھے بیٹھی تھی، اپنی حقیقت کو بھول کر اپنی حیثیت سے بڑھ کر، امیدیں وابستہ کر لی تھیں، آخر کس میں اتنا ظرف ہے کہ مجھ جیسی لڑکی کو ساری دنیا کے سامنے قبول کیا جاتا، پورے اعزاز کے ساتھ کوئی مقام دیا جاتا، فخر اور اعزاز کے قابل تو شہرینہ جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں، میری کیا حیثیت کیا مقابلہ۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی تھی جبکہ شاہ زیب دنگ رہ گیا تھا اس کی بدگمانیوں پر، اس سے پہلے کہ طروب چلی جاتی، شاہ زیب نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا۔

''تم نے یہ کس احمق نے کہا کہ میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں قبول کرنے سے کترا رہا ہوں، یا میں تمہیں کسی اعزاز کے قابل نہیں سمجھتا، میری عجلت کی وجہ جانتے ہوئے بھی تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے، مجھے تمہاری زبان سے شہرینہ کا طعنہ سن کر بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنا کہ تمہاری سوچ، تمہاری بدگمانی نے پہنچائی ہے، میں جانتا ہوں تمہارے خواب ہیں، خواہشیں ہیں

جن کو پورا کرنا اب پہلے سے زیادہ اہم ہے، میں خودغرض نہیں ہوں، میرے دل، میری زندگی میں تمہارا جو مقام ہے وہ مجھ پر ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں تمام اعزازات اور شان کے ساتھ اپنی زندگی میں لاؤں، اگر ایسا نہ ہوتا، تو مجھے کون روک سکتا تھا، تمہارے پاس آنے سے، نئے رشتے کا حق وصول کرنے سے، بتاؤ پانچ دن میں کتنی بار میں نے تمہیں کسی چیز کے لئے مجبور کیا؟ کتنی بار تم کو چھونے کی کوشش کی؟ کتنی بار تمہارے کمرے کی دہلیز تک آیا میں؟'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ اس سے پوچھ رہا تھا جو ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''شاہ میر کے واپس آنے کا انتظار تھا بس مجھے، اسے سب کچھ بتا کر اس کی خوشی اور رضا کے ساتھ میں شادی کے انتظامات کرنا چاہتا تھا تاکہ میرا ضمیر مطمئن ہو جائے، میں ساری دنیا کو بتانا چاہتا تھا کہ تمہیں میرے ماں باپ نے چنا تھا، مجھ سے پہلے تم ان کی خواہش اور خوشی ہو، اپنے لئے تمہارے دل میں مجھے محبت اور عزت کی آگاہی نہ ہوتی تو میں کبھی صرف اس لئے تمہیں اپنے ساتھ نہ باندھتا کہ میرے دل میں تمہاری محبت اور عزت ہے، اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تمہارے دل میں نہ میری محبت ہے نہ عزت، ورنہ بہت مان سے شکایت ضرور کرتیں مگر اجنبی بن کر طعنے نہ دیتیں۔'' بات ختم کرکے وہ اسے ایک طرف ہٹاتا کچن سے نکل گیا تھا جبکہ طروب اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

دوسری صبح ایک تبدیلی ضرور محسوس ہو گئی تھی، طروب نے اسے بیدار کرنے کے لئے پہلے کی طرح دستک دی تھی، طروب نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہا ہے، یہ غنیمت تھا کہ رات کی طرح شاہ زیب نے ناشتے کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

ناشتے کے دوران ہمت کر کے طروب نے شاہ میر کے حوالے سے ایک دو باتیں کی تھیں، شاہ زیب نے بس ہوں ہاں پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''آپ رات میں جلدی نہیں آ سکتے؟''

عقب سے ابھرتی طروب کی آواز پر وہ رکا تھا۔

''کیوں؟'' اس کے سوال پر طروب کچھ گڑبڑائی تھی۔

''وہ بس آج کل مجھے تنہا گھر میں ڈر سا لگنے لگا ہے۔''

''ڈر...... اور تمہیں۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ چور سی بن گئی تھی۔

''احمق اسے بناؤ جو تمہیں جانتا نہ ہو۔'' خشمگیں نظروں سے اس کے اترے چہرے کو دیکھتا وہ باہر نکل گیا تھا، خفت زدہ نظریں اس کی پشت پر جمائے وہ دروازہ تھامے کھڑی رہی تھی تب ہی وہ چونکی تھی جب لفٹ کی جانب بڑھتے شاہ زیب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا بے ساختہ مسکراہٹ طروب کے چہرے پر بھی کھل اٹھی تھی، اس کی مسکراہٹ دیکھنے کے بعد۔

''رات آٹھ بجے تک۔'' طروب نے آواز لگائی تھی جبکہ شاہ زیب ان سنی کیے سیڑھیوں کی طرف مڑتا غائب ہو گیا تھا، خالی کاریڈور کو دیکھتی وہ اس کی مسکراہٹ کے سحر میں کچھ لمحے ساکت رہی تھی مگر ایک بار پھر مسکراتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر تک شاہ زیب کا میسج اسے مل گیا تھا، کہ آٹھ بجے تک وہ تیار رہے، دونوں ڈنر باہر کریں گے، طروب بہت پرجوش تھی شاہ زیب

کے ساتھ باہر جانے کے لئے، آج خاص طور پر بننے سنورنے کی آرزو دل میں جاگی تھی مگر کسی ناگہانی آفت کی طرح شام تک اس کی آنکھوں میں ہوتی ہلکی ہلکی تکلیف انفیکشن میں بدلنے لگی تھی مگر اس نے اس سب کو اپنے جوش وخروش پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔

پیچ کلر کے دیدہ زیب لباس میں سجے سنورے اس کے معصوم حسین روپ نے پہلی نگاہ میں ہی شاہ زیب کو مبہوت کر دیا تھا وہیں اس کی بھیگی بھیگی بھنورا سی آنکھوں میں سرخ ڈورے اسے چونکا گئے تھے۔

''کچھ نہیں، بس معمولی سی تکلیف ہے آنکھوں میں۔'' اس کے استفسار پر وہ سرسری انداز میں بولی تھی۔

''یہ معمولی سی تکلیف ہے، اتنی سرخ ہو رہی ہیں آنکھیں۔'' ڈانٹتے ہوئے شاہ زیب نے اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

توقع کے عین مطابق وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

''ایک فون تو کرنا تھا مجھے، جانے کب سے طبیعت خراب ہے تمہاری۔'' بے اختیار شاہ زیب نے اس کے جلتے نرم و نازک وجود کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

''اگر آپ کو بتا دیتی تو باہر جانا کینسل ہو جاتا اور میں آپ کے ساتھ باہر جانا چاہتی تھی۔'' اس کے مہربان کشادہ سینے سے چہرہ ٹکائے وہ بولی تھی۔

''جانا تو ہے مگر پہلے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا ہے اس کے بعد کہیں اور۔'' بند آنکھوں کے ساتھ شاہ زیب کی نرم آواز سنتے ہوئے وہ کسی اور ہی دنیا میں تھی، اس کی قربت اور مضبوط حصار میں، محبت بھرے لمس میں جیسے کوئی جادو تھا، عجیب کیف تھا کہ ہر تکلیف بھولنے لگی تھی، دوسری جانب اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے شاہ زیب نے بھی اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا، چپ چاپ وہ اس کے ملبوس اور ریشمی بالوں کی بھینی بھینی سی مہک کے حصار میں سانس لیتا سحر زدہ سا تھا۔

''سنو، اس طرح تو تم مجھے بے بس کر دو گی، انسان ہوں، ایک حد تک ہی خود پر پہرے لگا سکتا ہوں، ضبط کھو گیا تو پھر شکایت اور غصہ مت کرنا۔'' سماعتوں سے ٹکرائی شاہ زیب کی آواز اسے جیسے ہوش میں لے آئی تھی، سرعت سے اس کے حصار سے نکلتی وہ اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی جو اس کے جھینپے اور سرخ چہرے کو دیکھتا مسکرایا تھا۔

''اگر آپ چینج کرنا چاہیں تو میں نے کپڑے پریس کر دیئے تھے۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر بولتی وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی، اپنی شرمندگی پر قابو پا کر جب وہ پانی کا گلاس شاہ زیب کے لئے کمرے میں لائی تو وہ کمرے میں نہیں تھا، گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتی وہ کمرے سے نکل رہی تھی، جب شاہ زیب کے فون پر آتی کال پر وہ ٹیبل تک آئی تھی، صرف نمبر شو ہو رہا تھا، کوئی ضروری کال نہ ہو، یہی سوچ کر وہ اگنور نہیں کر سکی تھی۔

''شاہ زیب! کل میں ذرا لیٹ اکیڈمی پہنچوں گی، امی کا چیک اپ کروانا ہے اور ڈاکٹر نے صبح کا اپائنمنٹ دیا ہے۔'' دوسری جانب سے طروب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی یہ سب کہا گیا تھا۔

''آپ کون؟'' طروب کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی، دوسری جانب بھی چند لمحوں کے لئے خاموشی سی چھا گئی تھی، طروب کو لگا جیسے کوئی کھولتا

ابلتا پانی اس کے سر پر ڈالتا جا رہا ہے۔

''کیسی ہو طروب؟ میں شہرینہ۔'' دبے دبے لہجے نے اس کی رگوں میں چنگاریاں بھر دی تھیں۔

''آپ اکیڈمی میں کیوں......'' طروب کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔

''اوہ...... میرا خیال ہے کہ شاہ میر یا شاہ زیب نے تمہیں بتایا نہیں، میں اکیڈمی میں ہی تو جاب کر رہی ہوں، بس اب تو یہی مصروفیت ہے۔'' شہرینہ اور کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، بے جان ہاتھوں سے لائن ڈسکنیکٹ کر کے فون ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے اسے اپنے عقب میں شاہ زیب کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

''طروب کس کی کال تھی؟'' اس کے سوال پر وہ پلٹی تھی، شرٹ کے بٹن بند کرتا شاہ زیب اس کے چہرے کے تاثرات پر بری طرح چونکا تھا۔

''کس کی کال تھی؟'' اس کی غیر معمولی خاموشی پر شاہ زیب نے سوال دوہرایا تھا۔

''شہرینہ کی۔'' وہ بولی نہیں پھنکاری تھی۔

''وہ عورت آپ کی اکیڈمی میں کس حق سے ہے؟ کس حق سے وہ آپ کو کال کر رہی ہے؟ مجھے سچ سننا ہے؟'' وہ بھڑکتے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''طروب! اس کے بارے میں تمہیں جو سوال کرنا ہے وہ تم شاہ سے کرو کیونکہ شہرینہ کو اس نے ہی اکیڈمی میں بلایا تھا جاب کے لئے، لہٰذا کوئی بدگمانی اپنے دل میں پیدا کر کے تم اپنا اور میرا یہ اچھا وقت خراب مت کرو۔'' شاہ زیب کا سمجھانے والا انداز اسے مزید سلگا گیا تھا۔

''جہنم میں گیا وقت، نہیں چاہیے مجھے آپ کے قیمتی وقت کی بھیک، شاہ آپ کی مرضی کے بغیر اسے اکیڈمی تک نہیں لا سکتے تھے، کیوں میری آنکھوں میں دھول جھونک کر دھوکا دیا جا رہا ہے مجھے۔'' وہ بری طرح بگڑ کر چیخی تھی۔

''تم میری بات تحمل سے سننا ہی نہیں چاہتی ہو، چیخ چلا کر تم اپنی طبیعت مزید خراب کرو گی، بہتر ہے کہ تم ابھی شاہ میر سے فون پر ہر سوال کرو۔''

''شاہ سے کیوں، آپ سے کیوں نہ کروں سوال؟ وہ شاہ کی نہیں، آپ کی محبوبہ رہ چکی ہے، آپ کے دن رات اس کے ساتھ گزر رہے ہیں، شاہ کے نہیں۔''

''طروب! سوچ سمجھ کر بات کرو، تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔'' شاہ زیب بمشکل ضبط کیے سخت لہجے میں بولا تھا۔

''میں صرف سچ کہہ رہی ہوں، وہ آج بھی آپ کی زندگی میں ہے، ابو کے لئے، میرے لئے، شاہ کے لئے زہر اگلنے کے باوجود وہ آج بھی آپ کے قریب ہے کیونکہ آپ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتے، آخر کون سا کھیل کھیل رہے ہیں آپ؟ نفرت ہے مجھے شہرینہ سے، آپ سے، دو کوڑی کا کر دیا ہے آپ نے مجھے ساتھ یہاں لا کر، مجھے کسی قیمت پر اس جہنم میں نہیں رہنا، اگر مجھے زبردستی یہاں روکا گیا تو بہت برا انجام ہو گا۔'' آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

''طروب! میری بات سنو۔'' شاہ زیب نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی، شاہ زیب کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا تھا، یکدم اسے شاہ میر پر بہت غصہ آیا تھا جس کی وجہ سے اس کے اور طروب کے درمیان پھر سب کچھ بگڑ گیا تھا۔

☆☆☆

ٹیبل کے دوسری جانب بیٹھتے ہوئے وہ

حیرت سے شاہ زیب کو دیکھ رہی تھی جو اس کی آمد سے قطعی بے خبر کسی سوچ میں گم تھا، شہرینہ کو اس کے چہرے پر کچھ فکر و پریشانی کے تاثرات نظر آئے تھے۔

''شاہ زیب! کہاں گم ہو؟'' بالآخر شہرینہ کو خود اسے متوجہ کرنا پڑا تھا۔

''اس وقت جب تم یہاں موجود ہو کر بھی کہیں اور گم تھے۔'' شہرینہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے لگا تھا آج تم چھٹی کے موڈ میں ہو، سو نہیں آؤ گی، سب خیریت تھی؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''شاید طروب نے میرا میسج تم تک نہیں پہنچایا۔'' شہرینہ نے بغور اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

''میں لنچ کے لئے کچھ منگواتا ہوں۔'' اس کی بات نظر انداز کرتا وہ انٹرکام کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''نہیں ابھی رہنے دو۔'' شہرینہ نے فوراً اسے روکا تھا۔

''پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اتنے ٹینس کیوں نظر آ رہے ہو؟ اگر میری وجہ سے تمہارے اور طروب کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتا دو، ویسے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ طروب میرے اکیڈمی میں کام کرنے سے لاعلم ہے۔'' شہرینہ کے درست اندازے پر وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''شاہ زیب! اگر تم اپنی پریشانی شیئر نہیں کرنا چاہتے تو میں مجبور نہیں کروں گی، لیکن یہ ضرور چاہوں گی کہ اگر تمہیں ذرا بھی بھروسہ ہے مجھ پر تو ضرور اپنے دل کی بات کہو۔'' شہرینہ کے کہنے پر شاہ زیب نے گہری سانس لے کر اس

اسے دیکھا تھا۔

''تمہاری قیاس آرائیاں بالکل درست ہیں شہرینہ! مگر میری پریشانی کی سب سے بڑی وجہ کوئی اور ہے۔'' وہ بولتے ہوئے ایک پل کو رکا تھا۔

''شاہ کے جانے کے بعد میں نے طروف سے کورٹ میرج کر لی ہے جبکہ وہ بے خبر ہے۔'' شاہ زیب کے اس غیر متوقع انکشاف نے شہرینہ کو دنگ کیا تھا۔

''ٹھیک ہے اس میں کوئی برائی نہیں، مگر تم نے یہ سب شاہ میر سے کیوں مخفی رکھا؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''اس کی بھی ایک وجہ ہے ورنہ تم جانتی ہو کہ میرا کوئی معاملہ شاہ میر سے چھپا نہیں رہتا، غلطی میری ہے، میری عجلت نے معاملے کو اتنا سنگین بنا دیا۔'' شاہ زیب مضطرب انداز میں بول رہا تھا۔

''امی کے جانے کے بعد میں طروب کی وجہ سے بہت ان سکیور اور پریشان ہو گیا تھا، ان حالات سے تم بھی لاعلم نہیں ہو، طروب کو میں محفوظ اور سیٹل دیکھنا چاہتا تھا، میرے پاس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ میں شاہ میر کے ساتھ اس کے مستقبل کو محفوظ کر دوں، میں نے شاہ میر سے اس بارے میں بات کی، اس کے علاوہ طروب پر میں کسی اور پر بھروسہ کر بھی نہیں سکتا تھا۔'' شہرینہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات سے انجان وہ بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

''مگر طروب اس کے لئے راضی نہیں تھی اس کی مخالفت اور رد عمل بہت شدید تھا، طروب وہی چاہتی تھی جو میرے ماں باپ چاہتے تھے، شاہ میر کو یہ یقین تھا کہ میں طروب کو آہستہ آہستہ اس کے لئے راضی کر لوں گا ہوا یہ کہ آہستہ آہستہ

مجھے طروب کی قدر و اہمیت کا احساس ہو گیا، اہمیت پہلے بھی تھی مگر بعد میں اس کا انداز بدل گیا، طروب نے محبت ہو جانے کی کوئی ایک وجہ نہ بھی ہوتی تو بھی اسے اپنانے کے لئے یہی کافی تھا کہ اس کے دل میں میرے لئے ایک خاص مقام ہے، دوسری طرف شاہ میر کو میں زبان دے چکا تھا، کئی بار سوچا کہ اسے سچ بتا دوں کہ میں طروب سے دستبردار نہیں ہو سکتا، مگر ہمت نہیں ہوئی، اب یہ صورتحال ہے کہ طروب کے لئے میرے جذبات سے بے خبر شاہ میر اپنے گھر والوں کے پاس خاص طور پر اس لئے گیا ہے کہ طروب اور اپنی شادی کی بات کر سکے، مجھے معلوم ہے چچی جان طروب کے لئے کبھی انکار نہیں کریں گی۔'' شاہ زیب بول رہا تھا جبکہ ساکت بیٹھی شہرینہ کا وجود سن اور دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

''اگر میری محبت یکطرفہ ہوتی تو میں طروب کے لئے شاہ میر کو ہی خود پر فوقیت دیتا، میں خود پر جبر کر سکتا تھا مگر طروب پر نہیں، اسی لئے میں نے شاہ میر کی بے خبری میں یہ قدم اٹھایا ہے، پریشان اس لئے ہوں کہ سب کچھ جاننے کے بعد جانے شاہ میر کا ردعمل کیا ہوگا، میرے لئے ناممکن ہے اس کی ناراضی برداشت کرنا۔'' بولتے ہوئے یکدم شاہ زیب کے رک جانے پر شہرینہ نے اکی حیران نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا، ہشاش بشاش مسکراہٹ کے ساتھ آفس میں داخل ہوتا وہ شاہ میر ہی تھا، شہرینہ کی آنکھوں میں جیسے مرچیں بھر گئی تھیں۔

''اتنی اچانک، وقت سے پہلے؟'' حیرت و خوشی کے ساتھ شاہ زیب اس کے گلے سے لگا تھا جبکہ شاہ میر کو بری طرح چونکا دیا تھا، شہرینہ نے جو ایک جھٹکے سے اٹھتی تیز قدموں سے آفس سے نکل گئی تھی۔

لیب کی تنہائی اور خاموشی میں آ کر وہ بے جان ہوتے وجود کے ساتھ کرسی پر ڈھے گئی تھی، غم و غصے سے اس کے ہاتھ پیر لرز رہے تھے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، اگر وہ کچھ دیر بھی شاہ میر کے سامنے رہتی تو یقیناً اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ التی، گھومتا سر ہاتھوں میں گرائے وہ اپنے منتشر اعصاب کو کنٹرول کر رہی تھی، تب ہی گہری خاموشی میں اسے گلاس ڈور کھلنے اور بند ہونے کی مدھم آواز ابھری تھی۔

''شہرینہ! کیا ہوا ہے تمہیں؟ تمہارے چہرے پر خوشی دیکھنے کے لئے میں شرط سے ایک دن پہلے واپس آیا ہوں اور تم مجھے دیکھ کر یہاں آ چھپی ہو۔''

''اس لئے کیونکہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی گھٹیا انسان۔'' ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھتی وہ خونخوار انداز پر چیخی تھی، شاہ میر حق دق رہ گیا تھا جبکہ لیب میں داخل ہوتا شاہ زیب بھی دنگ ہوتا اپنی جگہ رک گیا تھا۔

''تم مکار ہی نہیں، بزدل بھی ہو، تمہارے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنے دل کا زہر تم میرے سامنے اگلتے، اس لئے تم نے نقاب میں چھپ کر مجھے دھوکہ دیا۔'' اس کے بھڑکتے لہجے اور خونخوار نظروں پر شاہ میر کے چہرے کے تاثرات سپاٹ ہوئے تھے۔

''شاہ! کیا ہے یہ سب؟ شہرینہ یہ سب کیوں کہہ رہی ہے تم سے؟'' دنگ کھڑے شاہ زیب نے شاہ میر سے پوچھا تھا جو خاموش رہ کر بس شہرینہ کے غصے میں تمتماتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''شاہ زیب! میں جانتی ہوں، تم نے مجھے معاف کر دیا ہے مگر تمہارا یہ وفادار دوست، مجھ

سے تمہارا بدلہ لینے کے لئے انتہائی پستی میں گر چکا ہے، سانپ سے بھی بڑھ کر بدتر ثابت ہوا ہے، مخلصی اور خلوص کے نام پر دھوکہ دے کر یہ مجھے یہاں تک لایا تھا تاکہ یہ تمہاری نظروں سے پھر مجھے گرا دے، میں نے اس پر بھروسہ کیا مگر یہ تو مجھے وہی تکلیفیں دینا چاہتا تھا جو تمہیں مجھ سے ملی تھیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مجھے پرپوز کر کے، مجھے آسرے میں رکھ کر اپنی ماں کے پاس اپنی اور طروب کی شادی کی بات کرنے نہ جاتا۔'' بھڑکتے لہجے میں بولتے ہوئے اس نے زہر خند نظروں سے شاہ میر کو دیکھا تھا۔

''اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کس حد تک کسی پر بھروسہ کر سکتی ہو۔'' شاہ میر سرد لہجے میں بولتا حیران پریشان کھڑے شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''شادی مبارک ہو شاہ زیب۔'' اس کے سرد لہجے پر شاہ زیب کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے، میں جانتا تھا کہ عجلت اور ڈپریشن کے دباؤ میں تم نے طروب کو مجھ سے منسوب کرنے کا انتہائی احمقانہ فیصلہ کیا تھا جبکہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ طروب کے دل، دماغ میں سوائے تمہارے کوئی اور جگہ بنا ہی نہیں سکتا، بہت خاموش اور گہری محبت کرتی ہے وہ تم سے، تمہارے اس سفاکانہ فیصلے پر مجھے بہت افسوس اور غصہ بھی تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ طروب کی خاموش محبت تمہیں لاتعلق نہیں رہنے دے گی، بظاہر میں نے تمہارے اس فیصلے کو قبول کیا تو صرف اس لئے کہ تمہارے دل میں طروب کی قدر بڑھے، تمہیں احساس ہو کہ تم اس کے ساتھ ہی نہیں اپنے ساتھ بھی ظلم کرو گے اسے خود سے الگ کر کے، ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں تب تک اپنے اثاثے کی قدر نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ہمیں دسترس سے نکلتا دکھائی نہ دے اور پھر طروب تو تایا جان اور تائی جان کی سب سے اہم نشانی ہے تمہارے پاس، میں نے طروب سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس معاملے میں بالکل خاموش رہے، وہ تمہیں قطعی یہ بات نہ بتائے کہ تمہیں طروب کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے میں اس کا نام تمہارے سامنے لیتا ہوں، طروب کو میں نے بہن صرف کہا نہیں ہے، سمجھا بھی ہے، تمہارے دل میں اس کی محبت بیدار کرنے کے لئے مجھے کسی حد تک بھی جانا پڑتا تو میں پیچھے نہیں ہٹتا، بس دکھ ہے تو اس بات کا کہ تم نے اپنے دل کی بات مجھے نہیں بتائی، میں اسی لئے تو تمہیں پریشان کرتا رہا کہ تم طروب سے اپنی محبت کا اقرار کر لو۔''

''شاہ! تم جانتے ہو کہ تم میرے بھائی، دوست، غمگسار، ہمدرد سب کچھ ہو، طروب کے لئے اگر میں تمہارے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکا تو صرف اس لئے کہ میں تمہیں تکلیف میں یا خود سے ناراض نہیں دیکھ سکتا تھا، میں تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ تم نے میرے اس فیصلے کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔'' شاہ زیب نادم لہجے میں بولا تھا۔

''طروب کو خود سے الگ نہ کرنے کا بس ایک راستہ نظر آیا مجھے، سوچا تھا تم آؤ گے تو سب کچھ کہہ دوں گا، تمہیں راضی کرنے کے لئے طروب کے سوا سب کچھ دے دوں گا، اپنی زندگی تک۔''

''اب یہ سب کہہ کر تم مجھے شرمسار نہ کرو، پریشان تو میں نے تمہیں کیے رکھا، وجہ تم جان چکے ہو، تمہاری مشکل کو میں سمجھ سکتا ہوں اسی لئے تو کوئی شکایت نہیں تم سے۔'' شاہ زیب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ بولا تھا۔

''سچ کہوں تو مجھے اس سے بھی شکایت نہیں، جس سے شکایت کرنا حق ہے۔'' بولتے ہوئے شاہ میر نے ایک نظر شہرینہ کو دیکھا تھا جو نگاہ چرا گئی تھی۔

''شاہ! تم آفس میں رکو ذرا، میں آتا ہوں پانچ منٹ میں۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے گیا تھا۔

''شاہ زیب! میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو غلط فہمی کا شکار ہو جاتا۔'' شاہ زیب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ مضطرب ہو کر بولی تھی۔

''ہاں، اسی لئے تو شاہ نے جواباً کسی غصے کا اظہار نہیں کیا، ویسے میرا شک صحیح نکلا، خوشی ہوئی مجھے۔'' شاہ زیب نے کہا تھا جبکہ شہرینہ نظر نہیں ملا سکی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں شاہ سے بات کرنے کی ضرورت ہے، کافی سخت باتیں کہہ چکی ہو تم اسے، باتوں کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں اگر تم طروب کے بہانے شاہ کے ساتھ گھر چلی جاؤ تو میری مشکل بھی آسان ہو جائے گی، پہلی تو یہ کہ طروب کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں، میری تو وہ شکل نہیں دیکھنا چاہتی مگر تم اور شاہ اسے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کے لئے راضی کر لو گے اور دوسری مشکل تمہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں تمہیں اندازہ ہو گا کہ میرے فون پر تمہاری آواز سننے کے بعد اس کا کیا ردعمل سامنے آیا ہو گا۔''

''تم فکر مت کرو۔'' اس کے بے بس لہجے پر شہرینہ نے کہا تھا۔

☆☆☆

شاہ میر کو اچانک اپنے روبرو دیکھ کر ہی وہ اس کے ہمراہ آنے والی شہرینہ کی موجودگی پر ناگواری کا اظہار نہیں کر سکی تھی مگر شہرینہ ہی نہیں شاہ میر بھی اس کے تاثرات سے بھانپ گیا تھا کہ بس وہ لفظوں کے ذریعے شہرینہ کے خلاف ناگواری کا اظہار نہیں کر پا رہی۔

بہرحال شاہ میر کے ناراض ہونے پر وہ دوبارہ ہاسپٹل جانے سے انکار نہیں کر سکی تھی، اس کی سرد مہری کے باوجود شہرینہ چیک اپ کے دوران بھی ساتھ ہی راستے میں بھی اس کے آرام کا خیال رکھتی رہی تھی، جواب کی امید رکھے بغیر اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھتی بھی رہی تھی۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے، ایک دو بار آئی ڈراپس کے استعمال سے ہی انفیکشن ختم ہو جائے گا مگر تین دن تک برابر ڈراپس استعمال کرنا۔'' طروب کا ہاتھ تھامے وہ اسے کمرے کی سمت لے جاتی تاکید کر رہی تھی، جبکہ طروب ناگواری کی لہروں کو مزید ضبط نہیں کر سکی تھی، اپنا ہاتھ اس سے چھڑا کر وہ خود ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، شہرینہ چند لمحوں تک تذبذب میں مبتلا بند دروازے کو دیکھتی رہی تھی مگر پھر گہری سانس بھرتی کمرے میں داخل ہو گئی تھی، بیڈ کے کنارے بیٹھتی وہ کچھ دیر تک طروب کو دیکھتی رہی تھی جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے قطعی لاتعلق تھی۔

''طروب! میں جانتی ہوں کہ میرا یہاں ہونا تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہے۔''

''تو پھر تم یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟'' آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے بغیر وہ تیز لہجے میں شہرینہ کی بات کاٹ گئی تھی۔

''اس لئے کہ تمہارے شوہر نے مجھے یہ ذمہ داری دی ہے کہ میں اس کے گھر آنے تک تمہارا خیال رکھوں۔'' شہرینہ کے ترنت جواب پر طروب نے اسے دیکھا تھا۔

''کم از کم اب تو تمہیں میری وجہ سے کوئی

خدشہ نہیں ہونا چاہیے، مجھ سے نفرت رکھنے کی کئی وجوہات ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ تمہارا دل میری جانب سے صاف ہو جائے۔'' سنجیدگی سے بولتے ہوئے شہرینہ نے ایک نظر کمرے میں آتے شاہ میر کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ طروب کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''میں تمہارے لئے کھانے کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں۔'' طروب کے پاس سے اٹھ کر شہرینہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی تھی، دوسری جانب شاہ میر کو دیکھ کر طروب اٹھ بیٹھی تھی، کرسی بیڈ کے قریب کرتا شاہ میر بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''چچی جان، بھائی، بھابھی، بچے سب کیسے ہیں؟'' طروب نے پوچھا تھا۔

''سب ٹھیک ہیں، تمہارے اور شاہ زیب کے لئے بہت خوش بھی ہیں۔'' وہ بولا تھا۔

''طروب! میں موقع دیکھ کر تمہیں بتانے والا تھا شہرینہ کے بارے میں، پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شہرینہ کے ساتھ تمہارا رویہ اور شاہ زیب سے تمہاری بدگمانی مجھے بہت غلط لگی ہے، جب ان دونوں کے درمیان پہلے کچھ نہیں تھا تو اب کیا ہو سکتا ہے۔'' شدید ناراضی سے بولتے ہوئے شاہ زیب نے مختصراً اسے شہرینہ کو غصے میں زبردستی اپنے ساتھ لے جانے اور پھر بعد میں اسے اکیڈمی تک لانے کے لئے شاہ زیب کو راضی کرنے کی روداد سنا دی تھی۔

''پہلے اور اب کی شہرینہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، میں اس کی عزت کرتا ہوں اور تم سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ اس کی عزت کرو، اس کا نام شاہ زیب کے ساتھ جوڑ کر تم سب سے زیادہ مجھے تکلیف پہنچاؤ گی کیونکہ میں اسے پرپوز کر چکا ہوں۔'' شاہ میر کے کہنے پر وہ تحیر زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

کچن سے اس نے شاہ میر کو طروب کے کمرے سے نکلتے دیکھا تو حیرت نہیں ہوئی اس کے نظرانداز کیے جانے پر۔

''شاہ میر! مجھے ایک موقع تو دو ایکسکیوز کا، میں واقعی بہت شرمندہ ہوں اپنی اس ساری بکواس پر۔'' شہرینہ کے راستہ روکنے پر شاہ میر نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا تھا۔

''شاہ زیب نے جو کچھ بتایا اسے سننے کے بعد میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی طرح غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا۔''

''اسی بات کا افسوس ہے کہ تمہاری جگہ کوئی اور نہیں تھا تم ہی تھیں۔'' شاہ میر نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''تم بھروسہ نہیں کر سکتیں کسی پر لیکن جو تم پر بھروسہ رکھتا ہے کم از کم اسے تو ایک موقع دینا چاہیے تھا، تم نے مجھ سے سوال تو کیا ہوتا پھر میں تمہیں حقیقت نہ بتاتا تو حق دار تھا ان سب نشتروں کا جو میرے سامنے آتے ہی تم نے چلا دیئے، میں کتنا خوش واپس آیا تھا سب کچھ چھوڑ کر صرف تمہارے لئے مگر ایک تم ہو، دل ہی توڑ کر رکھ دیا۔''

''اسی لئے تو اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی ہوں، آئندہ کبھی تمہیں مجھ سے ایسی شکایت نہیں ہوگی۔'' ملتجی لہجے میں بولتے ہوئے شہرینہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔

''کسی معذرت کی ضرورت نہیں، ویسے بھی تم میرے اس فیورٹ ایپلو کلر لباس میں سیدھا میرے دل میں اتر رہی ہو، اب کیا تمہارے لئے دل میں شکایت رکھنا۔''

''مگر اس دن تو تم نے میرے بلیک کلرڈ ڈریس کو دیکھ کر کہا تھا کہ وہ تمہارا فیورٹ کلر

ہے۔'' شہرینہ نے چونک کر یاد دلایا تھا۔

''شرمانا مت، ایسی سچویشن میں بھی پرانی، گئی گزری باتیں نکال کر درمیان میں لے آنا بس سارے رومانس کی ایسی کی تیسی کرنے کے لئے۔'' شاہ میر کے جلے کٹے انداز پر وہ بے ساختہ کھلکھلائی تھی جبکہ شاہ میر کو اپنے فون پر آتی کال کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

''اب کیسی ہے طروب؟'' شاہ زیب نے پوچھا تھا۔

''اصولاً تو تمہیں اس کی خیریت دریافت کرنی چاہیے جس کو میری ذمہ داری پر تم نے یہاں بھیجا ہے۔'' شاہ میر نے مسکراتی نظروں سے شہرینہ کو دیکھا تھا۔

''اس کی مجھے فکر نہیں وہ تمہیں سنبھال سکتی ہے وہ بھی بہت عزت کے ساتھ۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں، اسی لئے تو امی حضور مجھے اس پر قربان کرنے کے لئے خود یہاں تشریف لا رہی ہیں۔'' شاہ میر شرارتی لہجے میں شاہ زیب کو بتا رہا تھا جبکہ شہرینہ چونکی تھی۔

''اچھی بات ہے، میں خود ان کو بتاؤں گا کہ تم نے میری ناک کے نیچے کیا گل کھلایا ہے۔'' شاہ زیب نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

''آواز سنائی نہیں پڑ رہی جگر، گھر آؤ گے تو دو دو ہاتھ کرتے ہیں۔''

''ہاں معلوم ہے کائیاں انسان اب تو بالکل بھی تمہیں میری آواز سنائی نہیں دے گی۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ ڈھٹائی سے ہنستا فون بند کر گیا تھا۔

''کیا کہہ رہا تھا شاہ زیب جو تم نے یوں اچانک لائن ڈسکنیکٹ کر دی؟'' شہرینہ نے مشکوک لہجے میں پوچھا تھا۔

''وہی کہ میری کون سی ٹرین چھوٹ رہی تھی جو میں نے پہلے اپنا حال دل بیان کیے بغیر تمہیں پروپوز کر دیا، میرا خیال ہے ابھی اتنی دیر نہیں۔''

''ہرگز نہیں، پہلے ہی میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' مسکراہٹ چھپاتی وہ نخوت سے بولی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ تم جیسی نخریلی، نازک مزاج نما محبوبہ کے لئے ہی امیر مینائی نے فرمایا ہے۔''

''کیا فرمایا ہے؟'' شہرینہ نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا تھا۔

منہ پھیر کر کہا جو میں نے حال دل
چپ بھی رہو امیر مجھے درد سر نہ ہو

اس کے خشمگیں انداز میں شعر گوئی پر شہرینہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

☆☆☆

باہر چھائی گہری خاموشی سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شہرینہ کو ڈراپ کرنے شاہ میر جا چکا ہے، شہرینہ کے وہ جملے اس کی سماعتوں میں بار بار گونج رہے تھے جو جانے سے پہلے شہرینہ نے کہنے ضروری سمجھے تھے۔

''شاہ میر نے اس حد تک مجھ پر بھروسہ کیا ہے کہ مجھے حیران کر دیا ہے، تو پھر تم شاہ زیب کے اتنا نزدیک آ جانے کے بعد اس پر بھروسہ کر کے اس فخر کرنے کا موقع نہیں دے سکتیں؟ جو تمہارا ہے اسے تم تک پہنچنے کے لئے کسی راستے کی ضرورت نہیں، وہ جہاں ہے تمہارا ہے اور رہے گا کیونکہ تم نے پہلے ہی اسے حاصل کر لیا ہے، مقدر ہے یا دعاؤں سے طلب کی شدت سے یا ازل سے۔'' دروازے پر ہوتی آہٹ نے اسے چونکایا تھا، زرد ہوتے چہرے کے ساتھ وہ دوبارہ شاہ زیب سے نگاہ نہ ملا سکی تھی، اسے اپنے

سامنے براجمان ہوتے دیکھ کر طروب کا سر مزید ندامت سے جھک گیا تھا۔

شاہ زیب چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا مگر پھر دھیرے سے اس کا چہرہ ذرا اٹھایا تھا، اس کی آنکھوں کی سوجن اور سرخی بہت معمولی نوعیت کی رہ گئی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟ آنکھوں میں تکلیف تو نہیں؟'' اس کے سوال پر طروب کے دل کو کچھ ہوا تھا، آنکھیں لبریز ہونے لگی تھیں۔

''پاگل لڑکی! کیوں میری امانت کو اذیت دے رہی ہو۔'' کچھ ناراضی سے ڈپٹتے ہوئے شاہ زیب نے اس کی پلکوں پر چمکتے ستارے اپنی پوروں میں سمیٹ لئے تھے۔

''شاہ میر کا ساتھ دے کر خوب تنگ کیا تم نے مجھے، پتہ بھی تھا تمہیں کہ میں کتنا پریشان تھا، اب تو میں تم سے شکایت بھی نہیں کر سکتا ورنہ تمہارے آنسوؤں کا سیلاب میرے سکون کو بھی ساتھ بہالے جائے گا۔''

''مجھے معاف کر دیں، غصے میں بہت کچھ غلط کہا میں نے، بہت ہرٹ کیا آپ کو۔'' وہ بمشکل بول سکی تھی۔

''ہاں، تھوڑا ہرٹ تو ہوا لیکن خوشی اس بات کی زیادہ ہے کہ میرے لئے بھی کوئی اتنا شدت پسند اور جذباتی ہے۔'' مسکراتی نظروں سے شاہ زیب نے اس کی نم آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''ویسے شاہ میر کا ساتھ دے کر تم نے کچھ غلط بھی نہیں کیا، مجھے احساس دلانے کے لئے اور عجلت میں فیصلے صادر کر دینے والے انسان کو یہی ڈیزرو کرتا تھا، لیکن اتنا نقصان ہونے کے بعد اب میں نے توبہ کر لی ہے، اپنی زبان کی پاسداری میں اب کسی کے جذبات اور خواہشات کو نظر انداز کرنے کی غلطی نہیں کروں گا۔'' اس کے بے حد سنجیدہ انداز پر طروب نے اسے دیکھا تھا۔

''آپ جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں، اپنی زبان سے نہیں پھرتے، یہ آپ کی خوبی ہے، بس عجلت میں ایسا کوئی فیصلہ ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے جو خود آپ کو بھی بعد میں گراں گزرے یا پچھتاوے میں مبتلا کر دے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے، اب تم ہو میرے ساتھ تو مجھے یاد دلاتی رہنا دور اندیشی سے کام لینے کے لئے۔'' شاہ زیب کے مسکراتے لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔

''اور سنو، اب اگر تم نے اپنا مقابلہ کسی سے

کیا، یا میری محبت پر شک کیا تو۔" اس کے تنبیہی لہجے پر طروب نے اسے دیکھا تھا۔

"تو تم ضرور مجھ سے جرح کرنا، کم از کم غصے میں تم بار بار اس سچ کا اظہار تو کرتی رہو گی کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے، ویسے تو تم نے اظہار کرنا نہیں۔" اس کے کہنے پر ایک جھینپی مسکراہٹ طروب کے لبوں پر بکھری تھی۔

"اچھا سنو، شاہ میر نے سارا پروگرام تیار کر لیا ہے، ہم کل ہی گھر کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، سب ریلیٹوز وہاں ہیں تو ظاہر ہے شادی کی تقریب وہیں ہوگی مگر ویسے کار یسیپشن نہیں ہوگا، سب شاہ میر اور شہرینہ کی ذمہ داری ہے جبکہ ہم دونوں ایک ہفتہ سکون سے اپنے گھر میں رہیں گے یا پھر شادی کے لئے شاپنگ وغیرہ اور بس۔"

"میں جانتی ہوں آپ میرے لئے اتنا سب کر رہے ہیں، اپنی نادانی پر میں شرمسار ہوں، میرے لئے بس یہی بہت ہے کہ میں آپ کی زندگی اور دل میں ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ بنا چکی ہوں، میرے نام کے ساتھ آپ کا نام جڑ چکا ہے میرے لئے یہ اعزاز بہت ہے۔" نظر جھکائے وہ بولی تھی۔

"تم نے کوئی نادانی نہیں کی بلکہ مجھ نادان کو راہ راست پر لائی ہو، میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر رہا، یہ سب تمہارا حق ہے، میں ساری دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرے ماں باپ نے کتنی چاہت سے تمہیں میرے حوالے کیا ہے۔" مدھم لہجے میں بولتا وہ ایک بار پھر طروب کے دل میں اتر گیا تھا۔

"تمہیں شاہ میر نے بتایا کہ چچی جان یہاں آ رہی ہیں؟" اس کے سوال پر وہ چونکی تھی۔

"نہیں، کیا واقعی وہ آ رہی ہیں؟" طروب نے حیرت و خوشی سے پوچھا تھا۔

"بالکل، وہ آ رہی ہیں ہماری خوشی میں شریک ہونے کے لئے اور پھر ان کو ہونے والی بہو کا پوسٹ مارٹم بھی تو کرنا ہوگا، ہر تکلیف بھلا کر آئیں گی۔" شاہ زیب کے کہنے پر وہ بے ساختہ مسکرائی اس کی جگمگاتی روشن آنکھوں کے حصار میں محبوب سی ہوئی تھی۔

"آپ خوش ہیں، شاہ اور شہرینہ کے لئے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"خوش، میں تو شکر ادا کر رہا ہوں، یہ دونوں ہی ایک دوسرے کو برداشت کر سکتے ہیں، ان دونوں کی غضب کی دشمنی میں میری حیثیت ثانوی تھی، دونوں ہر لمحہ ایک دوسرے کی کھوج میں رہتے تھے، مجھے کوئی حیرت نہیں اس کایا پلٹ پر مگر ان دونوں نے مل کر مجھے بہت تنگ کیا ہے، اب میرا بدلہ ان دونوں سے تم نے لینا ہے۔" اس کی تاکید پر طروب دھیرے سے ہنسی تھی۔

"ویسے بہت ضدی اور دھن کی پکی ثابت ہوئی ہو، میرے دل میں ڈیرہ ڈال کر ہی دم لیا تم نے۔" شاہ زیب نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تو پھر، آپ کو کوئی اعتراض ہے؟" بمشکل مسکراہٹ چھپاتے ہوئے طروب نے اسے دیکھا تھا۔

"میری اتنی مجال کہ تمہاری کسی ادا پر اعتراض کروں ملکہ طروب۔" گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے شاہ زیب نے اس کے سرخ چہرے کو ہاتھوں میں بھرا تھا، بند پلکوں پر مسیحا لبوں کا لمس محسوس کرتے ہوئے طروب کی دھڑکنیں بے ترتیب تھیں، سچ ہی تو کہا تھا شہرینہ نے مگر یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ جو نام اس کے لئے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اسے کوئی اور کیسے پا لیتا، اسے تو وہ بہت پہلے ہی حاصل کر چکی تھی۔

☆☆☆

آخری خط

سندس جبیں

"پیارے اللہ جی!"

"آج مجھے آپ کی بہت یاد آ رہی ہے،

آپ کو تو سب یاد رہتا ہے، یاد ہے، بہت سال پہلے جب میں پیدا ہوئی تو امی کو کتنا دکھ ہوا تھا، اس بات پر نہیں کہ میں ایک بیٹی تھی، جس کے لئے انہیں ایک لمبا چوڑا جہیز تیار کرنا پڑا، بلکہ وہ ڈر گئیں کیونکہ آخر کار میں ایک لڑکی تھی اور اس عظیم غلطی کا بعد دوسری غلطی میرا خوبصورت ہونا تھا، انہیں میری بھوری آنکھوں کی چمک سے بہت خوف آتا تھا اور جب بچپن میں خالہ نے میرے کھلی رنگت اور خوبصورت بالوں کی تعریف کی تھی امی کا رنگ کیسے زرد پڑ گیا تھا اور بہت سال بعد مجھے پتا چلا کہ انہیں جتنے خوف اور وہم لاحق تھے وہ میرے "لڑکی" ہونے کی وجہ سے نہ تھے بلکہ "خوبصورت لڑکی" ہونے کی وجہ سے تھے۔"

"مجھے نہیں یاد کبھی بچپن میں انہوں نے دانستہ مجھے پیار کیا ہو یا سجا سنوار کر رکھا ہو ہمیشہ پاپا کو کہنا پڑتا کہ مجھ پر بھی نظر کرم کی جائے، ورنہ امی تو شاید یہ بھی بھول جاتیں کہ میں بھی ان کی بیٹی ہوں، ان کی نظر کرم بس بھائی پر ہوتی تھی، اسکول میں بھی وہ ہمیشہ زیادہ پاکٹ منی بھائی کو دیتی تھیں اور مجھے اکثر دینا بھول جاتی تھیں، ان کی یہ دانستہ برتی جانے والی بے نیازی اور لاپرواہی میرے اندر بیٹھتی چلی گئی اور مجھے پتا نہیں کیوں لگنے لگا کہ اللہ جی! مجھے امی کے گھر نہیں پیدا ہونا چاہیے تھا، انہیں نہ مجھ سے پیار تھا نہ میری ضرورت۔"

"وہ دن یاد ہیں نا آپ کو...... جب کالج جانا شروع کیا میں نے، تو کیسے ہر وقت روکنے ٹوکنے لگی تھیں اور ہمارے خاندان میں لڑکیاں نہ تو نقاب کرتیں نہ چادر لیتی تھیں، مگر امی میرے لئے عبایہ لے آئیں، مجھے عبایہ پہننے پر کوئی اعتراض نہ تھا جبکہ اس وقت تک مجھے ان کے ڈر اور خوف بھی سمجھ آ چکے تھے، مگر ان کی بے جا پابندیاں بڑھنے لگیں، کالج میں ہونے والی پارٹیاں اور مینا بازار وغیرہ میں اول تو انہوں نے جانے کی اجازت ہی نہ دی بھی اور جب پاپا کی سفارش پر اجازت دے بھی دی تو میک اپ کرنے سے صاف منع کر دیا، شاید میں ان کی ہر بات یوں ہی آنکھیں بند کر مانتی چلی جاتی مگر ارد گرد کے افراد، کزنز اور فرینڈز کہاں سکون سے رہنے دیتیں تھیں، مگر ان کے اکسانے کے باوجود میں نے کبھی کوئی ردعمل امی کے سامنے نہ دیا، شاید مجھے ان پر ترس آیا تھا یا پھر بہت زیادہ پیار، کیونکہ آخر وہ میری ماں تھیں۔"

زندگی بہت عجیب طریقے سے ہی سہی رواں دواں تھی اور پھر جیسے ہی میرا بی اے مکمل ہوا، امی نے مزید پڑھنے پر پابندی لگا دی۔

پاپا کو سخت اختلاف تھا مگر امی اتنی سختی سے ڈٹی رہیں کہ میں اور پاپا دونوں ہی ہار مان گئے، گھر کے کاموں میں الجھ کر مجھے سب بھولنے لگا، کبھی یہ کام کبھی وہ کام، کبھی نت نئے پکوان اور کبھی قمیضوں پر کڑھائی اور رنگا رنگ سلائی، امی چاہتی تھیں کہ میں گھر کے ہر کام میں طاق ہو جاؤں اور مجھ میں کوئی "کمی" نہ رہے۔

"پیارے اللہ جی!"

"آپ تو جانتے ہیں نا کہ بیٹیوں میں کمی نہیں ہوتی، پر امی کو پتہ نہیں مجھ میں کون کون سی خامیاں نظر آتی تھیں کہ ہر وقت مجھے روک ٹوک کرتیں، انہیں میرے کیے کسی کام سے تسلی نہیں ہوتی تھی، ہر وقت مین میخ نکالنا اور مجھے جھڑکنا ان کا معمول تھا، بعض دفعہ تو، مجھے بے حد رونا آتا، کبھی کبھی تو پاپا بھی تنگ آ جاتے اور امی سے الجھ پڑتے مگر پھر بھی میں ہی پاپا کو سمجھاتی رہتی کہ وہ

امی سے مت لڑا کریں، اس پر امی مجھ پہ مزید غصہ آتا اور میں ڈر کر اور کسی قدر خود غرض بن کے یہ سوچتی کہ کاش میری شادی ہو جائے تو ان روز روز کے جھگڑوں سے جان چھوٹ جائے۔''

''اور پھر یوں ہوا کہ امی کو فیصل آباد سے آنے والا ایک پرپوزل پسند آ گیا، ''ارمغان'' ایم بی اے، اپنی ذاتی فیکٹری کا مالک، باپ کی وفات ہو چکی تھی، ایک بڑا بھائی جو کہ شادی شدہ تھا، ماں تھیں اور بس، امی کو میرے لئے یہ رشتہ سب سے مناسب لگا، ان کے پاس بڑی مضبوط وجہ تھی کہ اس گھر میں نندوں کو جھنجھٹ نہ تھا اور انہیں الہامی یقین تھا کہ میں بدقسمتی سے ان تمام صلاحیتوں سے عاری تھی جن کی ضرورت ایک کامیاب گھر گرہستی کے لئے تھی، اسی لئے انہوں نے اپنے تئیں ارمغان کو میرے لئے منتخب کر کے کمال کیا تھا، جھٹ پٹ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور میری زندگی کے یہ وہ کچھ دن تھے، جن میں میں نے امی کو خوش دیکھا، کچھ خاص دن۔''

''وہ اب مجھے ڈانٹتی یا جھڑکتی نہ تھیں بلکہ سمجھاتی تھیں اور مجھے بھی پیار سے یوں وہ سمجھاتی ہوئی بے حد پیاری لگتیں۔''

''آخر وہ میری ماں تھیں اور مجھے ہر حال میں وہ عزیز تھیں، میری شادی پر انہوں نے مکمل روایتی انداز میں ہر وہ رسم کی اور وہ ارمان پورے کیے جن کی انہیں خواہش تھی، اپنی استطاعت سے بڑھ کر انہوں نے خرچ کیا اور ہر چیز پر دل کھول کر خرچ کیا، پاپا نے بھی انہیں نہ روکا۔''

''اور یوں میں ''ارمغان ایاز'' کی زندگی میں بیوی کی حیثیت سے شامل ہو گئی۔''

''میں عشبہ وقاص سے عشبہ ارمغان بن گئی، میں بھی کتنی پاگل ہوں اسے ہی آپ کو یہ سب بتاتی جا رہی ہوں، بھلا آپ سے بھی کوئی چیز چھپی ہے کبھی، مگر شاید آپ کو بتا کر میرا کتھارسس ہو جائے اور میں وہ غبار جو کسی کے سامنے نہیں نکال سکی اسے کہہ دینے سے میرے اندر پکتا ناسور ذرا کم ہو جائے اور میں کچھ پل مزید زندہ رہنے کا سوچ سکوں۔''

آغاز میں مجھے یہی لگا کہ ارمغان ایک اچھا انسان تھا، اسے میری ہر چیز پسند تھی، میری بھوری آنکھیں، میرے چمکیلے بال، مسکراتے ہوئے میرے ماتھے کے وسط میں سجا تل، سب کچھ اسے پسند تھا مگر کبھی کبھی مجھے بڑی شدت سے احساس ہوتا کہ اسے میں پسند نہیں، میری ذات اس کے لئے دلچسپی کا باعث نہیں بلکہ وہ صرف ظاہری حسن کا شیدائی ہے اس کے نزدیک یہ اہم نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں بلکہ اس کو اس سے غرض ہے کہ وہ کس موڈ میں ہے۔

پتہ نہیں وہ کون سا منحوس دن تھا، مجھے معاف کیجئے پیارے اللہ! مجھے بڑے اچھے سے اندازہ ہے کہ آپ کو بالکل پسند نہیں کہ آپ کے بنائے دنوں میں سے کسی کو منحوس کہا جائے مگر.......!!!

مین جب وہ دن یاد کرتی ہوں مجھے بہت شدت سے رونا آتا ہے، کیونکہ وہی دن میری خوشگوار ازدواجی زندگی جو کہ مختصراً دو ماہ پر مشتمل تھی کا اختتام ثابت ہوا، اس کے بعد تو جو ہوا وہ خیر وہ بھی آپ کو پتہ ہی ہے، تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دن کیسا عجیب ہوا، میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا، وہی بات جو اس کے نفس کی خواہش تھی، میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی نفرت اور غصہ دیکھا جو کہ میرے انکار پر بتدریج ضد میں بدل گیا اور اس نے تقریباً مجھے گھسیٹ لیا اپنی طرف، مجھے سمجھ نہیں آئی کہ کیا

طلب اس قدر ضروری ہوتی کہ آپ کے نزدیک ایک پڑھے لکھے اور باشعور انسان کی ساری مصنوعی تمکنت اور شان دھری رہ جاتی ہے۔

مجھے بالکل اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے میرے بازو دونوں ہاتھوں سے جکڑ کے میرے گالوں پر پورے سات تھپڑ مارے تھے، حیرت، خوف اور درد یہ تین احساس میرے اندر تک اتر آئے، میں اس قدر ڈر گئی میری آواز ہی نہ نکل رہی تھی۔

کہتے ہیں کہ مرد کا ہاتھ ایک بار اٹھ جائے تو رکتا نہیں، پتہ نہیں ایسا کیوں کہتے؟ وہ دن اور آج اس آخری خط تک کا دن، میں اس کے تشدد اور ایذا رسانی کو سہہ رہی ہوں۔

اس واقعہ کے دو دن بعد، مجھے یاد ہے اس نے مجھے چائے بنانے کا کہا۔

میں جلدی سے چائے بنانے کچن میں آ گئی، کیونکہ اب مجھے ہر کام کی جلدی ہوتی تھی، وہ تھپڑ مجھے بھولتے نہ تھے، پل پل یاد دلاتے تھے کہ میں نااہل تھی۔

میں چائے بنا کر مگ میں ڈال رہی تھی جب میری ساس چلی آئیں، انہوں نے خاموشی سے میرے تیز تیز ہاتھوں کا جائزہ لیا اور پھر دھیرے سے بولیں۔

''یہ تمہاری گردن کو کیا ہوا ہے عشبہ؟'' ان کے لہجے میں تفتیش تھی، چائے کا مگ میرے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچا اور میں بمشکل پتہ نہیں کہتے ہوئے باہر نکل آئی۔

اور اگلی صبح ناشتے کی میز پر انہوں نے وہی سوال ارمغان سے کر دیا، مجھے پتہ نہ چل سکا کیونکہ میں کچن سے چائے لینے گئی تھی اور جب میں آدھے راستے میں ہی تھی کہ میں نے ارمغان کو کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے دیکھا اور تنے ہوئے چہرے اور تاریک آنکھوں کے ساتھ اپنی طرف بڑھتے اور پھر مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں کہ گرم چائے نے مجھے زیادہ جلایا تھا یا سب کے سامنے تذلیل نے یا اس کی مار نے۔

آہ! پیارے اللہ!

یہ سب لکھتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں اور میرا دل تڑپ رہا ہے مگر پھر بھی میں آپ کو سب بتاؤں گی، ضرور بتاؤں گی، کیونکہ آپ سے سچا دوست اور کوئی نہیں۔

پتا ہے وہاں وہ سب موجود تھے، سبحان بھائی (میرے جیٹھ) میری ساس، فرزانہ (میری جیٹھانی) اور روشی (جیٹھ کی اکلوتی بیٹی)۔

وہ سب موجود تھے مگر کسی نے بھی ارمغان کو نہ روکا، نہ ہی مجھے بچانے کی کوشش کی، میں اس قدر شاکڈ تھی کہ مجھے لگا جیسے یہ کوئی بھیانک خواب ہے اور جب ارمغان نے میری جلی ہوئی ٹانگ پر ٹھوکر مارتے ہوئے چلا کہ کہا کہ میں نے جرأت کیسے کی کہ ماما کو اس کی شکایت لگانے کی؟ تو جیسے وہ ڈراؤنا سپنا سچ ہو گیا تھا۔

اس رات میری کراہیں اور سسکیاں ساری رات میرا سینہ جلاتی رہیں، اتنی ذلت اور ایسی شقاوت یوں جیسے میں انسان ہی نہیں کوئی بے جان فٹ بال ہوں، جسے وہ ٹھوکر مارتا رہا۔

مجھے یکلخت یہ احساس اور شدت سے ہونے لگا کہ اس کا یہ رویہ اس کی شدید تر نفرت اور ناپسندیدگی کا مظہر تھا، ورنہ اتنی سی بات جو کہ یقیناً میری ساس نے بتائی تھی اسے اور جس میں میرا کوئی قصور بھی نہ تھا یہ اس کا اتنا سخت ردعمل بھلا ایک دم سے کیسے ہو گیا، یقینی بات تھی کہ کچھ نہ کچھ غصہ اور حقارت پہلے سے ہی اس کے اندر جمع تھی جو کہ اس واقعے کی وجہ بنی۔

اور اس کے بعد پے در پے ایسے واقعات

ہوئے جنہوں نے میری ازدواجی زندگی کا سارا حسن مٹی میں ملا دیا۔

ایک رات جب ارمغان فیکٹری سے آیا تو اس نے مجھ سے شب خوابی کا لباس نکالنے کا کہا مگر میری بدبختی کہ اس دوپہر اس کے کپڑے پریس کرتے ہوئے مجھ سے اس کی فیورٹ شرٹ جل گئی اور وہ اس شب اسی کا تقاضا کرنے لگا تو مجھے اسے سچ بتانا ہی پڑا۔

اور میرے الفاظ ابھی مکمل بھی نہ ہوئے تھے کہ اس نے مجھے بالوں سے پکڑ لیا، میں بہت ڈر گئی تھی اس کا غصہ بہت تباہ کن ہوتا تھا اور مجھ سے اس کا غصہ سہا نہیں جاتا تھا، مگر غالباً اس کے نزدیک میرے خوف کی رتی بھر اہمیت نہ تھی، اس نے میرا چہرہ تھپڑوں سے رنگ دیا، میری آہ و بکا میری کراہیں اور میری معذرتیں، سب بیکار گئیں، اس نے صحیح معنوں میں مجھے اس دن خود سے دور کر دیا، میرے دل میں اس کے لئے موجود ہر جذبہ اپنی موت مر گیا، اگر کچھ بچا تو صرف ڈر، خوف اور کراہت، ہاں کراہت۔

اور اس سے اگلی شب جب اس نے بشری کمزوری سے مغلوب ہو کر میری سمت کروٹ لی تو میرا دل چاہا میں چیخیں مارتی ہوئی باہر بھاگ جاؤں۔

یہ کیسا رشتہ تھا؟

یہ کہاں کی انسانیت تھی؟

یہ کیسی ضرورت تھی؟

اور یہ ارمغان ملک کیسا انسان تھا؟

انسان تھا بھی یا نہیں؟

کیا انسان اتنا تنگ ظرف ہوتا ہے کہ دوسروں کی چھوٹی سی غلطی بھی معاف نہ کر سکے اور خود کیے گئے قتل بھی معاف کرواتا پھرے، میری کراہت میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا۔

پتا نہیں اس جبر نے میری روح کو کتنا کچلا اور مسلا تھا کہ میں بیمار پڑ گئی۔

سارا دن بے سدھ بستر پر پڑے گزار دیا، نہ باہر سے کسی نے خبر لی نہ کسی نے ضروری سمجھا کہ دیکھ ہی لیتے کہ میں باہر کیوں نہ اٹھ کر آئی، دو تین دفعہ میں نے چکراتے سر کے ساتھ اٹھنا چاہا مگر بری طرح ناکام ہو گئی، شام تک بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے میری حالت مزید غیر ہوتی گئی، مگر جب قسمت کی چرخی الٹی چلے تو انسان کچھ نہ بھی کر کے خوار ہی ہوتا ہے، جب فیکٹری سے ارمغان واپس آیا تو میری ساس نے اسے بڑھا چڑھا کر بتایا کہ کس طرح عشبہ سارا دن کمرے میں بند رہی ہے اور گھر کے سب ضروری کام فرزانہ بھابھی کو دیکھنے پڑے، وہ جب ماں کے کمرے سے نکلا تو طیش اور غیظ و غضب سے خوب بھڑکا ہوا تھا، کمرے کا دروازہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ کھلا اور پھر دروازے کے فریم میں ارمغان کا چہرہ نظر آیا اور ایک لفظ کہے بغیر میری طرف لپکا اور بلند آواز میں گالی دیتے ہوئے مجھے بالوں سے پکڑ لیا، میں جو بمشکل آنکھیں کھول پا رہی تھی اپنا قصور بھی نہ پوچھ سکی اور وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر لاؤنج میں لے آیا، جہاں سب تماشا دیکھنے کے لئے موجود تھے۔

''ماما! پوچھیں اس سے کیا کرتی رہی یہ سارا دن؟'' اس نے مجھے دھکا دیتے ہوئے لاؤنج کے فرش پر گرایا تھا، میرے حلق سے ایک دبی دبی چیخ نکل گئی۔

''میں...... میں بیمار ہوں۔'' اپنے آنسو بمشکل روکتے ہوئے میں نے اپنی ساس کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے فریاد کی تھی، جسے انہوں نے کمال صفائی سے نظر انداز کر دیا۔

ارمغان اب مزید بپھر کر مجھے ایک ٹھوکر

ماری اور ساتھ چلانے لگا، وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا، مجھے مار رہا تھا اور میری آواز کہیں اندر ہی گھٹ کر مر چکی تھی، میں نے بھابھی سے فریاد کی کہ مجھے بچالیں، پھر اپنی ساس سے معافی مانگتی رہی مگر وہ دونوں اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہیں اور روشی بلند آواز سے رونے لگی تو بھابھی اسے ڈانٹنے لگیں اور نو سال کی وہ معصوم بچی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مما! چاچو سے کہو نہ ماریں، چاچی مر جائے گی۔''

مجھے اس کے بعد یاد نہیں کیا ہوا کیونکہ میں بے ہوش ہوگئی، پھر یہ معمول بننے لگا۔

ارمغان کی نفرت کھل کر سامنے آ گئی، وہ کسی بات کی رعایت دینے کو تیار نہ ہوتا تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالم گلوچ اور مار پیٹ اس کی عادت بن چکی تھی اور سب سے بڑی بات کہ وہ بالکل لحاظ نہ کرتا تھا کہ سب موجود ہیں بلکہ سب کے سامنے مجھے تکلیف دے کر ہمیشہ وہ کافی دن خوش باش دکھائی دیتا اور اس سارے عمل میں وہ اس بات کو یکسر فراموش کر چکا تھا کہ میں بھی انسان ہوں۔

میری آنکھوں کی چمک تو کب کی ماند پڑ چکی اب تو ان میں ہمہ وقت ایک خوف نظر آیا ہے مگر اس خوف کے بوجھ سے وہ اندر کو دھنستی جاتی ہیں اور میرے بھورے چمکیلے بال بہت رف اور ہلکے ہوگئے ہیں بلکہ شاید آدھے ہی رہ گئے ہیں، ہر بار وہ سب سے پہلے میرے بال ہی تو نوچتا ہے اور وہ بھی اتنی زور سے کہ وہ جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں۔

گھر میں میرے حصے کے کام اور تنہائی ہے اگر وہ سب مل کر بیٹھیں بھی مجھے دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں یا پھر میرا مذاق اڑاتے ہیں، ہاں......

وہ میری جیٹھانی اور میری ساس، وہ دونوں ہنستی ہیں، مجھ پہ اور بھابھی تو واضح مجھے دیکھ کر بلند آواز میں میری ساس کو کہتی ہیں۔

''بڑے بڑے بے شرم دیکھے مگر اس جیسا نہیں۔''

اور میری ساس طنزیہ ہنس کر کہتی ہیں کہ، یہ مری ہوئی غیرت والی لڑکی ہے جو چار چوٹ کی مار کھا کے پھر اس کے ساتھ سوتی ہے، مجھے یوں لگتا ہے کہ ان کے الفاظ نہیں کوئی تیزاب ہے جو وہ مجھ پہ انڈیلتی ہیں۔

مگر میرے پاس جواب نہیں کیونکہ بحث کرنا الٹا جواب دینا اور زبان درازی مجھے میری ماں نے نہیں سکھائی، اس لئے میں بت بن کے سنتی ہوں اور پھر وہاں سے اٹھ کر کمرے کی پناہ گاہ میں چھپ جاتی ہوں، ان سب نے مجھے مزید تنہا کر دیا ہے، وہ نہ تو مجھے بچانے کے لئے ارمغان کو روکتے ہیں نہ ہی مجھے کوئی تسلی دیتے ہیں، یوں لگتا ہے میں انسانوں کی بستی سے نکل کر دور افتادہ کسی جزیرے پر آ گئی ہوں اور میری ساری کشتیاں جل چکی ہیں، واپسی کا کوئی راستہ نہیں، کوئی راستہ نہیں۔

ابھی کل رات کو وہ آیا تو مجھے اس کے واش روم سلیپر زر کھنے یاد نہیں رہے اور بس، وہ پھر سے اپنی اصلیت پر آ گیا، اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر میرا سر اتنی زور سے دیوار سے مارا کہ جلد پھٹ گئی اور خون بہنے لگا اور میرا سر چکرانے لگا، میں نیچے گر گئی اور اس کے ہاتھ سے میرے بال چھوٹ گئے اور وہ مجھ پر پل پڑا، ہاتھوں اور پیروں سے مجھے مارنے لگا، میرے ہاتھ خود بخود اس کے آگے جڑ گئے اور میں بلند آواز میں روتے ہوئے معافی مانگنے لگی، مگر رحم کی بھیک مانگنے پر بھی وہ مجھے مارتا ہی رہا۔

مگر اس بار میں نے کسی کو آواز نہیں دی، بس اسی سے فریاد کرتی رہی، مجھے پتا تھا کہ آوازیں باہر جا رہی ہیں مگر میں جانتی تھی کہ کوئی بھی اندر نہیں آئے گا۔

بھلا یہ قابل قبول کب ہے کہ میں معمولی سی بھی غلطی کر دوں اور مجھے سزا نہ ملے، میرے لئے میرے مجازی خدا نے ہر روز محشر سجایا ہوتا ہے جہاں ہر خطا، گناہ، کوتاہی کی سزا ملتی ہے، بس سزا ملتی ہے، معافی نہیں، مجھے پتہ ہے اور بہت اچھی طرح پتہ ہے کہ اس نے ہر روز مجھے ضرور پیٹنا ہوتا ہے، یہ میری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے، خواہ میری غلطی چھوٹی ہے یا بڑی، بلکہ میری غلطی اور بھول چوک چھوٹی بڑی نہیں ہوتی بس غلطی ہوتی ہے جس کی سزا ہر حال میں ملنی چاہیے۔

اور آج دوپہر، جمعہ کے دن سب گھر ہیں اور اس نے لنچ لانے کا کہا تو میں اس کے لئے ٹرے سجا کے لے آئی، شاید کھانے میں نمک کم لگا تھا اسے، جبھی اس نے مجھے ڈش واپس تھما کر کہا کہ نمک ڈال کر لاؤں میں خالی الذہنی کے عالم میں واپس آئی اور پوری ڈش میں نمک کی بجائے چینی ڈال دی اور جب مجھے احساس ہوا کہ میں کیا کر چکی ہوں تو چند لمحے مجھے یقین ہی نہ آیا پھر خوف کی اک سرد لہر میرے اندر دوڑ گئی، وہ تو مجھے کسی صورت نہیں چھوڑے گا اور مستزاد یہ کہ آج سب گھر ہیں، یعنی سب کے لئے مفت کی انٹرٹینمنٹ۔

میرے اندر وحشت اٹڈ پڑی، میں اس وقت بس چھپ جانا چاہتی تھی اور میں بنا کچھ سوچے سمجھے کچن کے دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی اور کمرے میں آ کر میں نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ چھپنے کی جگہ ڈھونڈی اور پھر بیڈ کے نیچے کھسک کر چھپ گئی، میری دھڑکن یوں تھی، جیسے دل پھٹ کر باہر آ جائے گا اور خوف کی شدت سے میرا پورا وجود کانپ رہا تھا، مجھے یہ بھی پتا ہے کہ میں زیادہ دیر تک چھپ نہیں سکوں گی، وہ آ جائے گا اور مجھے ڈھونڈ نکالے گا اور پھر......!!!

اور مجھے اس کے قدموں کی چاپ محسوس ہو رہی ہے، وہ اندر آ چکا ہے اور اب اس نے مجھے چلا کر آوازی دی ہے اور مجھے لگ رہا ہے جیسے موت کا فرشتہ آ چکا ہے۔

بہت شدت سے روتے ہوئے میں نے سوچا کاش وہ مجھے ڈھونڈ نہ سکے، مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا، کچھ دیر بعد اسے میرا پتا مل گیا کیونکہ میرے دوپٹے کا ایک سرا باہر سے نظر آ رہا تھا، اس نے مجھے باہر گھسیٹ لیا اور میری حالت دیکھ کر ایک لمحے کو اس کے تاثرات بدل گئے، بس اک لمحے کو اس کی آنکھوں میں حیرانی اور ہمدردی اٹڈی تھی مگر پھر وہی معمول کی مانند اس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی، نہ تو اسے میری لرزتی ٹانگیں نظر آئیں نہ میرے آنسو اور نہ میرے معافی مانگنے والے ہاتھ، اس کے ہاتھ اک وحشت کے عالم میں میری جانب بڑھے اور پھر مجھ پر درندگانہ انداز میں چل پڑے اور پتا نہیں یہ کیوں ہوا تھا کہ مسلسل مار، زندگی، وحشت اور دوسروں کی نظروں میں بے وقعتی نے میری ہمیشہ سے بند زبان کو کھول دیا، بلند آواز میں چلاتے ہوئے میں نے اسے گالیاں دینا شروع کر دیں، میری عقل پتہ نہیں کدھر دفع ہو گئی تھی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی میں پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی، وہ سب گرے ہوئے الفاظ جو وہ میرے لئے استعمال کیا کرتا تھا، وہ یہی سب گالیاں جو وہ مجھے دیا کرتا تھا، میں وہ سب بلند آواز میں انہیں دے رہی

تھی، کمرے کے دروازے پر وہ سب چہرے موجود تھے، میری ساس کا حیران چہرہ (یقیناً میرے بولنے کی وجہ سے) میری جیٹھانی کا نفرت سے بھرا چہرہ اور میرے جیٹھ کا اس روز کے تماشے سے اکتایا ہوا چہرہ، ہاں مگر وہاں ایک اور معصوم چہرہ بھی تھا، نو سال کی روشی کا ڈرا ہوا چہرہ۔

مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ مجھے کسی سے بھی شرم نہ آئی، ان سب کے سامنے یوں اپنے نام نہاد شوہر کے ہاتھوں پٹ کر اور اسے گالیاں دے کر مجھے عجیب سی تسکین ہو رہی تھی، جیسے آج میں نے بدلہ لے لیا ہو، ویسے بھی وہ ایک عربی کہاوت ہے نا کہ جب انسان موت کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے۔

اس وقت میں نے بھی سوچا کہ جب مار ہی کھانی ہے تو چپ رہ کر ہی کیوں؟ میں نے دیکھا ارمغان کی آنکھوں میں کچھ اور بھی وحشت اتری تھی، اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا واز اٹھایا اور ایک غراہٹ کے ساتھ میرے سر پر دے مارا۔

میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور میں سر تھام کر منہ کے بل زمین پر گر گئی، کانچ کے ٹکڑے ہر طرف بکھر گئے، میرے بال اور ماتھا خون سے بھر گیا اور میری آنکھیں بند ہو گئیں، اس غشی نما بے ہوشی میں، میں نے ارمغان کو گالیاں دیتے اور پھر میری کمر پر اس کی ٹھوکر، درد کا شدید احساس اور پھر مکمل تاریکی اور خاموشی۔

☆☆☆

''اسے ہوش کیوں نہیں آ رہی؟'' ارمغان کی آواز میرے کانوں میں پڑی اور میری ہلکی سی جنبش سے کھلتی میری آنکھیں پھر سے بند ہو گئیں۔

وہاں بہت سی آوازیں تھیں، بہت شور، جیسے بہت سے لوگ آپس میں لڑ رہے ہوں، اونچی اونچی آوازیں۔

اور جب کئی صدیوں بعد میں ہوش میں آئی تو میں بابا کے گھر تھی، مجھے یوں لگا جیسے یہ کوئی خواب تھا۔

عزیر نے بتایا کہ امی بابا مجھے وہاں سے لے آئے تھے، ارمغان نے کہا تھا کہ میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی، بابا کافی پریشان تھے، مجھے دیکھ کر، مجھ سے تو بات نہیں کی، البتہ امی دوسرے دن ہی مجھے لے کر بیٹھ گئیں، وہ مجھ سے وضاحت مانگ رہی تھیں اور پتہ نہیں کیوں مجھ سے رہا ہی نہ گیا اور میں نے سب سچ انہیں بتا دیا۔

وہ میری باتیں سن کر لمحہ بھر کے لئے سن سی ہو گئیں اور پھر ان کے چہرے پر ایک کٹر قسم کی کیفیت چھا گئی۔

''پاگل مت بنو عشبہ، شوہر غصہ کرتے ہی رہتے ہیں، ہاتھ بھی کبھی اٹھا لیتے، اس میں تماشا بنانے والی تو کوئی بات نہیں، جب کھانے پینے، پہننے اور اوڑھنے میں کوئی کمی نہیں تو پھر باقی باتیں فضول جذباتیت ہیں بس۔'' انہوں نے قطعیت سے کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر گویا بات ہی ختم کر دی، میرے ہونٹ کچھ مزید کہنے کی جدوجہد میں کپکپا کر رہ گئے، مجھے ان کے ازلی خوف کا بخوبی اندازہ تھا اور میں آگاہ تھی کہ وہ ہر صورت مجھے اپنے گھر میں بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہیں مگر نجانے کیوں اس پل مجھے ان کے اس خوف سے نفرت ہوئی تھی جو میری زندگی کے حسین ترین سال کھا گیا تھا اور جس نے میرا مستقبل بھی اندھیرے میں پھینک دیا تھا۔

اس کے بعد میں ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکی، ایک ہفتے بعد ارمغان مجھے واپس لینے آ گیا، واپسی کے سارے رستے اس نے مجھ سے کوئی

بات نہ کی اور گھر کے گیٹ پر ہی چھوڑ کر چلا گیا، اندر گئی تو ملازمہ نے بتایا کہ سب گھر والے اسلام آباد گئے ہوئے تھے جہاں فرزانہ بھابھی کا میکہ تھا اور میں گھر میں اکیلی تھی، سامان اندر رکھنے کے بعد گھر کا جائزہ لیا اور کچن میں آکر خاموشی سے کھانا بنانے لگی۔

"یہ پنجرہ میری قسمت میں لکھا جاچکا ہے اور واپسی اڑان کا کوئی راستہ نہیں، اس لئے مقدر کے لکھے پر صبر کرلو عشبہ!" میرے اندر چھپی لڑکی نے درد سے کراہتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی تھی۔

رات کے کھانے پر اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ میری شکل بھی نہیں دیکھی، جب وہ ٹیبل سے اٹھ کر چلا گیا تو میں برتن سمیٹنے لگی، کچن دوبارہ صاف کرنے کے بعد میں لاؤنج میں آگئی، اسی وقت ارمغان نے مجھے آواز دی، میری رگوں میں بہتا خون لمحہ بھر کے لئے جم سا گیا، میں نے بمشکل اپنے قدموں کو گھسیٹنے کی کوشش کی مگر میرے سامنے روتی چلاتی لڑکی آگئی جس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اور جو اذیت سے تڑپ رہی تھی، میں نے نظریں چرالیں اور اس سے پہلے کہ مجھے پھر سے آواز دی جاتی، میں ٹوٹے قدموں کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بستر پر دراز لیپ ٹاپ گود میں رکھے ماؤس پیڈ پر ہاتھ چلا رہا تھا، میں نے لمحہ بھر کے لئے رک کر دیکھا اور پھر اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

"ادھر آؤ" اس نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کر پیر سمیٹ کر میرے لئے جگہ بنائی، میں بیٹھ گئی، وہ چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا، جاں توڑ خاموشی کے بعد اس نے بات شروع کی۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"تم اس بات سے بخوبی آگاہ ہو کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔" بات کا آغاز تھا یا کوئی خنجر جو سیدھا دل میں اترا تھا۔

"تم ایک بگڑی ہوئی بدتمیز لڑکی ہو، تمہاری تربیت بہت ضروری ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی رعائیت نہیں دی جاسکتی اور میں رعایت دینے کا قائل ہوں بھی نہیں، میں تمہیں اس بات کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتا کہ تم مجھے میری ہی فیملی کے سامنے ذلیل کرو اور نہ ہی میں اس معاملے کو ڈھیل دے سکتا ہوں، اگر تمہیں اس لائف سٹائل پر اعتراض ہے تو آپشن موجود ہے، تم طلاق لے سکتی ہو۔"

میں بنا کچھ بولے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، مگر بہت غور سے دیکھنے پر بھی وہ انسان کا چہرہ ہی رہا، مجھے اس میں کسی درندے کی جھلک نہ نظر آئی، مجھے عجیب سی بے چینی اور حیرت نے آن گھیرا، بھلا اگر وہ انسان ہے تو ایسی بے روح درندگانہ باتیں کیسے کرسکتا ہے؟

تربیت؟

کیسی تربیت کرسکتا ہے وہ میری؟

جانوروں کی طرح مشقت کے باوجود مار کھانے کی تربیت؟

اتنے بڑے گھر کے تنگ دل لوگوں کے ساتھ اندھا، گونگا اور بہرا بن کر رہنے کی تربیت؟

قیدی بننے کی تربیت؟

مگر ابھی اس درندگی کے نشانات باقی تھے جب ایک شب اس نے یا پھر اسے زمینی خدا نہ ماننے کی سزا؟

اور وہ مجھے بتا رہا تھا کہ وہ مجھے کبھی گھر سے باہر نہیں لے کر جائے گا، نہ ہی خرچ کے نام پر کوئی روپے دے گا۔

میں نے یاد کرنے کی کوشش کی تو مجھے یاد نہیں آسکا کہ ان گزرے آٹھ مہینوں میں اک بار بھی وہ کبھی مجھے باہر لے کر گیا ہو یا پھر مجھے کوئی روپیہ دیا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے بھی، میرے لئے کچھ خرید کر بھی نہ لایا تھا۔

میں پھر سے اسے دیکھنے لگی اور مزید کیا کہہ رہا تھا؟ میری حدود متعین کر رہا تھا، کاش وہ یہ بھی کہہ دے کہ وہ مجھے کبھی ہاتھ نہیں لگائے گا، مگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی اور پھر یوں ہوا کہ عشبہ وقاص کی تربیت شروع ہو گئی۔

مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔

میں نے آئینے میں خود کو دیکھ کر سوچا، بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ سارا دن کچھ بھی بولے بغیر گزر جاتا ہے، بالکل خاموش، اک لفظ بولے بغیر، میں اپنے حصے کے کام کیے جاتی ہوں، بے چینی اور بے قراری کا گلا گھونٹنے کو اپنے ناخن کترتی رہتی ہوں۔

اور بہت دنوں بعد جو دیکھا تو انگلیاں یوں ادھڑی ہوئی تھیں جیسے کسی کتے کی وحشت کی نظر ہو گئی ہوں۔

آج صبح ناشتے پر چائے رکھتے ہوئے کپ تھوڑا چھلک گیا اور ارمغان کی پلیٹ میں رکھی انگلی پر چند چھینٹے پڑ گئے، صرف چند چھینٹے اور وہ بلند آواز میں گالی دیتے ہوئے کرسی دھکیل کر ڈائننگ ٹیبل سے اٹھا اور اک زور دار ٹھوکر میرے پیٹ میں ماری، مجھے لگا کوئی بھاری فولاد کا پتھر میرے پیٹ پر گرا ہو، میں بلند آواز میں چلاتے ہوئے زمین پر گر گئی اور اس نے میرے بال پکڑتے ہوئے اپنے پیر کی ٹھوکر میرے چہرے پر مار دی، درد سے میری جان نکل گئی میں بری طرح تڑپی اور دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے جیسے چہرہ چھپانا چاہتی ہوں، مگر میں جانتی تھی یہ بے کار تھا، میرے ناک اور ہونٹوں سے لہو بہہ رہا تھا اور وہ میرے بال نوچتے ہوئے میری پسلیوں پر پے در پے ٹھوکریں مار رہا تھا، یہ میری تربیت تھی۔

اور روشی اونچی آواز سے رو رہی تھی اور میری چیخیں اور کراہیں بتدریج مدھم پڑتی ہوئی اس کے آنسوؤں میں ڈوب رہی تھیں اور میں نے دو دن کھانا نہیں کھایا، میرا چہرہ اتنی بری طرح سوجا ہوا تھا کہ مجھے اپنے آپ سے خوف آیا تھا، ایک بار اپنا چہرہ آئینے میں دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکی۔

تیسرے دن دوپہر کو وہ خشک اکڑی ہوئی ڈبل روٹی جو فرزانہ بھابھی نے پھینکنے کے لئے اک طرف رکھ دی تھی، وہ پانی میں ڈبو کر کھانے لگی اور پھر کپڑے دھلوانے کے لئے بیک یارڈ میں چلی گئی، کام والی ملازمہ مجھے دیکھ کر گنگ رہ گئی، مگر شاید سوال کرنے کی جرأت نہیں تھی اس میں۔

اور رات جب کام ختم ہوا تو جان توڑ درد نے مجھے نڈھال کر کے رکھ دیا تھا، میں دوائی ڈھونڈنے کے لئے کچن میں گئی تو ایڈ بکس میں پین کلر کا پتا موجود تھا، دو گولیاں پانی کے ساتھ نگل کر میں نے باقی واپس رکھنے کی بجائے چھپا لیا۔

کمرے میں وہی معمول کے مطابق وہ لیپ ٹاپ کھولے کچھ کر رہا تھا، میں خاموشی سے اپنی طرف آ کر دراز ہو گئی، کچھ دیر بعد اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور ہاتھ بڑھا کر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور میرے جسم سے روح بھی جیسے کھینچ لے گیا، یہ کیسا تعلق تھا؟ جس میں اک بار پھر ضرورت اس قدر اہم تھی کہ سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا، نیلو نیل، جسم اور سوجا ہوا چہرہ سب کچھ، میں اپنے آپ سے بے نیاز ہو گئی، جسم کا درد کبھی اپنی طرف متوجہ کرتا بھی تو چھپ کے گولی

کھالیتی۔

مگر ابھی اس درندگی کے نشانات باقی تھے جب ایک شب اس نے مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت سے روشناس کرایا۔

اس شب وہ بہت دیر تک جاگتا رہا تھا اور میں نیم غنودگی کے باوجود آگاہ تھی کہ وہ سویا نہیں تھا۔

پھر اس نے حسب عادت مجھے اپنی طرف گھسیٹ لیا، میرے حلق سے اک بے اختیار سسکی نکل گئی، اس نے میرا سر اپنے بازو پر رکھ لیا، میں نے نائٹ بلب کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھا جو بہت بدلا ہوا تھا، پتھر پر دراڑیں تھیں، اک تڑخا ہوا برتن، اک اترا ہوا خول جیسے۔

''میری روح بہت عریاں ہے عشبہ! محبت کی اندھی گلی میں ٹھوکریں کھا کھا کر میری آنکھوں کی بینائی بھی کھو چکی ہے، میں اک ہارا ہوا شخص ہوں، اک مردہ دل، اک مردہ ضمیر لئے، ہر روز سانسوں کی ڈوری کو کاٹتے نڈھال ہوتے صبح سے رات کرتے، جانے کب سے اذیت کے صحرا کا مسافر ہوں، کوئی مسیحا، چارہ گر نہیں، ظالم کو بھی بھلا کبھی سکون ملا ہے؟ میں نے بھی ایک محبت کی تھی، میں بھی ایک انسان تھا، پھر اک دھوکے نے مجھے انسانیت کی صف سے نکال کر محرومی کے اس صحرا میں پھینکا کہ میں خود اپنی پہچان بھول گیا، کیا ہوتا ہے جب آپ ایک انسان کے لئے اپنی ذات اپنی دھن من کو لٹا دیں اور وہ واقعی آپ کو لوٹ کر چلتا بنے، میں بہت عرصہ نارمل ہی نہ ہو سکا، نہ گھر آتا، نہ کام کرتا، نہ کسی سے بات کرتا اور اپنا اندر پھونکتا رہتا، میری روح کچلی گئی تھی، میں توڑ دیا گیا تھا، اعتماد اور یقین کو پانی میں بہا دیا گیا تھا، میں کبھی ٹھیک نہیں ہو سکا، میں کبھی واپس نہیں آ سکا، میں کبھی نارمل نہیں ہو سکا، میں ختم ہو چکا تھا، پھر تم آ گئیں۔'' وہ بولتے ہوئے رکا اور میں یکدم گہرے خواب سے چونکی، میری آنکھوں کے گوشوں سے پانی بہہ کر اس کے بازو پر گر رہا تھا، وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

''یہ کمزور لمحوں کا اعتراف ہے عشبہ! کبھی ہوش کے لمحوں میں مجھے اس بات کا طعنہ مت دینا ورنہ میں سہہ نہیں پاؤں گا۔'' اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔

میں سسک کر رخ موڑ گئی، بھلا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟ مجھے آج سمجھ آئی تھی کہ کیوں ارمغان کو میں کبھی پسند نہ آ سکی تھی، کیوں ہمیشہ میری ہر بات، ہر ادا ہر رخ اس کے لئے قابل نفرت رہا تھا، بھلا اس گھر میں جگہ کہاں بنتی میری جس کا مالک کوئی اور تھا اور جس کے کواڑ بھی زنگ آلود ہو چکے تھے۔

میرے دل میں اذیت کا احساس مزید بڑھ گیا، اگر اس لڑکی نے ارمغان کو دھوکہ دیا تھا، لوٹا تھا اور تنہا کر کے چھوڑ دیا تھا تو میرا کیا قصور تھا؟ مگر قصور بس یہ تھا میرا کہ میں اک لڑکی تھی اور وہ بھی اک لڑکی تھی، تو اس کا انتقام مجھ سے لیا گیا اور شاید لیا جاتا رہے گا۔

☆☆☆

آج ارمغان کی شرٹ پریس کرتے ہوئے استری میرے ہاتھ پر گر گئی، کلائی کے قریب سے پشت کی جلد جل گئی، مجھے پتا بھی نہ چلا اور آنسو میرے گالوں پر بہتے رہے اور منہ سے آواز تک نہ نکلی، اب ایسا ہی ہوتا ہے میری آنکھیں روتی ہیں، دل روتا ہے، مگر ہونٹ سل چکے ہیں۔

رات بھابھی اور میری ساس شاپنگ کر کے آئیں تو لاؤنج میں ارمغان اور سجان بھائی میچ دیکھ رہے تھے، دھڑا دھڑ ڈبے کھل رہے تھے شاپنگ بیگز کے ڈھیر لگے تھے، میں کچن میں

چائے بنا رہی تھی، چائے تیار کر کے میں نے ٹرے سجائی اور باہر لا کے ٹیبل پر سرو کر دی، ارمغان کے آگے اس کا کپ رکھا تو اس کی نظر میری جلی ہوئی کلائی پر پڑی تھی۔

میں نے ایک نظر نعمتوں کے اس سجے ہوئے ڈھیر کو دیکھا اور دوسری طرف اپنے تن پر موجود آٹھ ماہ پرانے لباس کو اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی، یہاں نہ تو میری جگہ تھی نہ میرا حصہ، کمرے میں آ کر کسی عجیب احساس کے تحت اپنی وارڈ روب کھول لی، وہاں وہی پرانے دس بارہ جوڑے لٹکے تھے جو شادی پر سسرال اور امی کی طرف سے مجھے ملے تھے۔

میں نے خود کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ یہ سب دنیاوی چیزیں ہیں جن سے مجھے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، میرا بھی دل کرتا ہے کہ میرے پاس اچھے اچھے کپڑے ہوں، جوتے ہوں، آہ میں کوئی ولی، درویش یا پھر ضروریات سے مبرا تھوڑا ہوں، میں فرشتہ تو نہیں؟

مگر ارمغان کہتا ہے وہ مجھے کبھی کچھ نہیں لے کر دے گا، بھلا ایک چھت اور دو وقت کی روٹی وہ بھی بے دردی و بے وقعتی کی چادر میں لپٹی ہوئی اور پھر میرے سدھار کے لئے تربیت، کافی نہیں تھی کیا؟ میں نے آہستہ سے وارڈ روب بند کر دیا اور کپڑے بدل کر بیڈ پر آ کر خاموشی سے لیٹ گئی۔

☆☆☆

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' میں نے اپنی انگلیاں اپنے گال پر پھیرتے ہوئے خود سے کہا، جہاں ابھی تک نیلاہٹ تھی اور درد کا احساس بھی، ہاں البتہ سوجن کم ہو چکی تھی۔

باہر قہقہوں اور ہنسی کی آوازیں اب بتدریج کم ہو چکی تھیں اور پھر یکا یک ایک آواز بلند ہوئی۔

''چھوڑ دو اس عورت کو ارمغان، کچھ نہیں دے سکتی وہ تمہیں، جس دن سے اس کے منحوس قدم یہاں پڑے ہیں، تمہیں سکھ کا سانس لیتے نہیں دیکھا میں نے؟ کیا ملا ہے تمہیں سوائے چڑچڑاہٹ اور غصے کے، نکال دو اس کے منحوس سائے کو اس گھر سے، آسیب زدہ کیکر ہے وہ، کوئی پھل پھول نہیں اُگے گا اس پر۔'' یہ زہر خند اور نفرت میں بجھی آواز آواز میری ساس کی تھی۔

میں لرز گئی، مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مجھے گرز مار رہا تھا یا پھر میرا گلا گھونٹا جا رہا تھا، میں لرزتی ہوئی اٹھ بیٹھی، آنسو بے اختیار میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے، مجھے یوں لگ رہا تھا کسی بھی لمحے میرا دل رک جائے گا۔

کتنا ظلم، کتنا مزید ظلم کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ مجھ پر؟ کیا چاہتے ہیں مجھ سے؟ کیا میں بھاگ کے آئی ہوں ارمغان کے ساتھ؟

میں نے سوچا کاش ارمغان کی بھی کوئی بہن ہوتی تب شاید میری ساس کو میرے درد کا اندازہ ہو پاتا، کون سا پھل چاہتی ہیں وہ مجھ سے؟ اگر میں کیکر ہوں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جس درخت کی جڑیں روز کاٹی جاتی ہیں وہ تو کوئی پتہ بھی نہیں اُگا سکتا، پھل پھول تو دور کی بات تھی۔

لڑکھڑاتے قدموں سے میں اٹھی اور باتھ روم میں بند ہو گئی، پتہ نہیں ارمغان کب اندر آیا اور کب سویا؟ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا، میں بالکل بے سدھ سی باتھ روم کے سنک کے کناروں سے تھامے کھڑی تھی، مجھے اب کوئی فیصلہ لینا تھا اور ایک تنہائی رات گزر جانے سے

بعد آخر کار میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔
باہر آ کر میں نے اپنی انگلی سے منہ دکھائی کی انگوٹھی اتار دی اور اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، پھر اپنی چادر نکالی اور لپیٹ کر دبے قدموں سے باہر نکل آئی، مجھے اس گھر میں نہیں رہنا تھا، مجھے یہاں سے چلے جانا تھا، کہیں بھی...... کہیں دور...... کیسی ایسی جگہ جہاں کم از کم یہ دوزخ خانہ نہ ہو، نہ ارمغان، نہ اس کی دی گئی اذیت، نہ تلخیاں اور نہ ہی یہ قتل کر دینے والا احساس کمتری۔
میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی، ہر صورت، چاہے مجھے دارالامان ہی کیوں نہ رہنا پڑتا۔
وہ جگہ بھی کم از کم اس جہنم سے کم ہو گی، مجھے یقیناً تھا، میں تیز قدموں سے باہر نکلی بے آواز گھر کا گیٹ کھولا اور باہر نکل آئی۔
صرف دو قدم ہی چلی ہوں گی کہ یکدم مجھے پیچھے سے ارمغان کی آواز آئی، مجھے لگا مجھ پر کسی نے پہاڑ توڑ دیا ہو، میں بنا کچھ سوچے سمجھے بھاگ اٹھی، وہ میرے پیچھے ہی تھا اور چند قدموں کے فاصلے پر ہی اس نے مجھے جکڑ لیا، میں نے تڑپ کر خود کو چھڑانے کی کوشش کی، مگر اس کی گرفت سخت تھی، وہ سخت گھبرایا ہوا اور ہراساں تھا، بار بار کرب سے مجھے بھینچتے ہوئے ایک ہی جملے دہرائے جاتا تھا کہ ''خدارا مجھے یوں تنہا کر کے نہ جاؤ، میں مر جاؤں گا مگر اب کے یہ تنہائی نہ سہہ پاؤں گا۔''
اس بات کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ بالکل اسی طرح وہ پہلی لڑکی بھی اسے چھوڑ گئی تھی، اسی لئے وہ حد درجہ ڈرا ہوا تھا، اس کے ذہن میں لاشعوری طور پر یہ خوف موجود تھا کہ کسی دن میں بھی اسے یوں ہی چھوڑ جاؤں گی، اس نے میرا ہاتھ تھام کر بہت شدت سے معافی مانگتے ہوئے کہا تھا کہ صرف اسی ڈر سے وہ میرے ساتھ یہ سلوک روا رکھتا تھا کہ کہیں میں اس کی گرفت سے نکل نہ جاؤں۔
میں اس کے اعترافات سنتی جاتی تھی اور آنسو میرے گالوں پہ پھسلتے رہے، اس رات جب وہ مجھے گھر لے کر آیا تو اس کا حال اس جواری جیسا تھا جو اپنی ساری بازی لگا کر ایک آخری متاع کو سینے سے لگا کر رکھے، میں اس کی آخری متاع تھی، وہ کسی قیمت پر مجھے کھونا نہیں چاہتا تھا۔
جبھی اس رات اس نے اک اک گناہ کی معافی مانگتے ہوئے مجھے اپنا زخمی دل کھول کر دکھایا اور کیسی عجیب اور پاگل لڑکی تھی نا میں، اپنے سارے درد بھول کر اس کی [illegible] کرتی رہی۔
شاید ساری لڑکیاں اک جیسی ہوتی ہیں، مہربان، نرم دل، حساس اور جلد بھول جانے والی، میں بھی سب کچھ بھول گئی اور یاد رہا تو بس یہ کہ اسے میری ضرورت تھی، میری ہمدردی اور دل جوئی کی ضرورت تھی، میں بھول گئی تھی کہ اس شخص نے میرے ساتھ کیا کیا تھا، مجھے کس [illegible] سے دو چار کیا تھا۔
اور وہ مجھے بتا تا رہا کہ وہ سویا نہیں تھا بلکہ وہ مجھے ڈھونڈتا رہا پھر جب اسے اندازہ ہوا کہ میں باتھ روم میں تھی تو وہ میرے باہر آنے کا انتظار کرتا رہا اور جب میں باہر آئی تو اور انگوٹھی اتار کر رکھی تو وہ اندر سے ڈر گیا تھا اور جب میں چادر لے کر نکلی تو اسے سمجھ آ گئی تھی کہ میں کیا کرنا چاہ رہی تھی اور وہ پہلے سے بھی بڑھ کر خوفزدہ ہو گیا، میں اس کی بات سنتی رہی اور وہ میری نرم کلائی کو اپنے سینے پر رکھے میرے گال سہلاتا رہا۔
پھر میں نے خاموشی سے اپنی کلائی [illegible]

اور وہاں اپنا سر رکھ دیا جہاں اس کا دل تھا، وہ چند لمحوں کے لئے ششدر رہ گیا پھر بڑی بھرپور آمادگی سے اس نے مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

☆☆☆

''پیارے اللہ!''

''مجھے نہیں پتہ اگر یہ سب کسی اور کے ساتھ ہوتا تو وہ کیا کرتا، مجھے نہیں پتہ کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ شاید مجھے اسے معاف نہیں کرنا چاہیے تھا، شاید مجھے بھی اس سے اپنا انتقام لینا چاہیے تھا، شاید مجھے بھی اسے اذیت کی اس بھٹی سے گزارنا چاہیے تھا جس کا ایندھن میں پچھلے آٹھ ماہ سے بن رہی تھی، شاید مجھے بھی وہ سب سزائیں جو وہ مجھے دیتا رہا، اسے دینا چاہیں تھیں، جسمانی نہ سہی روحانی ہی سہی، میں بھی اسے اذیت کی سولی پر لٹکا سکتی تھی۔''

مگر......؟ مگر پھر کیا ہوتا؟ کیا اس انتقام کو لے کر مجھے سکون مل جاتا؟ کیا اسے سزا سنا کر مجھے اطمینان قلب نصیب ہو جاتا؟ اور اگر اسے سزا سنا دیتی تو اس میں اور مجھ میں کیا فرق رہ جاتا؟ پھر میں بھی اس کی سطح پر آجاتی۔

اور جب طے تھا کہ میں یہ سب سہار نہیں سکتی تھی تو پھر میں یہ راستہ کیوں چنتی جو صرف اور صرف کانٹوں سے بھرا ہوا تھا اور جس کا انجام صرف بے کلی اور بے چینی تھا، اس لئے میں نے فیصلہ بدل لیا، میں اب اس زندگی سے تھک چکی تھی، اب مجھے سکون چاہیے تھا۔

میں بھی اب ایک نارمل انسان جیسی زندگی گزارنا چاہتی تھی، ایک ایسی زندگی جس میں ہنسی ہو، سکون ہو اور اطمینان ہو۔

اگر وہ مجھے ایک اچھی زندگی اور بہتر دنوں کی آمد کی نوید دے رہا تھا تو میں کیوں انا کا مسئلہ بنا کر انکار کرتی، کیوں ضد میں آ کر معاملات کو بگاڑ دیتی، جبکہ سلجھاؤ کا راستہ نظر آ رہا تھا۔

ہو سکتا ہے کچھ کو مجھ سے اختلاف ہو، انہیں لگا ہو میں نے سمجھوتہ کر کے غلط کیا۔

مگر میں سمجھتی ہوں کہ زندگی برباد کرنے سے کئی گنا بہتر تھا کہ میں سمجھوتہ کر لیتی اور چند ماہ کی اذیت کو بھول کر ہمیشہ کے لئے اس کا دل جیت لیتی۔

میں سوچتی ہوں آخر اس لڑکی نے ارمغان کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ میڈیا کی آزادی نے کتنا آسان کر دیا ہے لوگوں اور ان کے جذبات کے ساتھ کھیلنا۔

لڑکی ہو کر بھی وہ ارمغان کے ساتھ کھیلتی رہی، اس سے اپنی بے جا فرمائشیں منواتی رہی اور وہ دیوانہ وار لٹاتا رہا، میں سوچتی ہوں آخر جب کوئی لڑکی کوئی تحفہ لے کر گھر جاتی ہے تو مائیں ان سے سوال کیوں نہیں کرتیں کہ یہ قیمتی چیزیں کہاں سے آئیں؟ وہ ان پیسوں کے بارے میں سوال کیوں نہیں کرتیں جو ان کی بیٹیاں خرچ کرتی ہیں۔

تو نتیجہ یہ نکلا کہ پھر ایسی لڑکیوں کی وجہ سے ہی ہم جیسی لڑکیوں کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔

پیارے اللہ!

مجھے یقین ہے آپ نے میرے فیصلے کو پسند کیا ہوگا، کیونکہ آپ جانتے ہیں میرے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا، پتہ ہے میرے دل میں بے تحاشا سکون ہے، مجھے یہ سکون، اطمینان اور تسلی بے حد اچھی لگ رہی ہے، مجھے آپ سے بہت پیار ہے، آپ نے مجھے تھوڑی سے مشکل دے کر بہت سی خوشی دی ہے۔

☆☆☆

www.Paksociety.com
دھوپ کے سفر میں
فلک ارم زاکر
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کافی دیر تک چیخ چلا کر اپنی صفائی دینے کی سعی میں وہ بری طرح سے ہانپنے لگیں بالآخر تھک ہار کر انہوں نے گہری سانس بھری اور نڈھال ہو کر دیوار سے سر ٹکا دیا اب وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اردگرد ان کے وجود سے بے خبر اپنی لایعنی سوچوں اور بے معنی حرکات میں مشغول مختلف خواتین ولڑکیوں کو بے یقینی کے عالم میں ملاحظہ کر رہی تھیں۔

جبکہ چند ایک ان کی جانب متوجہ تھیں، جن کی نگاہوں سے ان کے لئے رحم چھلک رہا تھا۔

''کب سوچا تھا کہ زندگی مجھے اس مقام پر لے آئے گی اور اس جگہ چھوڑ کر جانے والا کوئی غیر تو نہیں تھا، کاش کہ غیر ہوتا تو یہ دکھ دامن گیر نہ ہوتا۔'' انہوں نے اک نظر اپنے خالی دامن میں منہ چھپا کر کرلاتے اپنے دکھ پر ڈالی اور ضبط کی شدت سے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں رگڑنے لگیں۔

آنکھیں جو چبھن کے شدید احساس کے باوجود جھپکنے سے انکاری ہوگئی تھیں، اچانک ان کے منہ سے اک دلدوز چیخ نکل گئی شدید اذیت کے باعث وہ دہری ہوگئیں اپنے خیالوں میں وہ اس قدر محو تھیں کہ احساس تک نہ ہوا کب ایک عورت ان کے قریب آ کھڑی ہوئی اور ان کے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

''چھوڑو اسے۔'' دو نگران خواتین ان کی آہ و بکا سن کر متوجہ ہو کر بھاگی چلی آئیں اور اس عورت کی مٹھیوں سے ان کے بال آزاد کروا کر اسے کھینچ کر باہر کی سمت لے گئیں۔

اپنے گھومتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر وہ سسکنے لگیں آنسو تیزی سے ان کے گالوں پر راستہ بنا رہے تھے، ضبط کو ٹوٹنے کا بہانہ مل گیا تھا، یہاں کون ذی ہوش تھا جو ان کے بلکنے پر دلاسہ دیتا، گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر وہ اور شدت سے رو دیں۔

اسی لمحہ اپنے کاندھے پر اک اجنبی ہاتھ کا لمس محسوس کر کے بے حد سراسیمہ ہو کر ایک جھٹکے سے انہوں نے اپنا آنسوؤں سے تر بتر چہرہ اٹھایا۔

''ڈرو نہیں مجھے بتاؤ تمہیں کیا دکھ ہے۔''

انہی کی ہم عمر ایک سن رسیدہ خاتون برابر میں بیٹھ کر دریافت کرنے لگی اس کے چہرے کی حوصلہ افزاء مسکراہٹ اور لہجے کی نرمی پر بے اختیار اس کے کندھے سے لگ کر وہ اپنے درد کی شدت سے سلگتے وجود پر شدومد سے آنسوؤں کی برسات کرنے لگیں، اس نے انہیں کھل کر رونے دیا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں دکھیاری ہوں پاگل نہیں۔'' کافی دیر رو چکنے کے بعد اس کے کندھے سے سر اٹھا کر انہوں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''میں نے یہاں اک عمر گزاری ہے رشیدہ نام ہے میرا۔'' وہ اک لمحہ کے توقف سے گویا ہوئی پھر پھیکی مسکراہٹ سمیت گہری سانس لے کر کہنے لگی۔

''مدت گزری جب میرا بیاہ اپنے خالہ زاد سے ہوا، میں اس کی بچپن کی منگ تھی، شادی کے اول روز سے ہی وہ مجھے ناپسند کرتا تھا، کہتا تھا کہ میں زلیخا (دوست کی بہن) سے محبت کرتا ہوں تیرے ساتھ زبردستی میری شادی ہوئی ہے، ایک سال اس کی بے رخی اور سسرال کے ظلم سہے کیونکہ میں ساری عمر اسی کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی، لیکن سہاگن وہی جو پیا من بھائے۔''

وہ سب لوگ مجھے مار پیٹ کر ذلیل کرتے رہے پھر اس نے سال بعد ہی مجھے بانجھ قرار دے کر زلیخا سے شادی کر لی اور میں میکے کی دہلیز

پر آ گئی میرے بھائی میرا بوجھ سہار نہیں پائے اور مجھے پاگل قرار دے کر یہاں چھوڑ گئے اور یہاں بچاری خود بے بس و لاچار ان کے آسرے پر تھی کچھ نہ کر پائی۔

''حق ہا۔'' اپنی آپ بیتی کے اختتام پر اک سرد آہ بھر کر وہ مسکرا دی جبکہ وہ شاک کے عالم میں اس کی مسکراہٹ کے پیچھے چہرے کی جھریوں میں سسکتا دکھ ملاحظہ کر رہی تھیں۔

''یہاں موجود بیشتر خواتین پاگل نہیں ہیں اپنوں کی ڈسی ہوئی ہیں اور جو ذہنی عارضوں میں مبتلا ہیں ان میں سے اکثر اپنوں کے دیئے گئے زخموں کی تاب نہ لا کر اس حال کو پہنچی ہیں۔'' اس نے ان کی معلومات میں اضافہ فراہم کیا۔

''تم بتاؤ تمہیں کس نے یہاں چھوڑا؟ شوہر، بھائی یا بیٹا؟'' اس کے تلخ سے سوال پر ان کی آنکھیں پھر سے برسنے لگیں۔

''میرے بیٹے کا خون سفید نہیں ہوا تم نے غلط اندازہ لگایا گو کہ مجھے یہاں وہی چھوڑ کر گیا ہے لیکن کہتا ہے کہ جب علاج ہو جائے گا تو بہت جلد آ کر گھر واپس لے جائے گا۔'' انہوں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دینے کی اک ناکام سی کوشش کی۔

ان کی بات پر رشیدہ نے استہزائیہ قہقہہ لگایا تو وہ نظر چرا گئیں۔

''تم بہت سادہ ہو، یہاں موجود تقریباً سبھی خواتین کے لواحقین انہیں یہی دلاسہ دے کر چھوڑ جاتے ہیں کبھی واپس نہ لے جانے کے لئے اور علاج خوب کہا تم نے جب ٹھیک ہو تو کا ہے کا علاج معالجہ۔'' ایک لمحہ کے توقف سے اپنی بات مکمل کر کے وہ پھر سے ہنسنے لگی۔

''نہیں نہیں میری بہو کو لگتا تھا کہ میں پاگل ہوں لیکن جب میرے بیٹے نے یہی بات برملا کہی تو مجھے بے حد رنج ہوا لیکن میرا بیٹا تو میرے وجود کا حصہ ہے ناں وہ بھلا مجھے کیوں فضول میں پاگل قرار دے گا اس نے کہا ہے تو ٹھیک ہی کہا ہو گا۔'' آخر میں وہ خود کلامی کرنے لگیں، رشیدہ نے بمشکل ان کی بے حد مدہم آواز سنی ان کے لفظوں میں چھپے ان کہے کرب کی شدت اسے اپنے دل پر محسوس ہوئی، انہوں نے سب کچھ چھپاتے ہوئے بھی سب کچھ عیاں کر دیا تھا۔

اپنے لفظوں کے کھوکھلے پن کا انہیں خود بھی احساس تھا، اسی لئے بے بسی سے لب کچل کر بھیگی پلکیں تیزی سے جھپکنے میں مشغول ہو گئیں رشیدہ نے محبت سے ان کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیئے تو وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

☆☆☆

''تیمور آپ گواہ ہیں ناں جب آپ نہانے جا رہے تھے تو میں نے اماں کے لئے کھانے کی ٹرے لا کر تخت پر رکھی تھی۔'' شوہر کی تائید پر اس نے بات آگے بڑھائی۔

''اماں کو کھانا دے کر میں نے آپ کا سوٹ پریس کیا اور اماں نے چند لمحات قبل کھانے سے فراغت پا کر ہاتھ دھوئے اور آپ کو باتھ روم سے نکلتے دیکھ کر یہ کیا من گھڑت کہانی سنا رہی ہیں۔'' نسرین روہانسی لہجے میں وضاحت دینے لگی۔

''نہیں بیٹا میں جب ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کے لئے آئی تو یہاں سالن کی خالی پلیٹ اور روٹی کا ایک ٹکڑا بچا پڑا تھا۔''

''استغفراللہ۔'' نسرین نے دونوں کانوں کو باقاعدہ ہاتھ لگائے۔

''اماں! آپ نے میرے سامنے کھانا کھایا ہے۔'' نسرین نے حیرانی سے انہیں ملاحظہ کیا۔

''تم جھوٹ کیوں بول رہی ہو مجھے کیا پتہ

کہ سالن اور روٹی زمین نگل گئی یا آسمان مگر میں نے تو نہیں کھایا۔" اماں نے عاجز آ کر ماتھا پیٹ ڈالا۔

"آپ اور کھالیں آپ کا اپنا گھر ہے۔" دونوں کی گفتگو سے نتیجہ اخذ کرتے تیمور نے بات ختم کی۔

"ہاں آپ نے اور کھانا کھانا ہے تو بے شک کھا لیجئے میں تو آپ کا اتنا خیال رکھتی ہوں اور آپ ان کے سامنے مجھے ڈی گریڈ کر کے جھوٹا ثابت کرنا چاہ رہی ہیں۔" نسرین کو آنسو بہاتا دیکھ کر تیمور نے بھی بیوی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"کیا تم لوگوں نے اور کھانا ہے کی رٹ لگا رکھی ہے میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں صبح کا ایک رس اور چائے کے کپ کے سوا حرام ہے جو کوئی لقمہ منہ میں ڈالا ہو۔" اب کی بار اماں بھی جھنجھلا گئیں۔

بھوک کی شدت سے آنتیں ایک تو قل ہو اللہ کا ورد کر رہی تھیں انہیں اچھی طرح سے یاد تھا، اماں کھانا کھا لیجئے، بڑے ادب سے ٹرے اماں کے تخت پر رکھ کر وہ گویا ہوئی۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے بے ساختہ مسکرا کر اپنی بہو کو دعا دی اور مسکرا کر ہاتھ دھونے چلی گئیں۔

"نسرین یہ سالن روٹی کس نے کھالی۔" کافی دیر شش و پنج میں مبتلا رہنے کے بعد انہوں نے کمرے میں جھانکا دونوں پوتے عمیر اور ازہر ٹی وی پر کارٹون نیٹ ورک دیکھنے میں مگن تھے جبکہ تیمور واش روم میں نہا رہا تھا اور نسرین کپڑے پریس کرنے میں مگن تھی۔

اوائل بہاروں کی خوشگوار سی دھوپ منڈیر پر پھیلی ہوئی کاسنی پھولوں والی بیل سے لپٹی اونگھ رہی تھی۔

"کیا بات کر رہی ہیں آپ کے سوا کون کھائے گا۔" وہ ہنسی، پھولوں سے چھیڑ خانی کرتی سبک سی ہوا نے سے ساختہ ٹھہر کر اسے دیکھا تھا۔

"مگر میں نے تو نہیں کھائی۔" وہ بدستور حیرت زدہ تھیں۔

"اُفوہ اماں دن بدن آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے، پہلے نسرین مجھے بتایا کرتی تھی تو مجھے قطعاً یقین نہیں ہوتا تھا مگر آج خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیا۔" تیمور کا بیزار لہجہ ان کی سماعتوں سے ٹکرایا تو وہ اپنے خیالات سے چونک کر اسے دیکھنے لگیں، اس کا رویہ دن بدن ان کے ساتھ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔

آنگن کی منڈیر پر پھیلی کاسنی پھولوں والی بیل کی موٹی شاخوں پر چہچہاتی چڑیاں یکلخت خاموش ہو کر اسی پل اڑ گئیں۔

"بیٹا نسرین نے میرے سامنے کھانے کی ٹرے ضرور لا کر رکھی تھی، لیکن میرے ہاتھ دھو کر پلٹنے تک اس نے ٹرے بدل کر اللہ جانے کیا کیا۔" بات کو خواہ مخواہ طول دیتے دیکھ کر انہوں نے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"اُف یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی، کیسا گھٹیا الزام لگایا ہے اماں نے۔" نسرین سوں سوں کرنے لگی۔

"اوہو یار جب مجھے بھروسہ ہے تم پر تو کیوں دل چھوٹا کر رہی ہو جاؤ جا کر ان کے لئے اور کھانا لے آؤ۔" وہ اسے پچکار کر تولیے سے سر رگڑتا اندر چلا گیا جبکہ اماں حیرانی و دکھ کی ملی جلی کیفیت لئے وہیں کھڑی رہ گئیں۔

"نسرین رہنے دو ابھی بھوک نہیں۔" اسے کچن میں جاتے دیکھ کر اماں نے روک دیا۔

"لو خواہ مخواہ میں اتنا منتنا کھڑا کیا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ہوا دم سادھے انہیں دیکھنے لگی، فضا میں خوشگواریت کی بجائے اب عجیب سا حبس اور بھید بھری خاموشی اترنے لگی اور دھوپ میں نجانے کیوں تپش کا احساس بڑھ گیا تھا۔

وہ کئی دنوں سے دیکھ رہی تھیں کہ دن بدن اس کا رویہ ان کے ساتھ پہلے کی نسبت اب زیادہ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے ہر وقت مہنگائی، گھر میں جگہ کی تنگی، ان کے کمرے کو ڈرائنگ روم بنانے کی خواہش کو جتلانا وہ کبھی نہ بھولتی تھی اور تیمور کے سامنے ''ستی ساوتری'' بننے کے ڈرامے بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھے۔

''اماں! میری یہ پنک شرٹ آپ نے پریس کی تھی۔'' اس شام تیمور خفا خفا سا ان کے مقابل آ کھڑا ہوا، آنگن میں اپنے مخصوص تخت پر براجمان تسبیح کے دانے گراتے ہوئے انہوں نے بے اختیار اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مگر کیوں؟ کیوں تنگ کرنے لگی ہیں آپ ہمیں، کیوں نہیں چین سے جینے دیتیں۔''

اس کی کیوں کی گردان اور اکھڑے لہجے نے انہیں افسردہ کر دیا۔

''اس میں ایسی کون سی بات ہے وہ بچاری بچوں کو نہلا رہی تھی تو میں نے سوچا میں تمہارے کپڑے ہی پریس کر دوں۔'' تسبیح پھیرنا موقوف کر کے انہوں نے سادگی سے وضاحت دی، کاسنی پھولوں نے ذرا سا جھک کر انہیں دیکھا۔

''یہ دیکھیں کتنی اچھی پریس کی ہے۔'' طنزیہ بے حد کاٹ دار انداز میں اس نے شرٹ کھول کر ان کے سامنے لہرا کر دکھائی جس کے کالر کے عین نیچے کا حصہ جلنے کے باعث غائب تھا۔

''ہائیں یہ کیسے جلی۔'' وہ حیران رہ گئیں۔

''اماں آپ نے ہی تو جلائی ہے۔'' وہ بیزار ہوا، شام بے ساختہ ٹھہر گئی تھی۔

''نہیں جب میں نے پریس کی تو بالکل صحیح و سالم تھی۔'' ان کی وضاحت پر کتنے بہت سے پھول بے اختیار ٹوٹ کر ان کے اوپر آ گرے تھے، جبکہ وہ بے حد الجھ کر خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں جو تنفر سے سر جھٹک کر جا رہا تھا۔

تیمور کو وقتاً فوقتاً بیوی کے سنائے قصوں پر پختہ یقین ہوتا جا رہا تھا، جبکہ اپنی اماں اب کافی حد تک مبالغہ آمیز لگنے لگی تھیں۔

جب اماں کے رویے پر نسرین سے معذرت کرتا تو وہ کہتی۔

''ارے اماں! جان بوجھ کر تھوڑی ایسا کرتی ہیں ان کی عمر کا تقاضا ہے کوئی بات نہیں۔'' اور وہ اس کی اعلیٰ ظرفی کا قائل ہو جاتا۔

''مجھے لگتا ہے اماں دھیرے دھیرے ذہنی عارضہ میں مبتلا ہوتی جا رہی ہیں دن بھر خود سے باتیں جوڑ کر بچوں پر اور مجھ پر چلاتی رہتی ہیں۔'' اس نے مبالغہ آمیزی کی۔

''لیکن کوئی بات نہیں بڑی بزرگ ہیں میں برا نہیں مناتی۔'' سب کچھ کہہ کر آخر میں وہ اچھی بن گئی تیمور اس کے ظرف سے متاثر نظر آنے لگا۔

یونہی دن پر دن گزرتے گئے تیمور کے رویے میں اماں کے لئے واضح طور پر سرد مہری اور کھنچاؤ آتا گیا، درحقیقت وہ نسرین کی زبانی اماں کی شکایتیں سن سن کر بیزار ہو گیا تھا۔

''تیمور! ہر روز کھا پی کر وہ الزام لگا دیتی ہیں کہ میں نے تو انہیں کھانا ہی نہیں دیا، صبح سے بھوکا مار دیا۔''

''یار چھوڑو اماں سٹھیا گئی ہیں تم دل پر مت لو۔'' وہ اپنی بیگم کو دلاسہ دیتا تو وہ سر ہلا دیتی۔

''نجانے کیوں آج میرا دل ہول رہا ہے، اماں کی طبیعت بھی تو کچھ ٹھیک نہیں ہے، آپ

ہوا دم سادھے انہیں دیکھنے لگی، فضا میں خوشگواریت کی بجائے اب عجیب سا حبس اور بھید بھری خاموشی اترنے لگی اور دھوپ میں نجانے کیوں تپش کا احساس بڑھ گیا تھا۔

وہ کئی دنوں سے دیکھ رہی تھیں کہ دن بدن اس کا رویہ ان کے ساتھ پہلے کی نسبت اب زیادہ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے ہر وقت مہنگائی، گھر میں جگہ کی تنگی، ان کے کمرے کو ڈرائنگ روم بنانے کی خواہش کو جتلانا وہ کبھی نہ بھولتی تھی اور تیمور کے سامنے ''ستی ساوتری'' بننے کے ڈرامے بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھے۔

''اماں! میری یہ پنک شرٹ آپ نے پریس کی تھی۔'' اس شام تیمور خفا خفا سا ان کے مقابل آ کھڑا ہوا، آنگن میں اپنے مخصوص تخت پر براجمان تسبیح کے دانے گراتے ہوئے انہوں نے بے اختیار اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مگر کیوں؟ کیوں تنگ کرنے لگی ہیں آپ ہمیں، کیوں نہیں چین سے جینے دیتیں۔''

اس کی کیوں کی گردان اور اکھڑے لہجے نے انہیں افسردہ کر دیا۔

''اس میں ایسی کون سی بات ہے وہ بچاری بچوں کو نہلا رہی تھی تو میں نے سوچا میں تمہارے کپڑے ہی پریس کر دوں۔'' تسبیح پھیرنا موقوف کر کے انہوں نے سادگی سے وضاحت دی، کاسنی پھولوں نے ذرا سا جھک کر انہیں دیکھا۔

''یہ دیکھیں کتنی اچھی پریس کی ہے۔'' طنزیہ بے حد کاٹ دار انداز میں اس نے شرٹ کھول کر ان کے سامنے لہرا کر دکھائی جس کے کالر کے عین نیچے کا حصہ جلنے کے باعث غائب تھا۔

''ہائیں یہ کیسے جلی۔'' وہ حیران رہ گئیں۔

''اماں آپ نے ہی تو جلائی ہے۔'' وہ بیزار ہوا، شام بے ساختہ ٹھہر گئی تھی۔

''نہیں جب میں نے پریس کی تو بالکل صحیح و سالم تھی۔'' ان کی وضاحت پر کتنے بہت سے پھول بے اختیار ٹوٹ کر ان کے اوپر آ گرے تھے، جبکہ وہ بے حد الجھ کر خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں جو تنفر سے سر جھٹک کر جا رہا تھا۔

تیمور کو وقتاً فوقتاً بیوی کے سنائے قصوں پر پختہ یقین ہوتا جا رہا تھا، جبکہ اپنی اماں اب کافی حد تک مبالغہ آمیز لگنے لگی تھیں۔

جب اماں کے رویے پر نسرین سے معذرت کرتا تو وہ کہتی۔

''ارے اماں! جان بوجھ کر تھوڑی ایسا کرتی ہیں ان کی عمر کا تقاضا ہے کوئی بات نہیں۔'' اور وہ اس کی اعلیٰ ظرفی کا قائل ہو جاتا۔

''مجھے لگتا ہے اماں دھیرے دھیرے ذہنی عارضہ میں مبتلا ہوتی جا رہی ہیں دن بھر خود سے باتیں جوڑ کر بچوں پر اور مجھ پر چلاتی رہتی ہیں۔'' اس نے مبالغہ آمیزی کی۔

''لیکن کوئی بات نہیں بڑی بزرگ ہیں میں برا نہیں مناتی۔'' سب کچھ کہہ کر آخر میں وہ اچھی بن گئی تیمور اس کے ظرف سے متاثر نظر آنے لگا۔

یونہی دن پر دن گزرتے گئے تیور کے رویے میں اماں کے لئے واضح طور پر سرد مہری اور کھنچاؤ آتا گیا، درحقیقت وہ نسرین کی زبانی اماں کی شکایتیں سن سن کر بیزار ہو گیا تھا۔

''تیمور! ہر روز کھانا کھا کر وہ الزام لگا دیتی ہیں کہ میں نے تو انہیں کھانا ہی نہیں دیا، صبح سے بھوکا مار دیا۔''

''یار چھوڑو اماں سٹھیا گئی ہیں تم دل پر مت لو۔'' وہ اپنی بیگم کو دلاسہ دیتا تو وہ سر ہلا دیتی۔

''نجانے کیوں آج میرا دل ہول رہا ہے، اماں کی طبیعت بھی تو کچھ ٹھیک نہیں ہے، آپ

پلیز ایک بار جا کر دیکھ آئیں مجھ سے تو آج کل وہ ویسے ہی خفا رہتی ہیں آپ جائیں گے تو انہیں اچھا لگے گا۔''

موسم بہار کی آخری شب میں نسرین نے تیمور کے پہلو میں نیم دراز ہو کر اسے مخاطب کیا۔

''یار کبھی ہماری فکر بھی کر لیا کرو۔'' تیمور نے شوخی سے اس کا ہاتھ تھام کر ہولے سے دبایا، اس کی نگاہوں میں اپنی شریک حیات کے لئے فخر مان و محبت چھلک رہی تھی۔

''اوہ! جائیں اماں سے پوچھیں کہ سونے سے پہلے انہوں نے کھانسی کا سیرپ پی لیا یا نہیں۔'' نسرین نے ایک ادا سے ہاتھ چھڑا کر اسے پرے دھکیلا۔

''تم جیسی چاہنے والی بہو کسی کی نہیں ہو گی یعنی کہ شوہر کو باقاعدہ دھکے دے کر اپنی ساس صاحبہ کے حضور حاضری پر مجبور کر رہی ہو۔'' اس نے بے اختیار قہقہہ لگا کر چپل پاؤں میں اڑسی اور خوشگوار سے انداز میں گنگناتے ہوئے کمرے سے باہر کی راہ لی۔

تیمور کی تیز آواز پر وہ سرپٹ اماں کے کمرے کی سمت لپکی اور اندر کا منظر دیکھ کر چکرا کر رہ گئی، اماں کی مسہری پر تیمور فق چہرے کے ساتھ اپنے بازوؤں کے گھیرے میں نیند بھری آنکھیں بمشکل کھولتے عمیر اور ازہر کو لئے ساکت سا بیٹھا تھا جبکہ اماں مسہری کے قریب ہاتھ میں تیز دھار چاقو تھامے کھڑی تھیں۔

''ارے بیٹا تم ناحق ڈر گئے ہو چاقو تو میرے بستر پر پڑا تھا نجانے کون رکھ کر گیا ہے میں نماز سے فراغت پا کر آئی تو حیرانی سے اٹھا کر اسے دیکھنے لگی اور تم خواہ مخواہ آ کر چلانے لگے اچک کر بستر پر چڑھ گئے بچارے بچوں کی نیند خراب کر دی۔'' اماں نے نرمی سے بے حد لمبی چوڑی وضاحت دی اور ناسمجھی سے اپنے بیٹے کا چہرہ ملاحظہ کیا جہاں پر بے یقینی رقم تھی۔

''اماں! چاقو نیچے پھینک دیں۔'' تیمور کی ہدایت پر انہوں نے چاقو فرش پر پھینک دیا جسے نسرین نے آگے بڑھ کر اٹھایا اور کچن میں چھپا آئی۔

''اگر میں عین وقت پر نہیں آتا تو آپ میری اولاد کی جان لے لیتیں۔'' تیمور کے وجود پر لرزہ طاری تھا جو کچھ اس کی بصارتوں نے ملاحظہ کیا وہ دماغ کی چولیں ہلا دینے کے لئے کافی تھا، جبکہ نسرین دونوں بچوں کو لپٹا کر بری طرح سسکنے لگی۔

''تیمور تم ہوش میں تو ہو۔'' اماں حق دق رہ گئیں۔

''ہوش میں تو آپ نہیں ہیں اماں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری بیوی اور بچوں سے دشمنی میں آپ اس حد تک گر جائیں گی۔'' اس کے لہجے میں شعلوں کی لپک تھی، بیٹے کی انتہا درجے کی بدگمانی و نفرت نے ان کے وجود کو جلا کر خاکستر کر دیا، کمرے کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتی ہوا ساکت سی ایک اولاد کے اپنی ماں کے متعلق ارشادات سننے لگی جبکہ بہاروں کی آخری شب نے بے یقینی سے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا تھا۔

''میرے بچے تجھ بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے میں کوئی پاگل ہوں جو کسی کی جان لوں گی۔'' اماں کے جھریوں زدہ چہرے پر دکھ آنسو بن کر بہنے لگا، انہوں نے کانپتے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں ہاں ماں آپ پاگل ہیں اور ہم سب کی زندگی کے لئے بہت بڑا خطرہ بن چکی ہیں۔'' ان کا ہاتھ نفرت سے جھٹک کر وہ پھٹ پڑا بدگمانی

کا وہ بیج جو نسرین نے اس کے اندر بویا تھا آج تناور درخت بن کر اماں کے وجود پر نفرت کے زہریلے پھول نچھاور کر رہا تھا۔

''آج سے عمیر اور ازہر ہمارے کمرے میں سوئیں گے۔'' اس نے باری باری دونوں بچوں کو روتی ہوئی نسرین سے علیحدہ کیا اور ان کا ہاتھ تھام کر بیگم کے سنگ اپنے کمرے کی اور چلا گیا۔

اماں کو لگا ان کے آس پاس کہیں زوردار دھماکہ ہوا ہے اور ان کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھر گیا ہے اذیت کی شدت سے انہوں نے آنکھیں میچ لیں اور اس کے زہریلے جملوں کی بازگشت سے بچنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔

''ہاں ہاں اماں آپ پاگل ہیں۔''

''ہوش میں تو آپ نہیں ہیں۔''

''نہیں نہیں۔'' سماعتوں میں بتدریج بڑھتے شور وغل سے گھبرا کر وہ زور سے چلا اٹھیں شور یکلخت تھم سا گیا۔

''نہیں میرا تیمور مجھے یہ سب نہیں کہہ سکتا میری سماعتوں کو سننے میں دھوکہ ہوا ہے۔'' انہوں نے سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹلانے کی سعی کی مگر دل کوئی تاویل ماننے کو تیار نہیں ہوا وہ بے بسی و درد کی شدت سے مغلوب ہو کر روتے ہوئے ہچکیاں لینے لگیں، ہوائیں ٹھہر کر بے بسی سے لب کچلنے لگیں اور رات نے ہوک بھری اور دھیرے دھیرے بھیگنے لگی۔

''اب کیا ہو گا ہم اماں کے ساتھ کیسے رہیں گے کل کلاں کو ہم میں سے کسی کو ان کی وجہ سے کوئی گزند پہنچا تو۔'' کمرے میں تیمور کے سینے پر سر رکھ کر زارو قطار آنسو بہاتی نسرین کے خدشات نے تیمور کے چہرے پر سوچوں کے جال پھیلا دیئے۔

☆☆☆

''یہ تم میرا بیگ کیوں تیار کر رہی ہو؟'' اگلی صبح اماں نے خاموشی سے بیگ میں ان کے جوڑے رکھتی بہو سے دریافت کیا، تمام رات کی گریہ زاری کے باعث ان کی آنکھیں متورم اور آواز رندھی ہوئی تھی۔

''کیونکہ میں آپ کو ''ایدھی فاؤنڈیشن'' ذہنی امراض کے ادارے میں چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' جواب نسرین کے بجائے اندر داخل ہوتے تیمور نے دیا تھا، یہ فیصلہ دونوں میاں بیوی نے گزشتہ رات اتفاق رائے سے کیا تھا۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ان کے قدموں کے نیچے سے زمین سرک گئی اور سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

''صحیح تو کہہ رہا ہوں۔'' وہ استہزائیہ مسکرایا جبکہ نسرین لاتعلقی سے سپاٹ چہرہ لئے پیکنگ میں مصروف رہی۔

''تم...... تم اپنی ماں کو پاگل سمجھ رہے ہو؟'' صدمے کے باعث ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی نجانے کس خوش گمانی کے باقی ماندہ احساس سمیت انہوں نے دریافت کیا، شاید دل کو موہوم سی آس تھی کہ وہ ان کے سوال کی تردید کر دے گا حالانکہ گزشتہ رات وہ اس کے منہ سے بیانگ دہل اعتراف سن چکی تھیں مگر پھر بھی نجانے کیوں اب بے اختیار اسے دیکھے گئیں۔

''کیوں کیا مائیں پاگل نہیں ہو سکتیں؟'' وہ الٹا انہی سے استفسار کرنے لگا۔

وہ تڑپ کر رو دیں یوں لگا جیسے جلتے سورج کے نیچے تنہا کھڑی ہیں، اسی اثناء میں نسرین بیگ تیار کر کے فارغ ہو گئی۔

''یہ میرا گھر ہے میں کہیں نہیں جاؤں گی،

میں سب سمجھ گئی یہ اس میسنی کی چال ہے، اس نے شطرنج کی بساط بچھا کر تجھے مہرہ بنایا ہے بہت دنوں سے اس کی حرکتیں دیکھ رہی ہوں میرے بستر پر چاقو بھی اس نے رکھا ہوگا۔'' وہ غضبناک تیور لئے نسرین کی جانب مڑی تھیں، اسی لمحہ تیمور نے بیگ کاندھے پر لٹکایا اور اماں کا ہاتھ تھام کر زبردستی چل پڑا۔

''چھوڑو مجھے، میں کہیں نہیں جاؤں گی، میں پاگل نہیں ہوں، یہ سب نسرین کی سازش ہے۔'' وہ ہیجانی انداز میں اپنا کمزور ہاتھ اس کی فولادی گرفت سے چھڑانے کی سعی میں چلانے لگیں لیکن وہ زبردستی انہیں باہر کھڑی ٹیکسی کی جانب لے آیا اور اندر دھکیل دیا۔

محلے دار دلچسپی سے یہ آ کر یہ سین ملاحظہ کرنے لگے اور واقعہ کی بابت دریافت کرنے پر نسرین انہیں جھٹ پٹ تفصیل فراہم کر رہی تھی۔

''میں پاگل نہیں ہوں۔'' وہ ٹیکسی میں بدستور چلاتی رہیں سارا راستہ اماں نے اسے سچائی بتانے کی سعی کی مگر وہ ہنوز خاموش رہا۔

''ماما پاپا دادو کو کہاں لے جا رہے ہیں؟'' سارا منظر بے حد حیرانی سے ملاحظہ کرتے عمیر اور ازہر نے مشترکہ سوال داغا۔

''تمہاری دادو پاگل ہو گئی ہیں پاپا انہیں پاگل خانے چھوڑنے جا رہے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''لیکن دادو تو کہتی ہیں کہ وہ پاگل نہیں ہیں۔'' عمیر نے اپنی الجھن کو سلجھانا چاہا۔

''بیٹا ہر پاگل یہی کہتا ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''ماما وہ تو پاپا کی ماما ہیں ناں پھر پاپا انہیں کیوں کہیں اور لے گئے۔'' اب کے ازہر نے معصوم سا سوال کیا جو اپنے اندر بے حد ادا سی لئے ہوئے تھا۔

''بابا اب بڑے ہو گئے ہیں اس لئے انہیں ماما کی ضرورت نہیں رہی۔'' نسرین کو سوچ میں گم دیکھ کر عمیر نے اپنے سے دو برس چھوٹے پانچ سالہ بھائی کی الجھن دور کی اور مسکرا کر ماں کی جانب داد طلب نظروں سے دیکھا، نسرین نے بھی مسکرا کر اس کی تائید کی تو وہ خوش ہو گیا۔

''ماما جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو میں بھی آپ کو پاگل خانے چھوڑ آؤں گا۔'' ازہر جوش سے بھرپور لہجے میں مخاطب ہوا۔

''اور میں بھی۔'' عمیر کیوں پیچھے رہتا، سینہ ٹھوک کر گویا ہوا۔

''کیا بکواس کرتے ہو۔'' اس نے غصہ سے دونوں کو ایک ایک چانٹا رسید کیا وہ روتے ہوئے بھاگ گئے۔

''ہونہہ خس کم جہاں پاک۔'' چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ لئے وہ ہاتھ جھاڑتی اماں کے ویران کمرے میں چلی آئی اور اس کو ڈرائنگ روم کے طور پر سیٹ کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہونے کا سوچ کر کھل اٹھی۔

اپنی اس فتح کے لئے اس نے کیسے کیسے جتن کیے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی یا اللہ دیکھ رہا تھا، اللہ جس کی لاٹھی بے آواز ہے مگر اس کے دل پر تو مہر لگ چکی تھی وہ کیسے خوف خدا کرتی بلکہ اگر اللہ کے خوف کا احساس اس کے دل میں جاگزین ہوتا تو وہ بھلا کیونکر یہ سب کر پاتی۔

''ہاہاہا اب تیمور کیا جانے کہ اس کی ماں.....'' وہ ہنستی چلی گئی اور کسی سلطنت کی ملکہ کے انداز میں پورے گھر میں چکرانے لگی، در و دیوار اسے ملامتی نگاہوں سے گھور رہے تھے، منڈیر سے لپٹی کاسنی پھولوں والی بیل کے دامن میں گہری دھوپ کا ڈیرہ تھا، بہار کا موسم کب کا ڈھل چکا تھا، اب بیل پر زرد رتوں نے اپنے پر

پھیلا دیے تھے، ہوا نجانے کیوں تیزی سے آنگن میں زرد پتے اڑانے لگی تھی۔
اور یکا یک پورا آسمان گرد آلود ہو گیا آنگن میں اتری دھوپ خاک اڑاتی ہوا کے سنگ متاسف نظروں سے ہنستی ہوئی نسرین کو دیکھنے لگی، اسی لمحہ ایک تیز جھکڑ نے اس کی آنکھوں میں چبھن کا احساس پیدا کیا تو وہ اپنی آنکھیں مسلتی واش بیسن کی سمت لپکی۔
وہ بے حد مگن سے انداز میں گنگناتے ہوئے کمرے کی ڈسٹنگ کرنے میں مشغول تھی۔
''اب تک تو وہ اس بڑھیا کو پاگل خانے ڈراپ کر کے آفس سدھار چکے ہوں گے ذرا پتا تو کروں۔'' اس سوچ کے تحت اس نے سیل فون اٹھا کر تیمور کا نمبر ڈائل کیا اور دوسری سمت کسی اجنبی آواز نے اسے جو اطلاع فراہم کی اس کے حواس مختل ہونے لگے موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہو گیا وہ زور زور سے بین کرتے ہوئے دیوار سے سر پھوڑنے لگی۔
''یہ...... یہ کیا ہو گیا۔'' اس کے خون میں لت پت لاشے سے لپٹ کر وہ بلکنے لگی۔
''حوصلہ کرو قسمت کو یہی منظور تھا۔'' اس کی بھابھی اور محلے دار عورتوں نے اس کی چوڑیاں توڑ ڈالیں۔
آفس جاتے ہوئے روڈ کراس کرنے کے دوران تیمور ایک تیز رفتار ٹرک کی زد میں آ کر کچلا گیا اور موقع پر ہی دم توڑ گیا۔
''نہیں کیسے حوصلہ کروں، اس بڑھیا کی بد دعا نے میرا ہنستا بستا گھر اجاڑ دیا۔'' وہ زور سے رونے لگی اور پھر یکدم چلائی۔
''وہ کیا سمجھتی ہے اس نے مجھے شکست فاش دے دی؟ مجھے مات ہو گئی، مجھے مات ہو گئی۔'' تیز بولنے کی سعی میں رندھی ہوئی آواز پھٹنے لگی۔

''کیا ہو گیا ہے سنبھالو خود کو، کس کی بات کر رہی ہو؟'' اس کی بھابھی نے کندھا ہلایا۔
''میں نے اس کے پاگل پن کا ڈھونگ رچایا، تیمور کو اس کی ماں سے بدظن کر دیا میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئی مگر اس بڑھی سے یہ برداشت نہ ہوا اس نے ضرور بد دعا دی ہو گی اور اس کی بد دعا میری خوشیاں کھا گئی۔'' وہ بھرے مجمع کے سامنے چیخ چیخ کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے لگی۔
اس کے انکشافات سن کر عزیز و اقارب اور محلے دار دم بخود رہ گئے وہ جنون کے عالم میں اپنے بال نوچ رہی تھی۔
''آئے ہائے جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گر جاتا ہے۔''
''اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔''
''اللہ ایسی بہو کسی کو نہ دے۔'' مجمع میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں، سب نگاہوں میں ملامت لئے اسے گھور رہی تھیں، کسی نے آگے بڑھ کر اس سے ہمدردی جتانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔
''گھر میرا اجڑا ہے ہمدردی تمہیں اس سے ہو رہی ہے، تم تم سب میری فتح سے جل رہی ہو، حاسد ہو تم لوگ میں ہاری نہیں میں فاتح ہوں۔''
''ہائے ہائے کیسی کٹھور ہے ذرا جو اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو۔'' ایک خاتون نے اپنے گال پیٹے۔
''تم اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو میں نہیں چھوڑوں گی، میں تم سب کو مار دوں گی۔'' تیمور کی میت کے قریب بیٹھی ایک خاتون پر اس نے اچانک حملہ کیا تھا اور اسے بری طرح پیٹنے لگی۔
''اور تم نے بھی بد دعا دی ہو گی۔'' اس نے بیچ بچاؤ کراتی دو خواتین کی گردنیں دبوچ لیں، ہجوم میں اچانک چیخ و پکار اور افراتفری مچ گئی۔

انہوں نے اپنی مٹھی میں تیمور کی قبر کی خاک لے کر ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا پھر بے اختیار اپنی خاک آلود ہتھیلی پر پیشانی ٹکا دی اور آسمان کی جانب چہرہ کیے بے تحاشا رونے لگیں۔

''اللہ! کیسی حرماں نصیب ماں ہوں، میں اپنے لخت جگر کے آخری دیدار سے بھی محروم رہ گئی کیسے مانوں کہ میرا زندگی سے بھرپور جوان بیٹا منوں مٹی تلے موت کی آغوش میں جا سویا ہے، اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی بددعا نہیں دی تھی، ماں تو اپنی اولاد کا کبھی برا نہیں چاہتی۔''

''اماں میں بہت جلد آپ کو لینے آؤں گا آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' انہیں ٹرسٹ میں ایڈمٹ کروا کر وہ رسمی سے انداز میں اجنبیوں کی مانند مخاطب ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس ہو لیا۔

اس پل انہیں لگا کہ وہ اسے زندگی میں آخری بار دیکھ رہی ہیں کیونکہ اس کا چہرہ اندرونی جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اسے وقت رخصت ''فی امان اللہ'' کہنا بھول گئی تھیں۔

''میرے لعل! مجھے معاف کر دے، اس دن درد کی شدت نے میرے حواس سلب کر لئے تھے جس بنا پر میں تجھے دعا دے کر سپرد خدا کرنا بھول گئی مگر میرا یقین کر میں نے تجھے یا نسرین کو کوئی بددعا نہیں دی۔'' وہ چہرہ جھکا کر رونے لگیں آنسو ٹپ ٹپ قبر کی مٹی پر گرتے رہے، دھیرے دھیرے چلتی ہوا کا جھونکا ان کے وجود سے ٹکرایا، جس کی بدولت جسم کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا سورج ان کے سنگ غم کی بھٹی میں سلگ رہا تھا، لیکن وہ موسم کے ہر احساس سے بے گانہ تھیں۔

''میں نے تم لوگوں کو کوئی بددعا نہیں دی۔''

ان کے آنسوؤں میں نسرین کا چہرہ ابھر آیا، جس کی دن بدن ابتر ہوتی حالت کے پیش نظر اس کے بھائیوں نے اسے ''ایدھی فاؤنڈیشن'' ذہنی امراض کے ادارے میں ایڈمٹ کروا دیا تھا کہ اس کا شمار خطرناک ذہنی مریضوں میں ہوتا تھا۔

وہ لوگ اماں کو گھر واپس لا کر اپنے بھانجوں عمیر اور ازہر کی پرورش سے بری الذمہ ہو گئے تھے۔

صدمے سے نڈھال اماں اپنے پوتوں کو کلیجے سے لگائے سسکنے لگیں جوان بیٹے کی ناگہانی موت اور بہو کے پاگل پن کی خبر انہیں زندہ درگور کرنے کو کافی تھی، ستم ظریفی یہ کہ ان کی بے خبری وغیرہ موجودگی میں ان کے لخت جگر کو آخری آرام گاہ پر پہنچا دیا گیا۔

''تیمور میرے دل کو کیسے قرار آئے گا تیرے لاشے سے لپٹ کر روئے بنا کیسے تیری موت کا یقین کر لوں۔''

ہر صبح عمیر اور ازہر کو سکول پہنچا کر اپنے بیٹے کی قبر پر آنسوؤں کے پھول چڑھا کر یہ مخصوص جملے دہرانا ان کا معمول تھا۔

شہر خموشاں کے دلروز سناٹے میں تاحد نظر پھیلی زرد دھوپ لحہ بہ لحہ گہری ہوتی جا رہی تھی، ہر روز کی طرح اپنی خاک آلود پیشانی اور آنسوؤں میں بھیگا جھریوں زدہ چہرہ لئے گھر جانے کے لئے راستوں میں پھیلی دھوپ پر تھکے تھکے قدم بڑھاتی وہ چلی گئیں۔

☆☆☆

ستائیسویں قسط

فنکار امرت کو مایوس کر کے گاؤں کی ذمہ داری کے آگے ہار مان کر پگ باندھ لیتا ہے۔
امرت مایوسی میں ماں کے پاس آتی ہے، باپ سے سب ناطے توڑ کر، اگلے دن دفتر آتی ہے گوہر کے پاس۔
گوہر فنکار کو جتلاتا ہے، امرت کے ساتھ کی گئی ناانصافی کو اور ان کی بات سن کر اس سے لفظ چھن جاتے ہیں۔
سونا بچی کی جدائی میں موم ہو رہی ہے۔
امرت، نواز کے ساتھ امر کلہ کو قدم گاہ مولیٰ علی پر لاتی ہے، جہاں سخی صاحب کے مزار پر اس نے شکست قبول کر لی۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھائیسویں قسط
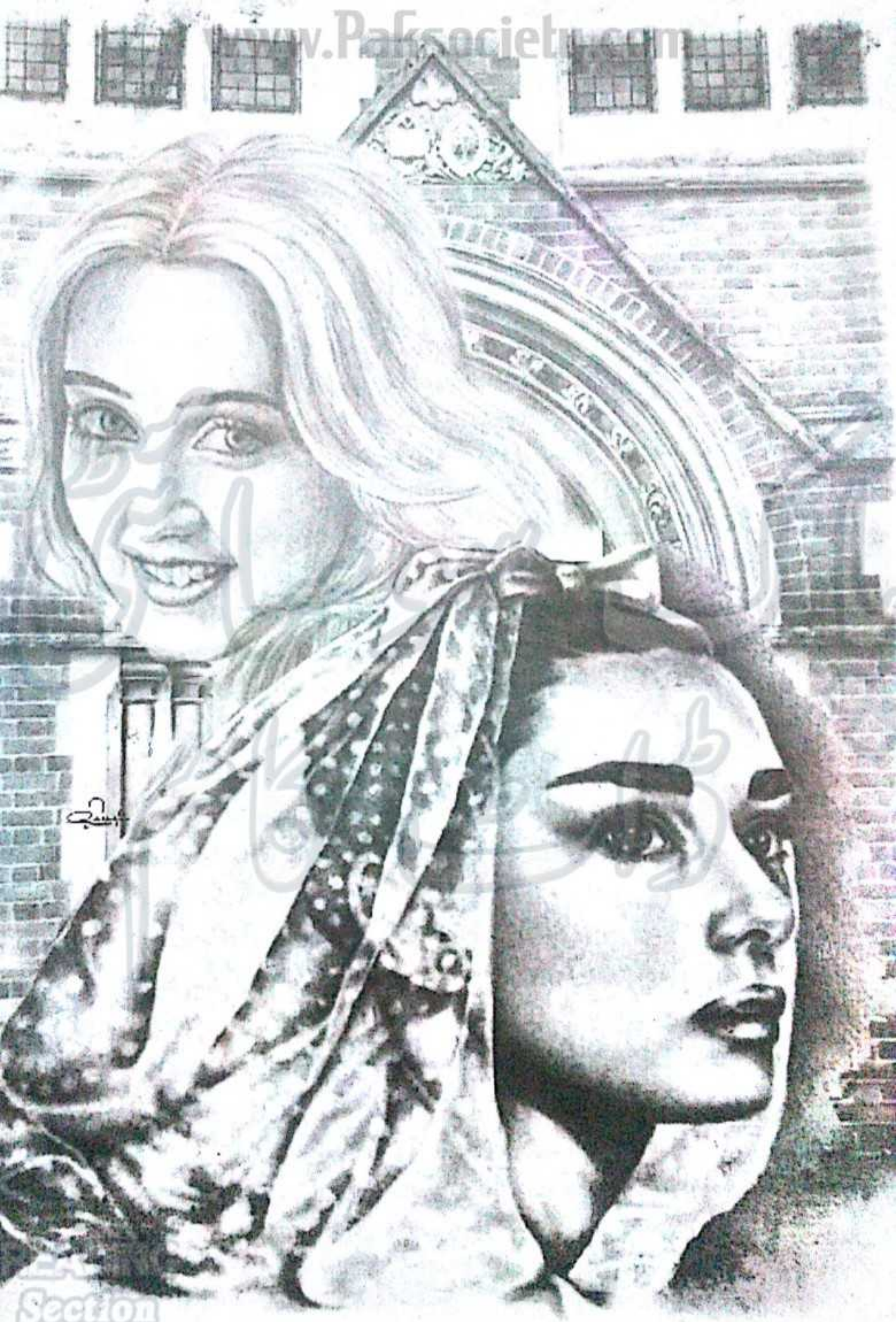
متھرا کلی سمندر مسجد میں دیکھ دیکھا
ہر جا پہ تیرا حادی صفور نظر آیا
دیکھا تھا طور جلوہ موسیٰ نے طور پر
مجھ کو تو ہر جگہ پہ سوا طور نظر آیا
مجھ کو یہ عجب جیسا دستور نظر آیا
مجھے ہر کلی شجر میں تیرا نور نظر آیا
سجدے کا فلسفہ کوئی کسی سے نہ پوچھے
سجدے کا پتہ کرنا ہے تو صرف ایک شرط ہے
اور وہ یہ کہ سجدہ کرکے دیکھے

امرت نے امرکلہ کو دیکھا تھا، دھیمی مسکراہٹ آنکھوں کی جھلمل کے ساتھ نمایاں تھیں۔
''یہ کون سی کتابیں، یہ کون سے مذاہب؟'' وہ اسے پوچھتی بھی تو کیسے، کیا کلمہ، کیا وضو، مذہب بدلا نہ مسلک منتخب ہوا۔
''سجدے کے کیا کہنے۔'' دل نے ڈوری کھینچ لی تو سر جھک گیا، اس نے بس نکلتے ہوئے کہا تھا۔
''امرت مجھ سے سجدہ کا مت پوچھنا، نہ کلمے کا، نہ وضو کا، نہ مذہب کا، نہ مسلک کا، اگر پوچھو گی تو بات بڑھ جائے گی۔''
''پھر میں تجھ سے پوچھوں گی کہ بتا کہ بار بار سجدہ کرنے کے بعد سجدے سے سر کیوں اٹھ جاتا ہے تیرا، سجدہ نکل جاتا ہے، نماز قضا ہو جاتی ہے، تو کیوں ہوتی ہے؟''
''کیا تجھے سجدے کی لذت کا نہیں پتہ اور پھر سوال تمہاری مسلمانی پر آجائے گا۔''
''میرا تو کوئی مذہب نہیں ہے۔''
''مگر تم نے مذہب پیدا ہوتے ہی اختیار کر لیا تھا۔''
''سوچ لینا مذہب پر سوال اٹھے گا، تو مسلمانی پر حرف آجائے گا تیری، ایسا نہ ہو کہ کلمہ دوبارہ پڑھنا پڑے، ایسا نہ ہو کہ وضو کے آداب پھر سے سیکھنے پڑیں، یہ مصیبت نہ آئے کہ مسلک پھر سے چننا پڑ جائے، بری پھنسو گی۔''
اس کے ساتھ آتے وقت امرکلہ کچھ اور تھی، جاتے ہوئے کچھ اور تھی۔
امرت نے بس اتنا کہ کہ ''نواز بھاؤ میں نہ کہتی تھی کہ بس سلام ہو جائے، مگر یہاں تو بات میرے ایمان پر آگئی ہے، اس لئے مذہب بچانے کے لئے مجھے تو چپ ہونا پڑے گا، ایسا نہ ہو کہ میرے مذہبی ہونے پر شک کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کلمہ دوبارہ پڑھنا پڑ جائے۔''
''تم بھی اگر اپنی خیر چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارے مذہبی ہونے پر حرف نہ آئے تو چپ رہو'' دونوں [illegible] کراہٹ ایک ہی وقت میں گہری ہوئی تھی۔
تمہاری [illegible] ہے امرکلہ! مگر ایسا نہ ہو کہ کل خود تم اپنے آپ سے سوال کرو کہ سجدہ کیوں کیا؟ کیونکہ تم اگر [illegible] اٹھاؤ گی تو جواب کی امید زیادہ زور پکڑے گی۔'' امرکلہ نے بہت بے چارگی

سے اسے دیکھا۔
''کیسے لوگ ہو تم سجدے کو میرے لئے وبال کر دیا، سوال اٹھنے لگے، تم جیسے لوگ تو سجدے پہ اعتراض کرنے لگتے ہیں۔''
''تم مذہبی ہو رہی ہو امر کلہ!'' اس نے مسکراہٹ دبائی تھی۔
''مجھ سے زیادہ بات مت کرو۔''
''سوچو امر کلہ ایک سجدے پر اتنی اکڑ ہے، ہمارے مولوی کیوں نہ اکڑ کر چلیں جو دن رات ماتھے رگڑتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ نشان پڑ جاتے ہیں، کیا وہ پھر بھی نہ اکڑ کر چلیں؟ ریاضت پر اکڑتے ہیں نا، تم کس چیز پہ اکڑتی ہو؟'' اس کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔
''تمہاری دوست ہونے پر۔'' امرت کی ڈھٹائی عروج پر تھی، اس نے رخ دوسری جانب کر لیا، ریکارڈ پر زور بجنے لگا۔

یہ کون سی کتابیں یہ کون سا مذاہب
مجھ کو تو عیب جیسا دستور نظر آیا

☆☆☆

''اس خاندان میں وہ کام جو نوجوانوں کے سر ہونا چاہیے، وہ ہمیشہ بڈھوں کے کندھوں پر لادا دیا جاتا ہے، جب ان کی عمر پیچھے جا رہی ہوتی ہے جب وہ پیچھے جا رہے ہوتے ہیں، ان کی سروائیول رک رہا ہوتا ہے، تب دھکا اسٹارٹ گاڑی پر مال لاد دیا جاتا ہے، پھر اگر گاڑی کہیں پھٹپھٹا کر رک جائے تو بیکار، غلط موڑ لے لے تو بے راہ اور اگر رک رک کر پہنچے تو ناکارہ۔''
ان کے لئے آج پہلے فیصلے کے لئے بساط بچھائی گئی تھی۔
''لاہوت، یہ کام تمہارا ہے جو میں کر رہا ہوں، مگر یاد رکھنا اپنے بیٹے کا کام جب تمہیں کرنا پڑے گا تب تک میں تو مر چکا ہوں گا، مگر میری بات زندہ ہو گی، جو تمہیں میری یاد دلائے گی۔''
''آپ مجھے ایموشنل بلیک میل کر رہے ہیں سر، جبکہ یہ ذمہ داری آپ نے خود لی ہے، آپ نہیں لیتے، اب اگر آپ کہیں گے آپ کو مجبور کیا گیا تھا تو مجبور تو مجھے بھی بہت کیا گیا تھا مگر میں نہیں مانا، آپ کے پاس بھی دو رستے تھے، ہاں اور نا، آپ کی بیٹی آپ کے لئے کھڑی تھی، ایک گولڈن چانس تھا فرار کا جو آپ نے اپنی خوشی سے مس کیا تھا۔''
''فرض کرو لاہوت، اگر میں چلا جاتا، تو کیا تم گدی سنبھال لیتے؟''
''ہرگز نہیں سر!'' اس نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔
''تو پھر خاندان کا کیا ہوتا؟''
''آپ کو کب سے فکر ہونے لگی ہے خاندان کی؟'' وہ ہنس پڑا تھا، عمارہ چائے لے آئی تھی اور اسے تنبیہ کی۔
''تم اپنے چچا کے ساتھ کوئی مس بے ہیو نہیں کرو گے لاہوت، شوہر میں یا شوہر تم؟'' وہ آج سٹھیا گیا تھا، عمارہ کو یقین آیا۔
''اگر شوہر میں تو پھر تم چپ رہو۔''

''زیادہ شوہر پن دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے پتہ ہے تم رئیسانہ ذہنیت کے مالک ہوتے جا رہے ہو۔'' وہ جھلا کر بڑبڑا کر چلی گئی۔

''تم عمارہ کو بہت تنگ کرتے ہو نالائق۔''

''میں نالائق تو آپ کو بھی تنگ کرتا ہوں نا؟''

''لاھوت انسان بن جاؤ اب تم۔'' وہ خفا تھے۔

''کبھی آپ میرا آئیڈیل ہوتے تھے۔'' وہ اس بات پر مسکرا دیئے۔

''مجھے کبھی کسی کا آئیڈیل بننے کی چاہ نہیں رہی ہے۔''

''میں چاہ رہا تھا کہ آپ گدی پر بیٹھ جائیں، تاکہ میری جان چھوٹے مگر میں لاشعوری طور پہ آپ سے توقع رکھتا تھا کہ آپ گدی کی خواہش نہیں رکھتے ہونگے، آپ انکار کر دیں گے۔''

''تو تم سمجھتے ہو مجھے گدی کی چاہ ہے۔'' بات مسکراہٹ سے ہنسی پر آ گئی۔

''یہ بات اگر امرت کرے تو بنتا ہے، تم پر سوٹ نہیں کرتی، تم یہ حق نہیں رکھتے، زیادہ استعمال مت کرو۔''

''سچ سچ بتا دیں آپ کو گدی کی چاہ نہیں تھی؟'' وہ انہیں زچ کر رہا تھا۔

''لاھوت میں باغی تھا سچ بولتا تھا، جذباتی تھا، بے وقوف تھا، اتھرا تھا، من مانی کرتا تھا، مگر میں تمہاری طرح بدتمیز اور بدلحاظ نہیں تھا، بے حیا اور غیر ذمہ دار نہیں تھا، اپنے کام دوسروں پہ لاد کر انہیں کھوتہ بنا کر پھر ڈینگیں مارنے کی عادت نہیں تھی میری، تم انتہائی واحیات انسان بنتے جا رہے ہو۔'' وہ بغیر چائے پیئے اٹھے تھے۔

''کیا آپ بھی ایسے ہی ڈانٹ کھاتے تھے بڑوں سے، جیسے میں کھا رہا ہوں؟'' اس نے انتہا کر دی۔

''میں نے ڈانٹ نہیں جوتے کھائے ہیں، مگر قسم لے لو کبھی واحیات، بدتمیز اور بدلحاظ نہیں کہلوایا، باغی کہلوایا ہوں، مغرور اور ضدی کہلوایا ہوں، بد دماغ کہلوایا ہوں، بے راہ کہلوایا ہوں، یہاں تک کہ کافر کہلوایا ہوں، مگر...... بات کافر پر آ کر رک گئی۔''

''آنکھیں کیوں بھر آتی ہیں، لاکھ بند باندھنے کے باوجود بھی، آپ نے مجھے بے غیرت نہیں کہا بس۔'' وہ اٹھا تھا، ان کے پیچھے پیچھے آیا، وہ رکے، انہوں نے ایک زوردار تھپڑ اسے رسید کیا۔

''آج کے فیصلے میں مت آنا، اگر آؤ تو میرے سامنے مت بیٹھنا اور اگر بیٹھو تو چیخ چیخ مت کرنا۔''

''آپ نے میرے ساتھ وہی کیا جو آپ کے بڑوں نے، آپ کے ساتھ کیا تھا۔'' وہ غصے میں آ گیا۔

''اب بس ٹھڈے لاتیں مار کر گھر سے بھی نکال دیں مجھے۔'' وہ چلایا، عمارہ نکل آئی خوف زدہ ہو کر۔

''فرار کے بہانے ڈھونڈنے سے بہتر اعلان جنگ اچھا ہوتا ہے، عمارہ تمہاری شادی ایک ایسے مرد کے ساتھ ہوئی ہے، جو اعلان جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتا، اس لئے دوسروں کے کندھوں پر

بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہے، اس کو کہو منہ بند رکھے، بہت سن لیا، گدی نشین بننے کا پہلا بھگتان اسے بھگتنا ہے میرا۔" عمارہ نے رنجیدگی سے لاھوت کی طرف دیکھا۔

"اچھا نہیں کر رہے ہو تم، دو میاں بیوی کو خائف کرنا شیطان کا کام ہے۔" وہ انتہا سے نیچے نہیں اتر رہا تھا، اس نے حد کر دی تھی، وہ اب کے مزید بول کے لفظ اور وقت ضائع کرنا نہیں چاہ رہے تھے، اس نے انتہا کر دی تھی۔

وہ بوجھل دل لئے صحن پار کر گئے، اوطاق میں ان کا انتظار ہو رہا تھا، آج پہلا فیصلہ کرنا تھا گاؤں گا، انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلا کرکٹ میچ کھیلنے جا رہے ہیں، لگا تو چھکا ورنہ شکست۔

ایک ہجوم ملامت کے لئے تھا، جن میں سے حوصلہ دینے والے اکا دکا نکلتے تھے۔

یہاں پر تو وہ بھی نہیں تھے۔

کتنا مشکل ہوتا ہے سب کے سامنے جواب دہ ہونا، ہر اک کے سوال کو جواب دینا اور ہر اک کی زبان کا مقابلہ کرنا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہر اک کو رضامند کرنا، ڈھیروں بوجھ کندھوں پر لاد کر وہ اوطاق کی طرف ہو لئے۔

یہ تو ابھی پہلا امتحان تھا، بات تو ابھی بہت آگے جانی تھی، پہلی بار احساس ہوا کہ کبھی اسے بھی ان کی کتنی ضرورت پڑتی ہو گی، جب وہ کسی سہارے کے بغیر زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھ سکتی تھی، رکھتی تو لڑکھڑاتی، لڑکھڑاتی تو گر جاتی اور اگر گر جاتی تو پھر حوصلہ نہ پڑتا اٹھنے کا، انہیں لگا آج اگر وہ گر گئے تو یہ حوصلہ ان کے جیتے جی اپنی موت مر جائے گا۔

☆☆☆

اسے اکاؤنٹ کی تفصیلات دیکھیں تو اسے پتہ چلا، اس کا کچھ بھی اپنا کمایا ہوا نہ تھا جو جمع ہوتا، وہ جتنا اضافی کام پارٹ ٹائم کر پایا تھا وہ خرچ ہو چکا تھا، اس کے باپ کے اکاؤنٹ میں جو پیسے تھے، وہ پوری ٹکٹ کے بھی نہ تھے۔

وہ ہمیشہ پیسے خرچ کر دیتے تھے، ماہانہ کچھ پیسے آ جاتے تھے دو دکانوں کے کرائے کے جن میں سے گزر بسر اور اس کی پڑھائی کے لئے انہوں نے بہت محنتیں کی ہوئی تھیں، وہ تو ریٹائرمنٹ سے پہلے جاب چھوڑ دی، مگر جتنا بھی کمایا ھالار کی تعلیم پر خرچ کر دیا۔

اسے پروفیسر غفور نے کہا تھا باپ کا کبھی احسان فراموش مت کرنا، اور یہ بھی مت سوچنا کہ تو اس کا احسان اتار لے گا تو اسے اس کا حق سمجھ کر دینا اور اب جب وہ جا رہا تھا، کتنی اچانک زندگی نے پلٹا کھایا تھا، راہیں الگ الگ ہو گئیں، یہ تو طے ہوا کہ اب خود سے کمانا کتنا ضروری تھا، لگ پتہ گیا تھا اسے چند دنوں میں باہر بھی نہ جا سکا تھا وہ، جوزف کے جانے کے بعد، اس نے باپ کے اکاؤنٹ سے ہی کرایہ ادا کیا، اور زندگی میں پہلی بار خود پر تعریف بھیجی، وہ ابھی تک انہیں کا کھا رہا تھا، وہ شام گوہر اس سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اس نے کہا۔

"مجھے قسطوں پر کوئی گاڑی نکلوا دو گوہر میں ٹیکسی ڈرائیور ہی بن جاؤں مگر کام تو کروں، تم امرت سے مشورہ لو، پتہ ہے وہ کیسے کیسے حل نکالتی ہے۔"

''وہ تمہیں موچی کی دکان پر بٹھا دے گی، مگر کہے گی کام تو کرو اور کام بہت ہے ہالار اس دنیا میں، ایک انسان کو اپنے سروائیول کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، ہماری یہی غلطی ہے کہ ہم پڑھ لکھ کر آفیسر ہی بننا چاہتے ہیں، اسی لئے تو ہمارا کسان ان پڑھ ہے، تم شہر میں نکلو اور یہ مت سوچو کہ کام بڑا کام چھوٹا، اونچا یا نیچا، بہترین یا پھر بدتر، کام کو کام کے طور پر لو۔''

''تم میں آج مجھے امرت کی جھلکیاں دکھائی دے رہی ہیں گوہر۔'' وہ کیوں بتا کر آیا تھا۔

گوہر کو پتہ چل گیا کہ گھر میں اس وقت دودھ نہیں ہے، امرت کے ساتھ رہ رہ کر اثر تو پڑتا ہے، گوہر نے کھڑکی کھول دی، جس کا پٹ کچھ زخمی تھا، چرچرایا۔

''میں سوچ رہا ہوں یہ سارے کاغذات ردی میں دے دوں، مگر کتنا واہیات لگوں گا یہ بیچ کر۔'' وہ خود ہی کہہ کر ہنسنے لگا۔

''یہ کاغذ شعر کے ہیں، مت بیچنا ردی کو ہالار۔'' وہ چڑ گیا۔

''ہالی وہ یاد نہیں آتے؟''

''سچ بتاؤں، بہت آتے ہیں، مگر فیصلہ ان کا تھا۔''

''ہاں...... وہ تو تھا، مگر ہالی وہ اس وقت اکیلے کھڑے ہیں، تمہیں رک جانا چاہیے تھا، امرت کا غصہ بجا تھا، اسے نہیں رکنا چاہیے تھا، مگر تمہیں رکنا لازمی تھا، جس طرح کے بھی حالات ہوتے ان کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، انہوں نے تمہیں کبھی نہیں چھوڑا، وہ جیسے ہی تمہارے لئے ہیں اور تم چھوڑ آئے، ان کو چھوڑ آئے۔''

''میرا وہاں نکلنے کا مقصد نہ تھا، کتوں کی طرح پڑا تھا در پہ، مجھے چلے ہی آنا تھا، بے غیرت سا محسوس کر رہا ہوں مگر گوہر کوئی چارہ نہ تھا، آج ایک جگہ انٹرویو دے آیا ہوں، مگر انتظار نہیں کروں گا، تب تک موچی کی دوکان پہ بھی کھڑا ہو جاؤں گا، مگر کام کروں گا۔'' کہوہ بدذائقہ تھا مگر وہ دونوں پی گئے۔

''تمہاری جاب اور مزدوری کیسی جا رہی ہے؟''

''بہت اچھی۔'' وہ مسکرایا۔

''میں نے آدھی جوانی اپنی آوارہ گردی کو دی ہے، اب آدھی سوچ رہا ہوں ماں باپ کو دوں، ابا بہت بیمار ہو گئے ہیں، خرچے ہمارے بڑھیں نہ بڑھیں گیس اور بجلی کے بل تو بڑھے ہیں نا۔''

''تمہارے منہ سے پہلی بار گیس اور بجلی کے بل کی بات سنی ہے، عجیب سی لگ رہی ہے۔''

''ہاں...... وہ تو لگے گی ہی، بس دعا کرو میں ٹک پاؤں، میں اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہوں، تمہاری بے چینی کو کچھ تو قرار آیا ہے گوہر۔'' وہ اسے جانچنے کی کوشش کر رہا تھا، خاموشی ہے۔

''میں نے انتظار کرنا چھوڑ دیا ہے ہالی، انتظار جان لیوا ہوتا ہے، اندر سے کھا جاتا ہے، دیمک زدہ لکڑی بن جاتا ہے، بندہ بندہ نہیں رہتا۔''

''ٹھیک کہتے ہو گوہر، بہت بار ٹھکرائے جانے کے بعد، مجھ میں بھی نئی امنگوں اور انتظار کا حوصلہ نہیں ہے، میرے اندر کچھ نہیں ہے، سوائے غصے کے، بے بسی کے، شکایت کے، مجبوری کے، آگے سب کچھ خالی خالی سا نظر آتا ہے، لگتا ہے زندگی کی ڈاٹ کو کبھی جواب سے نہیں بھر پاؤں گا،

دعا کرو میں موچی ہی بن جاؤں، بس بن جاؤں، یہ بتاؤ امرت کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟''

''اس نے پرچے کو این جی او کو دینے کا سوچا ہے، وہ ہارتی جا رہی ہے حالار، وہ ہار گئی ہے اور اس کی ہار کا سبب بھی وہی ہیں، تمہارے سر۔'' حالی کا غصہ باہر آیا۔

''پچاس فیصد وہی ہیں۔''

''تم اب بھی ان کی طرف داری کرتے ہو گوہر؟''

''میں ان کے موقف اور نظریات کے پیچھے چلنے والی فلم کو دیکھتا ہوں تو طرف داری کرتا ہوں، وہ بہت مشکل پراسسز سے گزر رہے ہیں، آج ان کو فیصلہ کرنا ہے، پہلا فیصلہ...... دونوں اطراف مضبوط ہیں، وہ بیچاروں کی طرح کھڑے ہونگے، ہجوم کے پریشر کی زد میں۔''

☆☆☆

پہلا امتحان ہی جان لینے والا تھا، فیصلہ سنانا، بہت آسان ہوتا ہے، کرنا بہت مشکل اور آسان اس سے بھی مشکل اور انصاف کرنا اس سے بھی کہیں زیادہ۔

خاندان کی بچی تھی، رشتہ اس کا شہر سے آیا تھا، لڑکا غیر سید تھا، لڑکا بضد تھا کہ پھپھو کے گھر سے ہی کرنی ہے۔

پوری برادری مشکل میں تھی کہ لڑکی نے لڑکے کے حق میں زبان کھولی تھی، ماں باپ پریشان تھے، چچا کے بیٹے سے بات پکی کر رکھی تھی، شادی کر دیتے کسی سے پوچھتے، مگر لڑکا اڑا ہوا تھا۔

فنکار کو خط لکھ بھیجا، اس نے گاؤں بھر کو فیصلے کے لئے دعوت بھیجی، غصہ الگ تھا سب کا۔

پہلے لڑکی کا باپ بولا کہ میں بیٹی دینے کے خلاف ہوں، وجہ صرف اور صرف غیر سید تھی، لڑکا بپھرا ہوا تھا، بار بار فنکار کی طرف دیکھتا تھا۔

''میرے لئے انصاف کا فیصلہ کیجئے گا، ورنہ قیامت کے دن میں آپ کو کھینچوں گا، شرعی طور پر بتائیں کس روایت میں منع فرمایا گیا ہے کہ سید لڑکی غیر سید سے شادی نہیں کر سکتی، کس حدیث میں، میں یہ بیان ہے، بتائیں۔''

''ادب کے خلاف ہے۔'' لڑکی کا چچا اٹھ کھڑا ہوا۔

''بات شریعت کے قانون کی ہو رہی ہے، ادب اس کے بعد آتا ہے۔'' لڑکے کا باپ کھڑا تھا۔

''ادب ہی سب سے پہلے آتا ہے جو عقیدہ بنتا ہے، میری بات سنیں۔'' وہ بولے، دونوں کو چپ کرانے کے لئے۔

''مجھے بچی سے بات کرنے دیں۔''

''وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے کہ بیچ برادری میں آکر بیان دے گی۔'' وہ وہی سرخ ڈپی والا، جو اس وقت دلجوئی کرتا تھا۔

''اور ابھی۔''

''میں گھر چلوں گا۔'' ان کو غصہ آیا تھا مگر چپ کر گئے۔

''غصے کا ایک وقت ہوتا ہے، کچھ لمحے تحمل اور برداشت کے لئے ہوتے ہیں۔''

''مجھے یہ پسند نہیں ہے۔'' لڑکی کا باپ پہلے سے اٹھ کھڑا تھا۔
''میں رشتے میں تمہاری بیٹی کا چچا لگتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے، سب اٹھے۔
''آپ سب یہیں رکے رہیں، میں آتا ہوں۔'' اوطاق سے ان کے گھر تک کا ایک گلی کا ہی فاصلہ تھا، لڑکی شاید پہلے ہی ذہنی طور پر تیار تھی، وہ دروازے کے باہر کھڑے تھے، دروازے پہ دستک دی، ماں نکلی۔
''بہن سواٹھ، بیٹی کو بلا لائیں'' سواٹھ کر ان کے بلانے سے پہلے ہی آ گئی، سر پہ دوپٹہ کسا ہوا، تمیز دار لہجہ، کہیں سے بغاوت نہیں جھلکتی تھی۔
''بچی آج تمہاری زندگی کا فیصلہ ہے، مجھے اپنی خوشی بتاؤ؟'' لڑکی کا باپ اسے آنکھیں دکھا رہا تھا۔
لڑکی نے ماموں کے بیٹے کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا، وہ اوطاق میں آئے، اندازہ تھا اس کا باپ نہیں کرنے دے گا، لڑکے کی عجیب حالت تھی، بغاوت اور بے بسی کا ملا جلا تاثر تھا، یہاں وہ لڑکا بخت بھی کھڑا تھا، جو لڑکی کا چچا زاد تھا۔
''بچہ پروفیسر زاحمد اخلاق اور تقویٰ کے حساب سے لائق فائق ہے، بخت بھی ہمارے سامنے ہے، ذات برادری، عربی عجمی، خاندان اور اصول کو ہٹا کر دیکھا جائے تو فیروز احمد ہی لڑکی کے لئے اصل لائق انسان ثابت وہ رہا ہے، اس لئے میرا فیصلہ اسی کے حق میں ہے۔''
''ہمیں یہ فیصلہ نہیں منظور۔'' سب سے پہلے وہ سرخ ٹوپی والا، پھر سارے کھڑے ہو گئے، لڑکی کا باپ سمیت۔
''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے، میں نے اپنے طور پہ دے دیا، آگے آپ جانیں، آپ کا خدا، مجھے قیامت کے دن مت پکڑنا بیٹے۔'' انہوں نے نکلتے ہوئے فیروز کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
''میں قیامت تک آپ کا شکر گزار رہوں گا۔''
''تمہیں اچھے نصیب کی دعا دیتا ہوں۔'' وہ بڑبڑائے اور چلے گئے آوازوں اور ملامتی ہجوم کو چیرتے ہوئے۔
''یہ سردار ہونے کے لائق نہیں تھا، تم سب نے اسے ہمارے سروں پر بٹھا دیا، ہم مخالفت کرتے ہیں اس فیصلے کی۔'' سرخ ٹوپی والے سمیت، لڑکی کا باپ بھڑتا ہوا نکل گیا، فیروز نے اپنے باپ اور گاڑی میں بیٹھی ماں کو کہا۔
''برادری بھٹانا اور اپنے حق میں فیصلہ لینا میرا کام تھا، آگے آپ لوگوں کا کام ہے، پھپھو اور چچا کو منانا۔'' اس کے ماں باپ نے ڈرتے جھجکتے ہوئے ان کے گھر کی طرف گئے جن کے گھر کا دروازہ اسی وقت بند ہو چکا تھا۔
عبدالہادی کو اس کے تصور سے زیادہ برا بھلا کہا گیا، سارے مخالف کھڑے ہو گئے۔
پگ لاھوت کو باندھو یا خاندان کے کسی نوجوان کو منتخب کرو، انہیں کوئی ڈر نہیں تھا، وہ جا کر اپنے بستر پر دراز ہوئے۔

''تو عبدالہادی تو اپنے بڑوں کو کیا منہ دکھائے گا، کہ اپنے ہی خاندان کی عزت کو غیر سیدوں کے حوالے کیا، ہم سید اگر اتنے اچھے ہوں، پاک باز ہوں لائق فائق ہوں اپنی بچیوں کے تو کیوں کوئی اور آئے گا اور ہمیں اس کے حق میں فیصلہ دینا پڑے گا۔''

یہ ایک فطری فیصلہ ہے، لڑکی کی ماں نیم رضامند تھی، شوہر کو کہنے لگی۔

''دیکھ ذات پات کا نہ سوچ دھی کا مستقبل سوچ برادری کی پرواہ نہ کر، زندگی کی پرواہ کر، ایک ہی بار آتی ہے۔'' دروازے پہ دونوں گھرانے کھڑے تھے۔

بخت کا ابا بھی، دوسری طرف فیروز احمد کے ماں باپ، اب دروازہ کھولنا پڑ گیا، دونوں کو بٹھایا گیا، سورٹھ کو باپ نے کہا۔

''تو نے میری عزت مٹی میں ملا دی، کہنے لگی آپ نے قربانی مانگی تھی تو کہہ دیتے کہ قربان ہو جا، مگر اس کے بعد پھر کبھی مجھے سکھ کی خوشیوں کی دعا مت دیجئے گا، جیسے قربان کیا جاتا ہے، بھینٹ چڑھایا جاتا ہے، اسے سمجھیں مرا ہوا، بتا دیں کس قسم کی خودکشی کروں؟ قربان تو میں ہو جاؤں، مگر پھر......'' وہ اس سے زیادہ سننا نہیں چاہتا تھا، باہر نکل آیا، بیوی کو برا بھلا کہا برسا، بخت کے ابا نے دھاگ جمائی ہوئی تھی۔

''احمد بخش ہاں کر دے تو اچھا ہے اور جتنی جلدی کرے گا اتنا زیادہ اچھا ہوگا۔'' احمد نے کہا۔

''مجھے وقت دیں، آپ دونوں گھر جائیں ہم کل کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔'' بخت کا ابا بپھر گیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس باغی کا فیصلہ منانے گا کیا؟''

''اس باغی کو پگ آپ لوگوں نے خود پہنائی ہے۔'' پھپھو بولی تھی فیروز کی۔

''تو چپ رہ ادی، ہم مردوں کا معاملہ ہے۔''

''ادا میری بیٹی کا معاملہ ہے، تم مردوں کا کہاں ہو گیا۔'' بات اختلاف سے شروع ہوئی تو فساد پر پہنچ گئی اور جب کوئی بات فساد پر پہنچتی ہے تو بگڑ کر ہی دم لیتی ہے۔

فیروز احمد کا سورٹھ سے اسی رات نکاح ہوا، سادگی سے رخصتی ہوئی، احمد کو گاؤں والوں نے گاؤں سے نکلنے کا حکم دے دیا، اس کے گھر پہ رہنا مشکل کر دیا، فنکار نے اپنے گھر میں پناہ دی، فیروز آ کر لے گیا ان کو اپنے ساتھ کہہ کر کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا مگر اب ہے، بیٹے کے ہوتے ہوئے ماں باپ بیچارے نہیں ہو سکتے، جب تک آگ ٹھنڈی ہوتی احمد اور پھپھو اس کے ساتھ چلے گئے۔

☆☆☆

لاہوت اور عمارہ گھر کی ٹینشنز سے دور گھومنے پھرنے گئے تھے، فنکار کے خلاف مخالفت کی، ہوا زور پکڑتی جا رہی تھی، پہلی بار لگا کہ امرت کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا، مگر وہ نہ رکتے تو فروز فیصلہ نہیں بٹھا سکتا تھا فیصلہ نہ بٹھاتا تو راستہ کیسے بنتا اور اب ان کو لگا چلو کام ہو گیا، اب نکل لو۔

حالار خفا ہو کر نکل گیا تھا، سنا تھا جوزف کے ساتھ باہر جانے کے پر تول رہا ہے، وہ اب جاتے بھی تو کس کے لئے اور کیوں...... امرت کے پاس وہ جگہ تو نہ رہی تھی اور لگ رہا تھا اب گاؤں میں بھی ان کے لئے جگہ نہیں رہے گی، مگر کام بہت رہتا تھا، جس کا حساب کتاب کرتے تو

بڑے کھاتے نہ کھل جانے تھے۔

☆☆☆

''بہت مشکل ہوتا ہے کسی بھی خواہش سے دستبردار ہونا، کام آگے بڑھا کر پھر ہاتھ کھینچ لینا، تم ہار رہی ہو امرت۔'' گوہر کو اعتراض تھا۔

''میں ہار گئی ہوں علی گوہر۔'' وہ دفتر خالی کر رہی تھی، بل کی ادائیگی کرا گئی تھی شام تک کمرہ خالی کر کے دینا تھا۔

''تم پلیز چیزیں سمیٹنے میں میری مدد کرو، ابھی کچھ کام ہیں جو مجھے کرنے ہیں، یہ میٹر پہنچانا ہے وہاں۔''

''کیا تم نے ہار تسلیم کر لی ہے امرت؟'' وہ کاغذوں کے پلندے اٹھا کر کارٹن میں بھرتے ہوئے بولا۔

''میں ہار چکی ہوں۔'' اس نے بڑی آسانی سے اس کے سوال کی مشکل آسان کر دی تھی۔

''کہنا چاہ رہا تھا تمہارا دماغ خراب ہے۔'' حیرت سے دیکھتا اگر بے بسی غالب نہ آتی اس پر۔

''یہ پرچہ تمہارا خواب تھا امرت۔''

''میرے اور بھی بہت سارے خواب تھے جو مٹی ہو گئے، میں نے خواب دیکھنا چھوڑ دیئے ہیں۔''

''امرت ایک آخری کوشش، مجھے پتہ ہے تم کر سکتی ہو، کوئی مشکل نہیں ہے تمہارے لئے اب یہ سب، ایک پرچے پر تم نے دن رات محنت کی ہے، اسے لا کھڑا کیا ہے، کل تیسرا پرچہ مارکیٹ میں آیا ہے اور تم آج اسے بیچ رہی ہو، دیکھو منافع نہیں ہوا مگر اب ہو گا، پرچے کی ریٹنگ آئے گی، بکے گا، بکنے لگا ہے۔''

''میں نے اپنی خواہش کو علی گوہر بہت وقت دیا ہے، عملی طور پر بھی تین ماہ دے دیئے، کافی ہیں، عدنان کا قرضہ لوٹانا ہے مجھے، آگے اپنی خواہش کو میں مٹی تو کھلا سکتی ہوں مگر اناج نہیں۔''

''تم ایسا مطلب سمجھتی ہو۔'' لہجہ تیکھا ہو گیا۔

''ہاں سمجھتی ہوں، میں نے آج اس خواہش کو یہیں دفن کرنا ہے۔''

''اور اس کے دوسرے جنم کا عقیدہ میرے پاس نہیں ہے امرت۔'' وہ بے بسی سے کارٹن بند کرتے ہوئے رہ گیا۔

''گوہر! بات سنو، آج کے بعد جا کر اپنے لئے کوئی کام ڈھونڈو، بہت ہو گیا، بہت ڈھیل دے دی تم نے خود کو۔''

''اور تمہارے ماں باپ نے تم کو۔''

''وہ بہت بے بس ہیں گوہر، انکل کی طبیعت خراب ہوتی جا رہی ہے، والدین بیٹے آوارہ گردی کے لئے پیدا نہیں کرتے۔''

''یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو امرت، مگر...... اس پرچے کا کام۔''

"دیکھو...... زندگی کا آخری اسٹیپ نہیں ہے، میری خواہش یہ تھی کہ سندھی ادب کو ایک اچھا پرچہ دینا، اس حالت میں جب پرانے معیاری پرچے بند ہو چکے ہیں اور میں نے تم نے، ہم نے مل کر وہ کر دکھایا اور اب ہم ہار رہے ہیں۔"

"نہیں گوہر۔" وہ تھک گئی تھی، بیٹھ گئی۔

"دیکھو ہم اس پرچے کو ایک این جی او کو دے رہے ہیں جو اسے اچھا چلائیں گے، آگے بڑھائیں گے، مصنفین کو ایک اچھی اماؤنٹ دے رہے ہیں، جو میری خواہش تھی، فرق صرف اتنا ہے کہ اس کے ایڈیٹوریل اس کی سرپرستی میں ہم نہیں ہیں کوئی اور ہے، ہم سے زیادہ مضبوط ارادے جسے، بلنگ کی پرواہ نہیں، ڈسٹری بیوشن جن کا مسئلہ نہیں ہے۔"

"سب باتیں اپنی جگہ امرت درست ہیں، مگر یہ سچ ہے کہ ہم بھی یہ کر سکتے ہیں ذرا مشکل سے ہی۔"

"یہی بات کہ مشکل سے اور اب میں لفظ مشکل کو تھوڑا سا آسان کرنا چاہتی ہوں، تمہارے ماں باپ کو تمہاری ضرورت ہے، وہ ہار چکے ہیں، تمہاری ماں رو رو کر تمہارے لئے نوکری کی دعائیں کرتی ہے، باپ بے بسی سے چپ رہ جاتا ہے، دعائیں کیسے قبول ہوں جب تم کوشش ہی نہیں کر پاتے، میں نے بھی بہت وقت ضائع کیا ہے، تھک گئی ہوں، میری ماں تھک گئی ہے، مجھے منا منا کر، اب وہ مجھے خود کچھ نہیں کہتیں مگر ان کا لہجہ، ان کی بے بسی ان کی آنکھیں مجھ سے بہت کچھ کہتی ہیں، میں ان کا مزید امتحان نہیں لینا چاہتی۔"

"تم نے شادی کا فیصلہ کیا ہے؟"

"پتہ نہیں، بس میں نے ان کو کہا ہے کہ میں تیار ہوں اگر وہ خوش ہیں تو کوشش کر لیں، انہوں نے رات فرید کو پیغام بھجوایا ہے۔" اس کے لہجے میں تھکن تھی۔

"فرید کے لئے تم دل سے راضی ہو امرت؟"

"دل کی بات مجھے اب نہیں سننی گوہر۔"

"تم اپنے دل کی ساری خواہشیں ایک ایک کر کے چھوڑ رہی ہو۔"

"مجھے تھکا دیا ہے دل نے۔"

"نہیں امرت اس دن کے بعد تم میں یہ بدلاؤ آیا ہے۔"

"انہوں نے مجھے ایک فریب سے نکال کر بہت اچھا کیا ہے علی گوہر۔"

"زندگی کے لئے کچھ خواب بہت ضروری ہوتے ہیں امرت جیسے جاگنے کے لئے نیند۔" وہ کارٹن پیک کر چکی تھی، بندہ آ گیا تھا لینے، اس نے سب کچھ اسے دیا اور دو کانوں کے مالک کو اس کمرے کی چابی دی، علی گوہر نے رکشہ پکڑا، ان دونوں کو اپنے اپنے گھر جانا تھا۔

"کل ھالار کا فون آیا تھا امرت۔" وہ موڈ بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیسا ہے وہ؟" اس نے سرسری سا پوچھا۔

"اچھا ہے وہ، اس نے کام شروع کر دیا ہے جوزف کے ساتھ، جوزی اسے اپنے پیسوں پر لے گیا تھا، اسے بھی تمہاری طرح بہت سارے خرچے ادا کرنے ہیں، قرضے سر پر منڈلا رہے ہیں

اس کے، محنت کر رہا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' اسے وہ شام یاد آئی جب ھالار کے جانے سے پہلے انہوں نے نواز اور فاطمہ کو ٹریٹ دی تھی، ھالی بھی آیا تھا۔

اگلے دن وہ لوگ مل کر اسے ائیر پورٹ چھوڑنے گئے تھے، زندگی کتنی بدلتی جا رہی تھی، اسے لگا جیسے خالی ہے، جب جستجو کی شکست ہونے لگے تو ایسا ہی رکھتا ہے اور محسوس ہوتا ہے۔

''گھر جلدی جانا گوہر، کہیں اور بھٹکنے سے بہتر ہے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''سب کی فکر ہے تمہیں امرت سوائے اپنے۔'' وہ اتر کر جا چکی تھی، اس نے دروازے تک اسے چھوڑا تھا اور پھر نکل آیا تھا، گھر والوں کو اس کے جلدی آنے کی توقع نہیں تھی، وہ آتا تو تھوڑے سے حیران ہو جاتے، آج اس نے ابا کے پاؤں دبائے تھے، انہیں سر میں تیل ڈال کر مالش کی، دوا کھلائی، وہ سو گئے وہ اور ماں کھانا کھانے بیٹھے تھے، وہ انہیں دیکھ رہی تھیں، اسے پتہ تھا وہ کہیں گی کتنے کمزور ہو گئے ہو گوہر اور وہ کچھ نہیں پاتا کہ اندر سے بھی، کہہ دیتا کہاں کمزور ہوا ہوں، آپ کو لگا رہا ہوں، مگر انہوں نے سوال اس کی توقع سے ہٹ کر کیا تھا۔

''تم کس کے ساتھ تھے آج؟''

''امرت ساتھ تھی، اسے گھر چھوڑ آیا ہوں۔''

''اچھی لڑکی ہے وہ۔''

''جی...... بہت اچھی لڑکی ہے، صرف اچھی نہیں۔''

''پھر مت اس کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتے گوہر؟'' اس کے ہاتھ سے نوالہ ضرور چھوٹتا گر امنہ میں نہ رکھ دیا ہوتا اٹکا مگر ضرور تھا، وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

''کل تمہارا رشتہ لے کر جاؤں گی، آج فون پر تو بات ہوئی ہے اس کی ماں سے، ہم نے سوچا تم دونوں اچھے دوست ہو جوڑی اچھی بنے گی۔'' وہ سر پیٹ لیتا اگر ان کی بات پر اس قدر حیرت زدہ نہ ہو جاتا تو۔

☆☆☆

دو دن ہوئے تھے اسے گھر میں بیٹھے ہوئے اور یہ دو دن اس نے پاگلوں کی طرح گزارے تھے، گھر میں بیٹھے بیٹھے وہ بور ہو گئی تھی۔

پورے گھر کا کام کرنے کے بعد وہ جب رات کو بیٹھی تو موبائل فون پر گیم کھیلنے لگی، امر کلہ کو دس فون کر چکی تھی نمبر اس کا بند آ رہا تھا، کھٹارہ موبائل رکھ کر بیٹھی ہوئی ہے اسے غصہ تھا۔

ماں کو اس کی انتظار تھا کہ فرید کوئی رسپانس کرے گا اور وہ ان کے انتظار کی حالت دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی، مگر تیسرے دن کی صبح نے اسے کہا تھا کہ آج اگر بیٹھ گئی تو دن مشکل ہو جائے گا، رات اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل، سوچ سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے تھے کہ پوری زندگی ایک گھر میں کیسے گزرے گی۔

''میں آپ کو بتا دوں میرا شمار ان لڑکیوں میں نہیں جو دن بھر کے کاموں کے بعد آدھی رات گھڑیاں گزار گزار کر مرد کا انتظار کریں، مجھے لگ رہا ہے جیسے زندگی رک گئی ہو۔''

''لو میں نے سمجھا تم سدھر گئی ہو، تمہیں پھر جن چڑھ گیا۔''
''جی ہاں چڑھ گیا مجھے بھوت۔'' اس نے دوپہر بمشکل گزاری تھی اور اب نکلی تھی۔
''میں جا رہی ہوں۔''
''مگر جا کہاں رہی ہو؟''
''کہیں بھی، بس گھر سے باہر جا رہی ہوں۔''
''سنو امرت، سنتی جاؤ، کوئی نیا تماشہ اب نہیں چلے گا اور اب جو رشتہ بھی میرے گھر کی دہلیز پر آیا وہ اقرار سنے بغیر نہیں جائے گا۔''
''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ عجلت میں کہہ کر دہلیز پار کر گئی۔
''توبہ ہے اماں تو......'' بڑبڑاتی ہوئی مین روڈ تک آئی، اس نے سوچا پہلے مس یاسمین سے مل لے ان سے مشورہ لے کر، کتنے دنوں سے وہ بلا رہیں تھیں اور کام کی وجہ سے یہ جا نہیں پا رہی تھی، اس دفعہ پہلے ان کے گھر کی راہ لی، سرپرائز بھی اچھا رہے گا، سوچا عمارہ ہوتی تو کتنا مزا آتا تھا، اس کا سوچنا تھا کہ اس کی کال آئی، لو جس کا نام لیا وہ حاضر۔
''سنو امرت شام کی چائے تمہارے پاس، کراچی سے سیدھے یہیں پہنچ رہے ہیں، پھر رات میں اماں کی طرف جائیں گے۔''
''رات میں گھر آ جانا عمارہ، میں خدا خدا کر کے باہر نکلی ہوں، ورنہ مس یاسمین کے گھر آ جاؤ ان کو صدمہ دینے، آئندہ بھول کر بھی نہ کہیں گی۔''
''نہیں ادھر تم جاؤ، ابھی میری حالت ہی صدماتی ہو رہی ہے بری طرح سے تھکی ہوئی ہوں، سوچا تم سے ذرا خدمت کروا کے چین آ جائے۔''
''اپنے شیطانی منصوبے کو پھر پورا کر لینا۔''
''چلو ٹھیک ہے ہم پھر اماں کے پاس جاتے ہیں، رات میں ملیں گے۔''
''ہاں ٹھیک ہے رات میں ملتے ہیں۔'' اس نے فون رکھا پتہ تھا کہ رات میں وہ خطرناک ارادے لے کر آ رہی ہے، وہ بے فکر ہو کر مس یاسمین کے گھر چلی گئی، گھر کی وہی حالت تھی اور ان کی گھر سے زیادہ دلچسپ حالت تھی۔
سر میں ایک طرف جم کر تیل لگا ہوا تھا اور نیچے کی طرف بال خشکی سے بھرے تھے، کندھوں تک آتے تیل بھرے گھنگھریالے بال اور بیزار چہرے کے دنیا بھر سے خائف سے تاثرات تھے، انہوں نے جس بیزاری سے دروازہ کھولا تھا، وہ دو لمحے بعد مسکراہٹ اور خوشی ساتھ جھلاہٹ میں بدل گئی تھی، اسے دیکھتے ہی وہ لپٹ گئیں۔
''امرت اتنے دنوں بعد آئی ہو۔''
یہ بھی کہنا تھا کہ بتا کر آنا تھا مگر ابھی خوشی کچھ جملے کھا گئی، وہ اسے لئے ہوئے اپنے بیڈ روم تک آئیں، پہلی بار وہ اسے بیڈ روم میں لائیں تھیں، ڈرائنگ روم سے قدرے بہتر حالات تھے، سکون بھی تھا۔
''بھائی صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ اسلام آباد گئے ہیں دوست کے پاس، بڑے والے لڑکے کو بھی لے گئے ہیں، باقی چھوٹی اور موسن آج نرگس بہن کے پاس گئے ہیں، ان کے بچوں کے ساتھ کوئی پروگرام تھا، ابھی نکلے تھے اور میں نے سکھ کا سانس لیا تھا، اب تم ذرا ٹھیک ہو کر بیٹھو میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔''

وہ آرام سے بیٹھ گئی اخبار کھنگالنے لگی، وہاں بھی اس کا پسندیدہ پیج اشتہارات ٹینڈر نوٹس، نوکریاں، ویکنسی ہے وغیرہ کو چھان رہی تھی، جب تک وہ چائے بنالائیں۔

اس کے پرچے کو سن کر افسردہ ہو گئیں یقین نہ آیا کہ امرت اور ہار مان لے۔

''امرت ایسا کرو دوبارہ بورڈ آجاؤ۔''

''چھوڑیں مس یاسمین، اتنی بھی بے غیرت نہیں ہوں کہ جا کر ان کی منتیں کروں، اس سے بہتر ہے کسی موچی کی دوکان پر بیٹھ جاؤں اور واقعی آج گھر سے نکلی ہوں، کل کچھ نہ کچھ کرلوں گی، مجھ سے نہیں کام کے بغیر رہا جاتا، جب زندگی کا کام گزرنا ہی ہے تو بیکار میں کیوں گزرے۔''

''امرت خدارا تم انسان ہو کہ مشین، کام کام کام، حد ہوتی ہے، اب اصل کام کرو، شادی کے لئے سوچو۔''

اور ادھر اصل کام کے لئے علی گوہر کی فیملی امرت کے گھر پہنچی ہوئی تھی۔

اسے فون آیا کہ ذرا ایمرجنسی ہے جلدی گھر پہنچے، اس نے مس یاسمین کے ساتھ آج شام کر لی تھی اور مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر اس نے سوچا تھا، ایک چکر مارکیٹ کا لگا کر اور اس کے بعد گھر جانے کی کرے اور اسی وقت فون آیا تو وہ سرپٹ گھر کو دوڑی، رکشہ لیا، یہ بیس پچیس منٹ کا رستہ اس نے بڑی مشکل سے گزارا تھا، طرح طرح کے واہمے تھے۔

''بالکل ٹھیک تو چھوڑ کر آئی تھی سب کو، یا اللہ خیر۔'' رکشہ رکا، اس کے پاس پیسے پوچھنے کا بھی وقت نہ تھا، سو میں لپٹے دو اور نوٹ غائب دماغی سے رکشے والے کو پکڑا کر جب اندر کی طرف آئی تو یہاں تو سماں ہی اور تھا۔

''عمارہ، لاحوت، گوہر کے امی، ابا، یا اللہ یہ سب یہاں۔'' تسلی اس لئے ہوئی کہ امی اور وقار انکل بھی خوش گوار موڈ میں ملے تھے۔

''خیریت ہے نا؟'' وہ بوکھلائی ہوئی بیٹھی اور جب بیٹھی تو پتہ چلا اس کا رشتہ آیا ہے، وہ بھی علی گوہر کا اور اس کے تو مانو چھکے چھوٹ گئے، باقیوں کے چھوٹنے باقی تھے۔

☆☆☆

''تم نے کہا تھا کہ اب تم انکار نہیں کرو گی اور تمہارے پاس امرت اب انکار کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھی تھی اور یہ اس کے سر پہ کھڑی تھیں۔

''میں نے وقت مانگا ہے امی۔''

''تم نے سب کے سامنے کہا ہے کہ ہمیں وقت چاہیے، اس طرح لڑکیاں بات کرتی ہیں کیا آکر۔''

''جو بات آپ کو کرنی چاہیے تھی، وہ مجھے کرنا پڑی، اس کا افسوس مجھ سے زیادہ آپ کو ہونا

چاہیے امی، آپ تو ایسے ہتھیلی پر سرسوں جما رہی تھیں کہ جیسے صدیوں سے انتظار میں ہوں آپ، کیا سوچیں گے وہ لوگ گھر جا کر کہ لڑکی کی ماں اتاؤلی ہوئی جا رہی تھیں۔'' انہوں نے ناگواری سے لمحے کے لئے دیکھا پھر اپنے طریقے پر آ گئیں۔

''دیکھو امرت گوہر بہت اچھا لڑکا ہے۔''

''اس کی خوبیاں آپ سے زیادہ میں جانتی ہوں۔'' اس نے ٹوک دیا تھا۔

''تو انکار مت کرنا۔''

''مجبور کر رہی ہیں آپ مجھے؟''

''جو سمجھو، مگر میں اب چاہتی ہوں کہ ہو جائے، فرید کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا؟ تم اس میں اگر خوش تھیں تو انکار کیوں کیا تھا؟''

''میں اس میں خوش نہیں تھی...... مگر...... امی میں...... دیکھیں میں مانتی ہوں کہ گوہر میرا بہت اچھا دوست ہے، ہماری ذہنی ہم آہنگی ہے، ہم ایک دوسرے کو اچھے طریقے سے جانتے ہیں، مگر اس کا مطلب شادی ہرگز نہیں ہے۔''

''امرت!'' انہوں نے سختی سے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

''حنان واقعی تمہارے لائق نہیں تھا، فرید کو تم نے خود انکار کر دیا، گوہر تمہارے قابل ہے، بہت اچھا ہے۔''

''گوہر مجھ سے زیادہ قابل لڑکی کا حقدار ہے امی۔''

''اب مجھے جنتر منتر مت پڑھاؤ لڑکی، میں بس پرسوں ان کو ہاں ہی کہنا چاہتی ہوں جواب میں تمہارے پاس ایک دن ہے۔''

''میں نے ایک ہفتہ مانگا ہے ان سے۔''

''امرت تمہیں ذرا بھی لحاظ نہیں ہے میرا۔''

''ہفتے کے بعد ان کو کوئی ایک جواب دے دیں گے۔''

''زندگی بھر کا معاملہ ہے، جہاں اتنا وقت چلا گیا، وہاں ایک ہفتہ اور دے دیں نا امی۔''

''اچھا...... ٹھیک...... ہے، مگر ہفتے کا مطلب ہفتہ ہی ہوگا اور ہفتے کے بعد ہم ان کو نا نہیں کہیں گے۔''

''اچھا ٹھیک ہے دیکھتے ہیں۔''

''ہفتے کے بعد اگر ہمارے پاس کوئی اور آپشن ہوا؟''

''تمہیں گوہر سے کیا چڑ ہے آخر، ویسے تو دن بھر اسے ساتھ لئے لئے پھرتی ہو۔''

''ساتھ لئے پھرتی ہوں، مگر نیت میری صاف ہے۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے، بس میں نے کہہ دیا، ہفتے کے بعد میں تمہاری بات پکی بھی نہیں کروں گی بلکہ ڈائریکٹ نکاح ہوگا، مجھے اب منگنی شنگنی پر کوئی بھروسہ نہیں رہا۔''

''بھروسہ تو ویسے نکاح کا بھی کوئی نہیں ہوتا۔'' وہ ہنس دی، ان کی اس عجلت پر۔

''اچھی بات منہ سے نکالو امرت، اگر نکاح کا بھی بھروسہ نہ ہو تو پھر ہر چیز سے بھروسہ اٹھ جانا

چاہیے، نکاح کہتے ہیں بھروسے کو ہیں، کمٹمنٹ کو ہیں۔'' وہ اس کی ماں تھی، اسے لاجواب کر کے چلی گئی۔

''اب سو جاؤ، زیادہ دیر سوچو مت، یہ کام دن میں بھی کیا جا سکتا ہے۔'' وہ چلی گئیں تو اس نے سب سے پہلے گوہر کا ہی نمبر ڈائل کیا جو بند آ رہا تھا، گھر کے نمبر پر فون کیا تو عمارہ نے اٹھایا، اس نے کہا گوہر کو دو۔

''کیوں صبر نہیں ہو رہا کیا؟''

''شرم کرو عمارہ، اسے فون دو۔''

''کیوں دوں؟ کس لئے دوں؟ نہیں دوں گی۔''

''عمارہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسا سب کر رہی ہو، دوست ہو یا دشمن ہو؟''

''جو سمجھو، نیکی کرنے والا دشمن ہی ہوتا ہے آج کے دور میں ویسے۔''

''عمارہ خدا کے لئے، تم تو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے، آ جائے گھر تو کہتی ہوں بات کر لے تم سے، بس اس حد تک ڈھیٹ تم ہی ہو سکتی ہو۔'' اس نے فون بند کر دیا، الجھی تھی بری طرح سے۔

امر کلہ کی اسی وقت کال آ گئی، اس نے چوتھی بیل پر ریسو کی۔

''کہاں تھی؟''

''یہیں تھی۔'' آواز تھکی ہوئی۔

''کیا ہوا ہے؟ خیریت ہے؟''

''رشتہ آیا ہے میرا؟''

''اوہ فرید نے پھر سے ہمت کر لی۔'' وہ ہنسی۔

''نہیں فرید نے اب کی بار ہمت نہیں کی، یہ ہمت کسی اور نے کی ہے۔''

''کوئی اور؟ کون؟''

''علی گوہر کا رشتہ آیا ہے۔'' اس کے کہنے کے بعد لائن لمحوں تک ساکت ہو گئی۔

''ہیلو...... امر کلہ......''

''ہم...... ہاں...... اچھا ہے...... ہاں کہہ دی؟''

''نہیں...... وقت مانگا ہے، ہفتے کا۔''

''اتنے اچھے رشتے کے لئے وقت کیوں مانگا، وہ اس لائق ہے کہ ادھر اس کا رشتہ آئے، ادھر ہاں ہو جائے۔'' یہ امر کلہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''ہاں...... اگر ٹھیک جگہ آئے تو۔''

''جہاں رشتہ بھیجا جاتا ہے، وہ جگہ ٹھیک ہی ہوتی ہے، اس نے بھیجا ہے تو اچھا ہے۔''

''مجھے نہیں لگتا کہ اس نے بھیجا ہے امر کلہ۔''

''وہ بچہ نہیں ہے امرت، اس کے ماں باپ جان دیتے ہیں اس پر ایسے نہیں رشتہ بھجوا سکتے۔''

''میں بہت پریشان ہوں امر کلہ، امی کو سمجھانا مشکل ہو رہا ہے میرے لئے۔''

''مت سمجھاؤ، ہاں کہہ دو۔''

''امر کلہ تم مجھے ایسا کیسے کہہ سکتی ہو۔''

''اس لئے کہ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں دوست ہوں۔''

''کر تو دشمنی رہی ہو۔'' لائن ایک دفعہ پھر سے ساکت ہو گئی۔

''بولو۔'' امرت کے دل میں سناٹا تھا۔

''تم بولو میں سن رہی ہوں۔'' ادھر شور تھا، علی گوہر کی کال آ رہی تھی۔

''کال ہے گوہر کی۔''

''لے لو۔'' امر کلہ نے فون کاٹ دیا، اس نے فون اٹھالیا اور اس پر برس پڑی۔

☆☆☆

شعور اس بچے کی طرح سہم جائے، جس پہ نئی نئی سمجھ آ رہی ہوتی ہے اور کئی چھپی ہوئی چیزوں کے اصل کا اندازہ نہیں ہوتا۔

ایسے میں یا شیطان انسان پر چڑھ دوڑتا ہے، یا نفس اسے ہراساں کر کے کھینچ لیتا ہے اور طاقت اپنی طرف بلاتی ہے۔

انسان کے اندر بہت ساری دنیائیں ہوتی ہیں، جن کی ایک صورت بھی اگر اس کے سامنے شکل لے کر ابھرے تو وہ ڈھے جاتا ہے، یا پھر طاقت لڑاتا ہے، اسے یا طاقت لڑانی تھی، یا ہار ماننی تھی، اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

اگر اندر سے اللہ ھو کی سرسراہٹ سے واضح ذکر کی آواز نہ سارے ماحول کو جکڑ لیتی، دو بڑے فیصلوں کے بعد، وہ تیسرے مرحلے میں کھڑے تھے۔

آج دربار پر حاضری تھی، سمجھو پیشی تھی، اپنی کارکردگی پیش کرنی تھی، بڑی ہمت کر کے وہ آئے تھے، مجاور مسجد کے احاطے میں سوئے ہوئے تھے، مسجد بہت فاصلے پر تھی، پہلی بار وہ اکیلے آئے تھے۔

اتنی کمزوری، یہ شاید بڑھاپے کی نشانی تھی، وہ صحن میں بیٹھ گئے، جانے کیوں اندر جانے کی ہمت نہ تھی، سنا تھا کہ کبیر احمد یہاں پہلی بار آیا تھا اور پہلی بار میں اندر گیا تھا اور جب اندر گیا تو باہر نکلنے میں وقت لگ گیا، پوری رات گزر گئی، فجر پڑھنے باہر نکلا تھا، شکل تو وہی تھی، مگر روپ بدل گیا تھا۔

داڑھی کے کھردرے بال کھجاتے ہوئے وہ ناسمجھی سے چوکھٹ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے، یہ وحشت تھی یا طاقت، جو اسے ڈرانے لگی یا پھر خود اس کا لاشعور حاوی تھا۔

رات اندھیری میں جب شیطان اپنی چال چلنے لگے، لاشعور ڈرا کے تھکا دے، جو جہاں تھا وہ وہیں جم کر رہ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆

ٹھہرے پانی میں ہلچل

تمثیلہ زاہد

وہ کسمسا کر اٹھی تھی، گھڑی پر نگاہ پڑی جو صبح کے آٹھ بجا رہی تھی، اپنی دوسری جانب دیکھا عدنان بستر پر موجود نہ تھا یقیناً واش روم میں تھا، وہ اپنے بالوں کا جوڑا بناتی بستر سے کھسک کر کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی، کمرے کی کھڑکی اسے بے حد پسند تھی، اس سے زیادہ سڑک کی جانب کھلنے والی اس کھڑکی سے باہر کا منظر اور بھی دلکش لگتا تھا، صبح صبح سورج کی پھوٹتی کرنیں ہر شئے کو ایک الگ ہی رونق بخش رہی ہوتی ہیں۔

وسیع و عریض سڑک پر گاڑیاں اپنے وجود کو ایک ہی سمت میں تیزی سے فراٹے بھرتی جا رہی تھیں، صبح صبح ہوا کی تازگی وہ اپنے وجود میں اتار رہی تھی، لمبی لمبی سانسیں کھینچ کر خود کو معطر کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

اس ایک ہفتہ کی دلہن کا یہ روز کا شغل تھا وہ روز کی طرح آج اس منظر میں محو تھی کہ۔

''مسز! کب تک یوں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے کیا ناشتہ واشتہ نہیں کرنا، آپ کے سرتاج کے آفس کا شادی کے بعد پہلا دن ہے۔'' وہ ٹاول سے سر رگڑتا ہوا باہر آیا اور مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''جی...... جی چلیں۔'' وہ اس اچانک کہے جملے پر کچھ بوکھلا سی گئی تھی اپنی محویت کو سرزنش کرتی وہ عدنان کی طرف مسکرا کر باہر کی جانب آئی، وہ دونوں کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم میں داخل ہوئے تو دیکھا آپا ٹیبل پر ناشتے کا سامان رکھ رہی تھیں، سلائس، انڈے، پراٹھے، جوس، چائے سے سجے لوازمات سے پر ٹیبل پر وہ ہی دونوں موجود تھے، گرم گرم ناشتہ دیکھ کر عدنان کی بھوک چمک اٹھی تھی، وہ ہاتھ بڑھا کر پلیٹ میں توس رکھنے لگا۔

''آپا! آپ بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کریں۔''

جوس کا جگ رکھ کر جاتی آپا کو اس نے پیچھے سے پکارا تھا اور وہ لمحے بھر کو بغیر پلٹے رک بھی گئیں۔

''تم لوگ کرو مجھے اور بھی کام ہیں۔''

سپاٹ سرد لہجے میں کہا جملہ سن کر اس کی پھر سے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی، آپا لمحے بھر کو رک کر کمرے سے تیزی سے نکل گئیں تھیں، اسے آپا کا پہلے دن سے سرد رویہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔

شروع شروع میں نئی نویلی دلہنوں کے ساتھ برتاؤ ہر کسی کا ہی اچھا ہوتا ہے، لیکن یہاں کا معاملہ ہی کچھ الٹ ہے شاید اس کی اکلوتی نند کو لگی لپٹی رکھنے کی عادت نہ تھی۔

''سنیے کیا آپا ہمارے ساتھ ناشتہ نہیں کریں گی۔'' اس نے جوس گلاس میں ڈالتے عدنان سے پوچھا، وہ دونوں ہفتہ بھر سے کمرے میں ہی ناشتہ کر رہے تھے، کچھ دعوتوں کی مصروفیت نے انہیں ڈائننگ روم میں مل بیٹھ کر کھانے کا موقع نہ دیا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ڈائننگ روم میں بیٹھ کر کھا پی رہے تھے، یوں اکیلے ناشتہ کرنا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا، کچھ میکے میں مل جل کر کھانے کی تربیت بھی اسے ملی تھی۔

''مسز! تمہیں علم تو ہے کہ میری امی فالج کی

مریضہ ہیں اور آپا ان کو ناشتہ کروا کر خود بھی وہیں ناشتہ کرنے کی عادی ہیں، وہ پانچ سال سے امی کی اس بیماری کو سنبھال رہی ہیں سو ان کے رویے کے روکھے پن پر نہ جانا اگنور کر دینا، پلیز، کوئی بات بری لگے تو ان سے بجائے مجھ سے کہنا، پلیز۔" وہ اس سے التجا کر رہا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا کر بظاہر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی لیکن دل و دماغ کے تانے بانے آپا کے سرد رویے سے الجھے ہوئے تھے، کچھ سوچ کر اب وہ مکمل طور پر سکون کے ساتھ ناشتہ کرنے لگ

گئی، عدنان کے آفس کا آج شادی کے بعد پہلا دن تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کے درمیان کوئی ایسی تکلیف دہ بحث ہو جس سے اس کا باقی سارا دن خراب گزرے۔

وہ عدنان کو دروازے تک چھوڑنے آئی تھی، دروازہ بند کر کے کمرے میں آکر اسے عجیب سے ادھورے پن کا احساس ہونے لگا تھا، کمرہ ایک دم سے بھائیں بھائیں کر رہا تھا، عدنان کا مسکراتا وجود اسے اپنے ہر سمت دکھائی دے رہا تھا، ایک ایک شئے میں جھلکتا اس کا عکس وہ محبت سے دیکھ رہی تھی، جس پر عدنان کے چلے جانے کے بعد بے رونقی آ گئی تھی۔

''اتنے کم وقت میں محبت میں اتنی شدت کیا میاں بیوی رشتہ ازدواج میں بندھ کر پا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس رشتے میں محبت کی ڈور کو کتنی جلدی مضبوط کر دیا تھا۔'' وہ سوچ کر مسکرانے لگی، تنہائی کے احساس نے اس پر گھبراہٹ طاری کر دی تھی، وہ ایک بھرے پرے گھر سے آئی تھی تین بہنیں اور تین بھائیوں میں وہ سب سے چھوٹی تھی۔

بہن بھائی شادی شدہ تھے، گھر کے سب ہی لوگ خوش مزاج تھے اس کی تینوں بھابیاں اچھی عادات واطوار کی مالک تھیں، اس نے ابھی اپنا گریجویشن مکمل ہی کیا تھا کہ منجھلی بھابی کے گھر والوں کی ایک شادی میں عدنان کے گھر والوں نے اسے پسند کر کے اپنا عندیہ بھیج دیا، تین ماہ میں ان کی شادی ہو گئی، سسر حیات نہ تھے عدنان اور ان سے تین سال بڑی آپا اور اس کی ساس ہی اس گھر کے مکیں تھے، ایک تو افراد کم اور دوسرا طبیعت میں سنجیدگی اور روکھا پن، شاید ان کے مزاج کا حصہ تھا یا وہ انہیں سمجھ نہیں پا رہی تھی، وہ آئی بھی تو اپنی نند کی پسند سے تھی پھر یہ لاتعلقی، سرد مہری، کیوں؟

ڈور بیل کی آواز پر اس کے خیالات منتشر ہونے لگے، اپنے کمرے کے دروازے کا اوٹ سے اس نے دیکھا سحر آپا ساتھ والے گھر سے آئی عظمت باجی کو لے کر ڈرائینگ روم میں جا رہی تھیں، عظمت باجی بھی سحر آپا کی ہم عمر تھیں، عدنان نے بتایا تھا کہ وہ آپا کی گہری سہیلی ہیں، اس ایک ہفتہ میں وہ دو بار آ چکی تھیں، ایک سرسری سے ملاقات وہ عظمت باجی سے کر چکی تھیں، عظمت باجی مطلقہ خاتون تھیں اپنے دو چھوٹے بچوں کے ساتھ پچھلے دو برسوں سے میکے رہ رہی تھیں، آپا کے ساتھ کچھ وقت گزار کر وہ خود کو ہلکا پھلکا کر لیا کرتی تھیں، اس نے سوچا کیوں نہ آپا کی سہیلی کے لئے کچھ مٹھائی اور بیکری کے لوازمات لے جا کر انہیں سرپرائز کرے، یقیناً آپا خوش ہو جائیں گی، آپا کو خوش کرنے کے اس نادر خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے چٹکی بجاتے کچن کا رخ کیا فریج سے مٹھائی کا ڈبہ نکال کر پلیٹ میں نکالنے لگی پھر کچھ بیکری کے لوازمات بھی اس نے چند پلیٹوں میں سجا کر ٹرے اٹھائے ڈرائینگ روم کی سمت بڑھی تھی۔

''تمہیں اپنی بھاوج کے معاملے میں خوش فہمی پالنی ہی نہیں چاہیے تھی، اپنا رویہ شروع سے ہی لیا دیا رکھتیں تو آج یہ نوبت نہ آتی۔'' آپا سپاٹ لہجے میں بولیں اور اس کے اندر جاتے قدم ٹھٹک کر خود ہی زمین بوس ہو گئے۔

''کیا کروں، کہاں جاؤں، والدین میں اب کوئی حیات نہیں، دونوں بہنوں کے اپنے اپنے مسائل ہیں، ایک ہی بھائی ہے جس کے در پر مجبور اپڑی ہوں، شوہر کی روز روز کی چخ چخ نے آج اپنے بھائی کی دہلیز پر رسوا کر دیا ہے، نہ شوہر اب رکھنے پر راضی ہے اور نہ بھابی کا رویہ۔'' وہ

مسلسل رواں ہوتے آنسو آنکھوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے رقت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''نند کو ہمیشہ گند ہی سمجھا جاتا ہے یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔'' آپا نے آہ بھری۔

''آپ کی بھاوج کیسی ہے؟'' وہ کچھ رک کر بولیں۔

''معلوم نہیں، ابھی اسے آئے جمعہ جمعہ چار دن ہوئے ہیں، یہ خوش اخلاقیاں بھی بس چند روز کی ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ ساس نند بوجھ لگنے لگتی ہیں، بیگم شوہر کے کان کچھ اس انداز میں بھرتی ہے کہ پھر نندوں کو اپنا میکہ بھی پرایا لگنے لگتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں تم تو چند ماہ کی مہمان ہو پھر کون سا میکہ، ہونے والا شوہر دوبئی میں ہے، ٹھاٹ سے رہنا۔'' وہ آپا کو تسلی دے رہی تھی۔

''میں ٹھاٹ سے رہوں نہ رہوں بس اپنی امی کی فکر ہے میرے بعد کہیں ان کا حال بھی تمہارے جیسا نہ ہو جائے۔'' کہتے کہتے آپا کا دل ہولنے لگا۔

''السلام علیکم!'' اس نے اندر آکر بلند آواز میں سلام کیا تو دونوں چونک گئیں۔

''وعلیکم السلام!'' عظمت باجی بولیں۔

''یہ لیجئے گلاب جامن ویسے ہیں تو یہ بازار کے لیکن میں بھی اچھے بنا لیتی ہوں کسی دن آپ کو اپنے ہاتھ کے گلاب جامن بنا کر کھلاؤں گی۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

اور ایک پلیٹ میں گلاب جامن رکھ کر عظمت باجی اور سحر آپا کی طرف بڑھا دیا۔

''واہ بہت خوب پھر تو میں ضرور تمہارے ہاتھ کے گلاب جامن کھاؤں گی۔'' عظمت باجی اس کی خوش مزاجی سے متاثر ہونے لگیں۔

''عظمت باجی! اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''ہاں ہاں کہو۔''

''عظمت باجی! عدنان نے مجھے بتایا تھا آپ نے بھی فارمیسی کیا ہے میرے بھائی اپنی لیب ہے اسے کچھ لوگوں کی ضرورت بھی ہے، اگر آپ کہیں تو آپ کی جاب کے لئے بات کروں؟''

''ایسا کر کے تم مجھ پر احسان کرو گی۔'' ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''احسان کی کوئی بات نہیں میں آج ہی بھائی سے بات کروں گی آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے عظمت باجی کا ہاتھ نرمی سے تھاما تھا۔

''اچھا سحر اب چلتی ہوں گھر کے کام چھوڑ کے آئی تھی، تمہارا شکریہ۔'' عظمت باجی جاتے ہوئے اسے شکر گزار نظروں سے دیکھ رہی تھیں، سحر آپا کے ساتھ وہ انہیں دروازے تک اللہ حافظ کہنے آئی تھی۔

سحر آپا دروازہ بند کر کے عجیب سے احساسات لئے کچن کی جانب جا رہی تھیں۔

''آپا آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' اس نے پیچھے سے پکارا تھا۔

''کچن میں کھیر بنانے، کیا میرے ساتھ مل کر بناؤ گی؟''

اس ایک ہفتے میں آپا کے چہرے پر آئی اس مسکان نے اس کے دل میں کلیاں کھلا دی تھیں، مارے خوشی کے وہ ان سے لپٹ گئی، ٹھہرے پانی میں جو پھول پھینک کر اس نے ہلچل مچا دی تھی، اس نے بدگمانیوں کے سارے پتھر نکال پھینکے تھے، آپا نے بھی اسے خوش دلی سے بانہوں میں بھر لیا تھا۔

☆☆☆

روزن کھلا

سیما بنت عاصم

گھر میں خیر سے چھ افراد تھے۔

اور سارے کے سارے اپنی دنیا کے باسی، کسی نہ کسی مراق میں مبتلا یا شغل کے رسیا، سو اپنی زندگی میں ناکام و نامراد تھے۔

"کتنے مزے کی بات ہے نا، ناکام اور نکما کی ہجے تک یکساں ہیں۔"

"ابا سدا سے سونے کے رسیا تھے، کسی زمانے میں ماربل ڈھالنے کے بہترین کاریگر تھے، یہ اور بات کہ اپنا سارا ہنر سو کر ڈبو دیا، امی نے شادی کے بعد آٹھ سال ہو کے آنسو روتے گزارے، مگر چار بچوں نے بھی ابا کا چلن نہ بدلا۔"

مگر وہ جو کہتے ہیں کہ دن کوڑی کے بھی پھر جاتے ہیں تو یہی ہوا، ابا کا دوبئی کا چانس بن گیا، باہر کی ہوا لگی تو گھر کے رنگ ڈھنگ بدلے، ہم سب نے اک اچھا وقت گزارا، مگر سکھ کے لمحات مختصر ہوتے ہیں۔

ابا کا تین سالہ کانٹریکٹ پورا ہوا، تو ایک کانٹریکٹ اور پکڑ لیا پورے چھ سال بھگتا کر وہ وطن لوٹے تو لمبے پڑ گئے، طویل بیماری کے بعد سانس کے مرض نے آ گھیرا، ابا نے جان بخشی کی عرضی بھجوادی، جوابا پھر بیمہ اور فنڈ کی مد میں جو جمع جتھا ہاتھ آیا، منافع کھاتہ میں جمع کروا، ہاتھ جھاڑے اور منہ سر لپیٹ پھر لمبی تان کر پڑ گئے، دال روٹی کا آسرا بنا تو بقیہ زندگی پیر پھیلا کر سوتے گزری۔

امی کا مزاج سوشل تھا، خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کبھی ان کا تلوا گھر میں نہ ٹکا، گھر سے باہر ان کے کیل ددھیال ننھیال تھے، یہ اک الگ کہانی رہی، کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، رشتوں ناتوں کے نام پر دنیا زمانے کی جوڑ توڑ اور چغل خوری، یہ وہ۔

مزاجا خوش تھیں، گھر میں ہمہ وقت خواتین کا آنا جانا رہتا، چائے پانی کے دور، پان کی گلوریاں چلتیں، ادھر امی کے نام کی پکار پڑتی، وہ پان کلے میں رکھ، برقع سر پر جما، یہ جا وہ جا، وہی عالم تھا کہ پیا ہمارے گھر نہیں ہمیں کسی کا ڈر نہیں، ابا سے یوں بھی ان کی پل بھر نہ بنتی تھی، ہاتھ اور زبان کی کھلی تھیں، ابا نے جتنا کمایا انہوں نے اڑا دیا تو گھر کے حالات کیا خاک بدلتے۔

گھر میں خاک دھول اڑتی، اگرچہ بڑی آپا نہ ہوتیں وہ میرے بچپن کے دن تھے، جب آپا اسکول چلتے سے سب کے لئے رات کے دھلے کپڑے پریس کرتیں، واپسی پر یونیفارم بدلتیں، کچا پکا کھانا پکا کر پیٹ تو بھر ہی دیا کرتیں، رنگ و روپ سے ہٹ کر ہم چار بہن بھائی ایک ہی سانچے میں ڈھلے نظر آتے، یہی تفریق سیرت و قسمت میں چلی۔

اس وقت بڑی آپا کے مشاغل بھی خوب تھے، ہمیشہ سے انہیں کتابیں رسائل چاٹنے کا چسکا رہا، گھر بھر کے دھندوں سے فراغت پاتیں تو کمبل لحافوں میں منہ دے کر پہروں پڑھا کرتیں۔

جس زمانے میں ان کے بہن بھائی اسکولوں کے سامنے مکھیاں بھنکتی ریڑھیوں سے چاٹ سموسے کھاتے، وہ پیسے بچا کر کہانیاں،

رسائل خریدتیں، موئے کاغذ، قلم سنبھال کر جانے کیا کچھ لکھتی پڑھتی رہتیں، بعدازاں یہی ہنر رنگ لایا، کچھ وقت گزرا، آپا کا نام چھپنا شروع ہو گیا۔
اعزازی پرچے، ادبی محفلیں، یہ وہ، بارہا تصاویر اخبار رسائل میں چھپیں، ریڈیو، ٹی وی پر انٹرویو نشر ہوئے اور موئے بیسیوں ایوارڈز، (واہ جی واہ)۔
نام تو خوب کمایا مگر ہاتھ کچھ نہ آیا، اب

پرچوں کے معمولی اعزازیوں سے گھر چلتے ہیں بھلا۔

ناک پر عینک جمائے، پرانے فیشن کے کپڑے پہن کر آپا ادبی محفلیں بھگتاتی پھرتیں، ہزار فیشن آئے گئے، ان کے جمپر کا سائز کبھی نہ بدلا، امی ان کی شادی کی فکر میں گھلتیں، ان کے دماغ کو کوئی لگتا ہی نہ تھا، کوئی بھولا بھٹکا رشتہ آ ہی جاتا تو چیخ پڑتیں، ہر کسی میں کوئی نہ کوئی نکتہ ڈھونڈ ہی لیتیں، درحقیقت وہ آئیڈیل پرستی میں وقت گنوا رہی تھیں۔

بڑی آپا کے بعد تھے، اماں کے راج دلارے اکلوتے چھوٹے بھیا۔

ماں پہ دھی، پتا پہ گھوڑا کی منہ بولتی مثال، اس میں کچھ شک نہ تھا کہ انہوں نے قسمت غضب کی پائی تھی، شاید اسی سبب، خیر سے آج تک سب کچھ بیٹھے بٹھائے ہی پایا تھا، پرسنیلٹی اچھی تھی، پہن اوڑھ کے غضب ڈھاتے، اب ایسی پرسنیلٹی کو کیا دہی لگا کر چاٹنا تھا، کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے، اک وقت تھا، ابا دوبئی سے بھاری بھرکم ڈرافٹ بھیجتے، بھیا امپورٹیڈ کپڑے، چیزوں پر اتراتے پھرتے، ذرا جو سر پٹخا، امی نے بائیک دلا دی۔

پھر وہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے، ابا کے لوٹنے تک امی اپنے لاڈلے سپوت کے چاؤ چونچلے اٹھا اٹھا کر انہیں اچھی طرح بگاڑ چکی تھیں، (اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں) ابا کا ڈنڈا ان کے سر پر بجتا تو امی سامنے آن لگتیں، آخر کار وہ ہاتھ سے نکل گئے، نہ ڈھنگ سے چار جماعتیں پڑھیں نہ کہیں ٹک کر کمایا، جو کمایا، خود ہی اڑایا، دوسروں کو ہوا تک نہ دی، بس نہ چلتا، امی ابا کو ہی بازار میں کھڑا کر کے دام کھرے کر لیں، کرم کرتوت ایسے تھے کہ لینے کی بجائے دینے پڑ جاتے، کسی کا کھا لیا۔

اب امی ابا اولاد کے بگاڑ کا الزام اک دوسرے کے سر تھوپ کر ہاتھ جھاڑ لیتے، مگر جو وقت گزر گیا، لوٹ نہ سکتا تھا، بھیا کو ہمیشہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر سب کچھ نصیب ہوتا رہا تھا اور جس کو ملے یوں، وہ کچھ کرے کیوں، امی ابا کو ان کی شادی کا بڑا چاؤ تھا، مگر چھوٹے بھیا کے کرم کرتوت ایسے تھے کہ زمانہ کانوں کو ہاتھ لگاتا، رشتہ کیا خاک نصیب ہوتا، امی کے دل میں بھی کچھ ایمان وانصاف تھا کہ انہوں نے شادی کے نام پہ انہیں صاف جھنڈی دکھا دی۔

مگر بات وہیں قسمت پر آن رکتی ہے۔

چھوٹے بھیا نے کسی مل میں کام کیا تو مالک کی بیٹی کی نظروں میں سما گئے کروڑوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث، مانو لاٹری کھل گئی، بھیا نے ہی اس کے آگے پیچھے پھر کر اسے رام کیا یا وہ ہی بھیا کی لاکھوں میں ایک صورت پر ریجھ گئی، نتیجہ ایک ہی رہا یعنی مل کے مالک کی بیٹی سے بھیا کی چپ چپاتے شادی اور جس طرح اب تک انہیں سب کچھ بیٹھے بٹھائے نصیب ہوتا رہا تھا، ایک جورو بھی مل گئی، ہینگ لگی نہ پھٹکری۔

چھوٹے بھیا دو بول پڑھوا کر اسے امی ابا کے قدموں میں بٹھانے کو تو لائے، مگر نا، ابا نے خوب ہی ان کی چندیا بجائی، امی نے بھی کالی کلوٹی بھنگن جیسی بہو کو منظور کرنے سے انکار کر دیا وہ بے نیل ومرام لوٹے، اور پھر ایسے پھرے کہ کعبے سے کافر، امی ان کے لئے چھپ چھپ کر روتیں، مگر پروا کسے تھی، تم روٹھے، ہم چھوٹے، بھیا کے رخ پھیر لینے کے بعد امی کی اپنے دلارے سپوت سے رہی سہی امید بھی خاک ہوئی، ابا کہتے، جواد ہمارے کسی برے کرم کا بھگتان ہے، مجھے تو سچ ہی لگتا، ابا کے کرم ایسے ہی

تھے۔

چھوٹی آپا نام کی چھوٹی تھیں مگر دیکھا جائے تو نہلے پہ دہلا، چھوٹی آپا نے زندگی میں کچھ کیا، نہ کیا، اپنے لئے ایک کاٹھ کا الو تو ڈھونڈ ہی لیا، ان کا یہی وصف ان کی زندگی کا ڈھب بدلنے کا موجب ٹھہرا، یہاں پر ایک بار پھر ماں پہ دھی، پتا پہ گھوڑا کی مثال سامنے آتی ہے، زبان درازی کے ہنر میں طاق، کھلنڈری پارہ صفت چھوٹی آپا۔

زمانہ بھر میں کدکڑے لگاتی پھرتیں، ایک پیر گھر میں ہوتا دوسرا گلی میں، رنگ و روپ ایسا تھا کہ زمانہ آگے پیچھے پھرتا، گلی محلہ کے لڑکے آہیں بھرتے، ابا کا رعب داب نہ ہوتا تو جانے کیا کچھ کر گزرتیں۔

مارے باندھے کچھ جماعتیں پاس کی تھیں۔

جو رقعہ بازی کے کام آتیں۔

منوں کے حساب سے خطوط، اور یہ ڈھیر سارے تحائف، الامان، سولہ سال کی عمر میں گاجر مولی کی طرح ڈھیروں ڈھیر معاشقے۔

خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اپنی اسی روش سے گھر بھر کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا، امی ان کے کرتوتوں پر پردہ ڈالتی نہ تھکتیں اور چھوٹی آپا کا بس نہ چلتا کہ آسمان کو تھگلی لگا کر آتیں، کئی بار ابا کا ڈنڈا ان کے پر پر خوب ہی بجا۔

امی ان کا پیر بندھوانے کو پیر فقیروں کی درگاہوں کی خاک چھانتیں، سولہ سال کی عمر میں ناکوں چنے چبوا دیے تھے، امی کا بس نہ چلتا۔

کل کی کرتی، آج اسے بیاہ کر چلتا کریں، مگر چھوٹی آپا نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا، یہی وہ دن تھے امی کو بڑی آپا کا غم مارے ڈالتا اور پڑوسن خالہ اپنے لاڈلے سپوت نفیس احمد کے لئے دامن پھیلانے چلی آئیں، امی بہتیری

سٹپٹائیں، چھوٹی آپا نے اپنے کرتوتوں سے ان
کی جان عذاب میں کر رکھی تھی، ان کے لچھن
ایسے کہاں تھے کہ بر نصیب ہوتا، خیر ان کا مزاج
چار لوگوں میں رہنے قابل تھا بھی نہیں، امی ان
کے لئے سوچتیں بھی تو کسی نگوڑے چھڑے
چھانٹ کو ڈھونڈتیں، نہ کوئی آگے نہ پیچھے، اب
ان کی چاند جیسی صورت پر نفیس کا دل آ گیا تو یہ
اس کی کم نصیبی تھی، امی بھلا کیوں روڑے
اٹکاتیں، ان کے سر سے بوجھ اترا، جو کچھ جمع جتھا
بڑی آپا کے نام پہ تھا، دے دلا کر انہیں چلتا کیا،
کسی کی تو قسمت سنوری اور خلاصی پائی۔

یہ اور بات کہ چھوٹی آپا کے کُن کس میں دم
تھا کہ بھگتتا پھرتا، بہت جلد ان کی قلعی اتر گئی، امی
نے کئی بار سسرال جا کر ان کے پھپھوندی لگے
برتن دھوئے اور پھوٹتے سر بچائے، مگر تا بکے،
نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، پڑوسن خالہ اس
گھڑی کو روتیں جب وہ نفیس کا رشتہ لے کر ہماری
دہلیز چڑھی تھیں۔

چھوٹی آپا نے میاں کو دام میں کس لیا تھا،
اس کے منہ سے نکلی چوں بھی بھاری پڑ جاتی، اس
نے اپنی دنیا الگ بسانے میں زیادہ وقت نہ لیا،
کہ صاف جورو کے غلام ثابت ہوئے تھے۔

اور لیجئے جناب! ہماری چھوٹی آپا نے بہت
جلد ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی اور اپنی گرہستی
کی مالکہ بنیں، اس کے بعد وہی رفتار بے ڈھنگی۔

اب رہی میں یعنی فائزہ عرف فیری، بقلم
خود تو میرے لئے بڑی آپا کہتیں اور درست ہی
کہتیں، کہ میں نے اب تک زندگی میں کیا ہی کیا
تھا، جواب کروں گی زمانے بھر کی نکمی و ناکارہ
فیشن کی رسیا، ناقابل اصلاح۔

دس جماعتیں پڑھ کر جو تیر مارا تھا، وہ بھی
موبائل، ٹی وی، ریڈیو میں گھس کر گنوا دیا، آپا نے
پھر سے ذمہ گھر کے چند کام لگائے تھے جو مارے
باندھے بھگتا کر میں پھر ٹی وی میں منہ گھسیڑ لیتی،
ریڈیو کے کان اینٹھتی یا موبائل فون سے جا چپکتی،
پیکجز پر یہاں وہاں کی کالیں، لمبی لمبی گپیں، آپا
کہتیں، فیری جیسے لوگ صرف دنیا کے ہجوم میں
اضافہ ہیں، ابا کے کندھے سے لٹک کر ڈھیروں
ڈھیر فرمائشیں، فیشن کے نام پر دنیا بھر کی فضول
خرچیاں، ان کے لئے میں ناکام و ناکارہ تھی، نہ
بلند خیالی، نہ معیار و ترجیحات، نہ خواہشات اور نہ
ہی ترقی کی لگن۔

مجھے خاک بھی پرواہ نہ تھی، یوں ہے تو یوں
ہی سہی، اب کون دوسروں کے نظریات بدلنے کو
آگے پیچھے پھرتا پھرے، یہاں تو سب ہی کا قبلہ
غلط تھا۔

☆☆☆

موبائل فون پر ہی میری اک نئی لڑکی سے
آشنائی ہوئی۔

اس کی لو میرج تھی، سعد اس کا ٹیوٹر رہا تھا
اور محبت خود بخود پھوٹ پڑی، صدیوں کے فاصلے
لمحوں میں سمٹے تھے، بات شادی پر آئی تو سعد کی
کچی پکی نوکری پر ظالم سماج اٹھ کھڑا ہوا، محبت
اندھی ہوتی ہے، ثمرہ نے سعد کی حمایت میں سر
اٹھایا تو بغاوت کا نام دے کر دو بول پڑھوا، ماری
لات سسرال کے نام پر سر دست اک بڑی نند تھی
جو بلا کا گند اور جس کے لئے ثمرہ کا کہنا تھا کہ وہ
مر کے بھی اس کی تیوری کے بل سیدھے نہ کر
پائے گی، بلا نکتہ چینی، ہمہ وقت اس سے الجھنے
کے بہانے ڈھونڈتی، شکل اچھی تھی، رشتے بھی
آئے، مگر شادی کے نام پر اوس پڑ جاتی، گھر ایک
دیور کی کمائی پر چلتا جو لندن میں تھا، ان میاں
بیوی کی حیثیت کمزور تھی، لہو کے گھونٹ پیتے رہنے
ہی میں عافیت تھی، ثمرہ درگزر نہ کرتی تو آئے روز

کی سر پھٹول چلتی، نند کے دماغ کو پیسے کی گرمی تھی۔

مجھے اس کے دکھ خود سے جڑے محسوس ہوئے، مگر ثمرہ کہتی، قدرت کے نوازنے میں توازن ہے، ہر کسی کی زندگی میں روشنی کا ایک روزن ضرور ہوتا ہے، اسے جیون ساتھی کا پیار حاصل تھا اور زندگی میں جیون ساتھی کی کیا اہمیت ہوتی ہے، یہ کوئی بڑی آپا جیسی لڑکیوں کے دل سے پوچھے، جواب چیخم پکار کرتیں، اودھم مچاتیں، اماں ابا دم بخود سنتے، ان کے خیال میں چار حروف پڑھ کر عامرہ کھسک گئی تھی، تو کر لو گل در حقیقت وہ سکھ کی چھاؤں چاہتیں، مگر کون سمجھتا ہے۔

اک روز اس نے میری بابت پوچھا، میں نے سچ اگل دیا، صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل، وہ سن کر بہت ہنسی، پھر کیا، انسان کی قیمت اس کی کوالٹیز سے ہوتی ہے، پرسنیلٹی سے نہیں۔

مجھے لگتا وہ گھر میں احساس تنہائی کا شکار ہے، میں نے اسے اپنے حالات کی بابت بتایا تو اس نے کہا۔

''دراصل تم تصویر کا تاریک رخ دیکھتی ہو اور دوسروں کے مثبت پہلو پر نظر رکھتی ہو۔''

''واہ، ایسے ہی کوئی نہیں۔'' مجھے غصہ آ گیا، مگر اس کی کال آ گئی، رابطہ منقطع ہوا، میں اگلی کال تک بل کھاتی رہی، مگر بات سیدھی سی تھی۔

اس نے کہا، اگر زندگی کی تلخیوں پر نظر رکھو تو پھر زندگی تلخ ہی ہے، قدرت کے نوازنے میں توازن ہے، وہ کسی کو کہیں، کسی کو کہیں نوازتی ہے، کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا۔

اس نے اک نئی سوچ بخشی تھی، میں سوچنے بیٹھی۔

میں نے ابا کو سدا ناکارہ اور گھر بھر کی بگڑی روش و حالات کا ذمہ دار سمجھا، مگر یہ ان کا ہنر ہی تھا جو ہاتھ بھر پیسہ کمایا، ہم سب نے مختصر سہی ایک اچھا وقت گزارا، آج بھی ابا کی اسی کمائی سے دو روٹی کا سہارا تھا، امی زبان کی کراری سہی، مگر کھری تھیں، ان کے وسیلے سے کتنے گھر بسے، کتنوں کے کام بنے، جوڑ توڑ کر کے گھر بھی چلایا، بری بھلی اولاد بھی سمیٹ ہی لی، بڑی آپا جیسی کامیابیوں کا میں خود کے لئے تصور بھی نہیں کر سکتی، چھوٹی آپا لاکھ کھوٹی سہی، شوہر کے دل پر راج کرتی تھیں، تو یہ ان کی قسمت تھی، چھوٹے بھیا دوسروں کے لئے ناکارہ مگر قسمت کے دھنی تھے، جو بذات خود اک کوالٹی ہے، ورنہ اپنی زندگی میں مطمئن مسرور و مگن کیوں رہتے؟

مانو ہر شخص بساط بھر زندگی بھگتاتا ہے، کھوٹ دوسروں میں نہیں، اپنی آنکھ میں ہوتا ہے اور یہی نکتہ زندگی کو تلخ بنا دیتا ہے، مان لیا کہ کامیابی، آسودگی میں ہے۔

اب ایک راز کی بات بتاؤں؟

ثمرہ اپنے اسی لندن والے دیور کے لئے مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔

کیا خیال ہے، میری قسمت بھی کھل جائے گی نا؟

☆☆☆

ادھوری بہو

عمارہ امداد

سارہ نے بریانی کو دم لگا کر کچن میں لگی گھڑی پر وقت دیکھا دوپہر کے بارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے، اس نے جلدی سے کچن کی شیلف پر بکھرے برتنوں کو سمیٹ کر سنک پر رکھا اور دھونا شروع کیا، صفائی وہ پہلے ہی کر چکی تھی اور اب جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ زبیدہ خاتون کے واپس آنے سے پہلے کچن صاف کر دے تاکہ جب وہ آئیں تو انہیں گھر صاف ستھرا نظر آئے، وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ ان کو خوش کر سکے تاکہ وہ اسے اچھی بہو گردان سکیں لیکن یہ اس کی خام خیالی ہی تھی کیونکہ ایسا خال خال ہی ہوتا تھا کہ وہ اس کے لئے کوئی حوصلہ افزا جملہ کہیں زیادہ تر اس کی یہ خواہش اس کے دل میں ہی دبی رہ جاتی۔

وہ برتن دھو کر کچن صاف کر کے ابھی لاؤنج میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اتنے میں زبیدہ خاتون آ گئیں۔

''السلام علیکم امی!'' سارہ نے فوراً سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! بیٹا ایک گلاس پانی تو پلاؤ۔'' انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پانی مانگا اور گھر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور مطمئن ہو کر کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

''جی ابھی لائی۔'' وہ فوراً پانی لینے چلی گئی۔

''رانی آنٹی اور ربیعہ بھابھی کیسی تھیں؟'' انہیں پانی پکڑاتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔

رانی آنٹی کا گھر ان کی گلی میں ان کے گھر سے چار گھر چھوڑ کر تھا اور ان سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے، جب سے سارہ بیاہ کر سسرال آئی تھی اس نے رانی آنٹی اور اپنی ساس میں بہت پیار اور دوستی دیکھی تھی، دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں بہت آنا جانا تھا، اس لئے سارہ بھی ان سے بہت محبت سے ملتی تھی اور ربیعہ بھابھی رانی آنٹی کی بہو تو سارہ کو بے حد پسند تھی، زبیدہ خاتون کی تو وہ پسندیدہ ترین ہستی تھی، اب بھی وہ اس کے ذکر پر تعریف کرنا شروع ہو گئی تھیں۔

''رانی اور ربیعہ دونوں خیریت سے تھیں، ربیعہ حسب معمول کاموں میں لگی ہوئی تھی، بھئی بہت پھرتیلی لڑکی ہے، منٹوں میں کام ختم کرتی ہے، چال میں اتنی پھرتی ہے کہ لمحوں میں یہ جا وہ جا، ابھی مجھے بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ جھٹ پٹ چائے بنا لائی اور چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات سے بجی ٹرالی، شامی کباب تو اتنے لذیز تھے کہ کیا بتاؤں؟ تم نے تو اس کے ہاتھ کے کھائے ہی ہیں، ماشاء اللہ بہت سگھڑ بہو ملی ہے رانی کو، جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے، گھر بھی ہر وقت جگمگ کرتا ہے ہر چیز سے نفاست چھلکتی ہے۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے انہوں نے دانستہ اپنے گھر میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے اجتناب کیا تھا کیونکہ ان کا اپنا گھر بھی اس وقت اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

سارہ خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھی، ان کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''جی بالکل امی! واقعی ربیعہ بھابھی کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے، سلیقہ شعار ہونے

کے ساتھ ساتھ عادت کی بھی بہت اچھی ہیں
وہ۔'' وہ بولی تو اس کا لہجہ کسی بھی حسد، جلن سے
عاری ربیعہ کے لئے محبت لئے ہوئے تھا، وہ ایسی
ہی تھی دل کی صاف اور دوسروں سے دل سے
محبت کرنے والی، دوسروں کی خوبیوں کو سراہنے
والی۔

اس کی شادی کو چار سال ہو گئے تھے اور
ربیعہ کی شادی اس کی شادی سے تین سال پہلے

ہوئی تھی، ان چار سالوں میں اس نے زبیدہ کو یونہی شد و مد سے ربیعہ کی تعریف کرتے سنا تھا لیکن اس کے دل میں کبھی بھی اس کے لئے کوئی برا خیال نہیں آیا تھا کیونکہ وہ خود اس سے متاثر تھی، ہاں البتہ ربیعہ کے بارے میں سن سن کر وہ لاشعوری طور پر کوشش کرتی کہ وہ بھی ربیعہ کی طرح کام کرلے تاکہ زبیدہ اس سے خوش ہوں لیکن انہوں نے اس کی کسی بھی خوبی کو کبھی بھی نہیں سراہا تھا، جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ نا محسوس طریقے سے اس میں یہ احساس سرائیت کرنے لگا کہ وہ دوسروں سے خاص طور پر ربیعہ سے بہت کمتر ہے، وہ جتنی بھی کوشش کرلے ربیعہ کی طرح نہیں بن سکتی، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی، چھوٹے چھوٹے دو بچوں کے ساتھ وہ گھر کا سارا کام خود کرتی اور ہر کام خوش اسلوبی سے اور وقت پر انجام دیتی اس کے شوہر کو کبھی بھی اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی، ویسے زبیدہ خاتون کو بھی اس سے کوئی لمبی چوڑی شکایتیں نہ تھیں، وہ بری ساس نہیں تھیں، انہوں نے کبھی بھی اسے برا بھلا نہیں کہا تھا اور نہ ہی دوسروں کے سامنے اس کی برائی کی تھی اور نہ ہی ان دونوں کے آپس میں کشیدہ تعلقات تھے لیکن وہ بظاہر کچھ نہ کہہ کر بھی وقتاً فوقتاً ربیعہ کے بارے میں باتیں کرکے سارہ کو اپنا اور اس کا موازنہ کرنے پر مجبور کردیتیں اور وہ ہمیشہ اپنے تئیں ربیعہ کو خود پر فوقیت دیتی اور اس طرح اس کے سامنے اچھی بہو کے طور پر ہمیشہ ربیعہ کا پلڑا بھاری رہتا کیونکہ زبیدہ نے اس کے سامنے اسے کبھی سراہا ہی نہ تھا، حالانکہ ان سے اپنے لئے تعریف کے دو بول سننے کے لئے وہ خود کو کام میں ہلکان کرلیتی لیکن وہ شاذ و نادر ہی اس کا اعتراف کرتیں اور اگر کبھی کر بھی لیتیں تو بہت سرسری سا، ہاں اگر اس سے کبھی معمولی سی بھی غلطی ہو جاتی تو وہ اس کا احساس پیار پیار سے بار بار جتا کر اسے اچھی طرح کروا دیتیں کہ وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتی۔

☆☆☆

''امی میں ربیعہ بھابھی کو گلاب جامن دے آؤں، وہ کہتی ہیں کہ جب بھی بناؤ تو مجھے ضرور بھجوایا کرو، کیونکہ انہیں میرے ہاتھ کے بنے گلاب جامن بہت پسند ہیں۔'' سارہ زبیدہ خاتون کے کمرے میں کھڑی ان سے ربیعہ کے گھر جانے کی اجازت طلب کر رہی تھی اور ساتھ ہی جانے کی وضاحت بھی کر رہی تھی، آج زبیدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ صبح سے آرام کر رہی تھیں، آج کھانے کے ساتھ میٹھے میں گلاب جامن بناتے ہوئے اسے ربیعہ کے گھر جانے کا خیال آیا، وہ اس وقت بالکل فارغ تھی، بچے دونوں سو رہے تھے، بہت دن ہو گئے تھے وہ ربیعہ سے ملی بھی نہیں تھی اس سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا، وہ ان کے گھر بہت کم جاتی تھی، زبیدہ خاتون ہی آتی جاتی رہتی تھیں، زیادہ تر ربیعہ سے اس کی ملاقات اپنے گھر میں ہی ہوتی اور وہ اکثر شکوہ کرتی کہ میں تم سے ملنے آتی ہوں لیکن تم نہیں آتی، وہ ربیعہ سے متاثر تھی تو ربیعہ بھی اس سے بہت محبت سے ملتی جب بھی ملتی اس کے بنے کھانوں کی تعریف کرتی کیونکہ ان دونوں گھرانوں میں جب بھی کوئی خاص ڈش بنتی تو ایک دوسرے کے گھر ضرور بھجوائی جاتی، اکثر ربیعہ اس سے کہتی کہ اتنی پڑھی لکھی ہونے کے باوجود تم میں ذرا نخرہ نہیں، تم اخلاق کی بہت اچھی، بہت ملنسار ہو وغیرہ وغیرہ اور وہ ربیعہ کے اتنے کھلے دل سے کی گئی تعریف پر حیران ہو جاتی اور پھر یہ سوچ لیتی کہ وہ دل کی بہت اچھی ہے اس لئے اس کی اتنی تعریف کرتی ہے۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے، چلی جاؤ ربیعہ بھی تمہارا کافی دنوں سے پوچھ رہی تھی، میری تو طبیعت ٹھیک نہیں ہے ورنہ میں دے آتی لیکن جلدی آ جانا، بچے اٹھ گئے تو مجھ سے سنبھالے نہیں جائیں گے۔'' زبیدہ نے تھوڑی دیر سوچ کر اسے اجازت دے ہی دی اور وہ تو خوشی سے نہال ہوتے جلدی جلدی اپنے کمرے میں آئی، شیشے میں خود کو دیکھا کپڑے تو صبح ہی نہا کر پہنے تھے اور سوٹ بھی اچھا ہی پہنا ہوا تھا، جلدی سے بالوں میں برش کر کے پرفیوم اسپرے کیا، چہرے پر کریم لگاتی وہ کچن میں آئی، گلاب جامن اس نے پہلے ہی پلیٹ میں نکال کر رکھے ہوئے تھے، پلیٹ اٹھا کر وہ ربیعہ کے گھر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''ربیعہ کوئی کام تو ڈھنگ کا کر لیا کرو، سات سال ہونے کو آئے تمہاری شادی کو لیکن تمہیں ابھی صحیح طرح سے بریانی نہیں بنانی آئی، صبح سے کچن میں گھسی ہوئی ہو، اللہ اللہ کر کے بریانی تو بن گئی لیکن چاول کیسے بیٹھ سے گئے ہیں، ایک زبیدہ کی بہو ہے ایسی بریانی بناتی ہے کہ کھانے میں مزہ آ جائے، ایک ایک چاول علیحدہ نظر آتا ہے، اب یہ زبیدہ کے گھر تو دینے والی نہیں رہی، یہ دے کر شرمندگی تو نہیں اٹھانی۔'' زبیدہ خاتون کی نسبت رانی آنٹی کا لہجہ کرخت تھا۔

''وہ اصل میں امی عین وقت پر نومی دودھ کے لئے کی ضد کرنے لگا تو میں فیڈر بنانے لگ گئی اور اتنی ہی دیر میں چاول زیادہ نرم ہو گئے۔'' چھوٹے بیٹے کا نام لے کر وضاحت کرتی ربیعہ کی شرمندہ آواز ابھری جو لاؤنج کے دروازے کے باہر کھڑی سارہ کو حیرت میں مبتلا کر گئی تھی۔ بیرونی دروازہ کھلا دیکھ کر وہ گھر میں داخل ہو گئی تھی اور اب لاؤنج کے دروازے پر دستک دینے ہی والی تھی کہ رانی آنٹی کی باتیں سن کر وہ تحیر آمیز بے یقینی میں گری سن سی ہو گئی تھی، گھر کے اندر سے اب پھر رانی آنٹی کی آواز آ رہی تھی۔

''بھئی قسمت والوں کو ایسی بہوئیں ملتی ہیں جیسی سارہ ہے، ماشاء اللہ ہر کام میں ماہر ہے، اتنی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی ہے، بات اتنے شائستہ انداز میں کرتی ہے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، کبھی پلٹ کر ساس کو جواب نہیں دیا، گھر کو کتنی خوش اسلوبی سے سنبھالا ہوا ہے، بچوں کے سارے کام بھی خود ہی کرتی ہے میں نے تو کبھی زبیدہ کو بچوں کے کسی کام کو بھی ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا۔'' رانی آنٹی اس کی تعریفوں کے پل باندھنے میں مصروف تھیں۔

''یہ تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں امی، سارہ تو واقعی بے مثال ہے، مجھے تو وہ خود بہت پسند ہے۔'' ان کی باتوں کے جواب میں ربیعہ بولی۔

وہی متاثر ہوتا لہجہ اور محبت بھرے الفاظ جو اس کے ربیعہ کے لئے ہوتے تھے۔

سارہ جو الفاظ اپنی ساس سے سننے کی تمنائی تھی وہ کسی اور کی ساس اس کے لئے کہہ رہی تھیں، شاید یہ وہ بات تھی کہ چیزیں ہوں یا انسان، اپنی دسترس سے دور چیز ہمیشہ اچھی لگتی ہے اور جو دسترس میں ہو وہ کم تر ہی لگتا ہے، بات جو بھی تھی بہر حال اس وقت دروازے پر دستک دیتی سارہ جو پہلے ہمیشہ ربیعہ کو اپنے سے برتر سمجھتی تھی آج اس سوچ میں الجھی ہوئی تھی کہ اچھی بہو وہ ہے یا ربیعہ۔

☆☆☆

منفرد محبت

افشاں شاہد

میں عائشہ سلیم، سلیم انڈسٹریز کے مالک کی اکلوتی بیٹی، میرا شمار دنیا کے ان چند خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے، جنہیں قدرت نے دنیا میں تمام نعمتوں سے نوازا ہے، دولت اتنی ہے کہ شمار نہیں کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ دنیا میں کوئی تو ایسی چیز ہو جسے میں خریدنا چاہوں اور خرید نہ پاؤں شہرت جسے حاصل کرنے کے لئے لوگ سو جتن کرتے ہیں، بچپن سے لے کر جوانی تک میرے لئے کبھی مسئلہ نہیں بنی، اسکول ہو یا کالج یا پھر کوئی محفل ہر کوئی پہلی ہی نظر میں میرا گرویدہ ہو جاتا تھا کوئی میری خوبصورتی کی باتیں کرتا تو کوئی میری ذہانت سے متاثر تھا اور محبت جو دنیا میں سے ناپید ہوتی جا رہی ہے مجھے اتنی محبتیں ملیں کہ دامن کم پڑ گیا، سمیٹنے کے لئے ہمارے خاندان میں ماموں، چچا، خالہ کسی کی بھی بیٹی نہیں تھی اس لئے ہر کوئی مجھ پہ جان چھڑکتا تھا، ممی بابا میرے اتنے ناز نخرے اٹھاتے تھے کہ کبھی کبھی مجھے خود پر رشک آتا تھا جب کبھی بیمار ہو جاتی تو بابا ڈاکٹرز کی لائن لگا دیتے تھے، میری کوئی ایسی فرمائش نہیں جو انہوں نے پوری نہ کی ہو مجھے گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا تو دنیا کا کوئی ایسا ملک یا شہر نہیں جہاں میرے بابا مجھے گھمانے نہ لئے گئے ہوں گاڑی چلانے کا شوق ہوا تو بابا نے مجھے اسپورٹس کار منگوا کے دے دی۔

لیکن میں عائشہ سلیم جس کے پیچھے لڑکے پاگل تھے اور میری ایک التفات کی نظر پانے کے لئے میرے اردگرد چکر لگایا کرتے تھے اور میری تعریفوں میں رطب اللسان رہتے تھے اور اتنی محبت اور توجہ پانے کے بعد میں بھی یہی سمجھنے لگی تھی کہ مجھے کوئی رد کر ہی نہیں سکتا میں جس کی طرف اپنی توجہ کروں گی وہ شخص تو اپنے آپ کو اس کائنات کا خوش قسمت ترین انسان سمجھے گا لیکن ہم خاک سے بنے انسان یہ بھول جاتے ہیں ہم تو فقط کٹھ پتلیاں ہیں اور ہماری ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب چاہتا ہے ہماری ڈور کھینچ کر ہمارا غرور خاک میں ملا دیتا ہے اور ہماری اوقات ہمیں بتا دیتا ہے۔

ارسلان کریم سے میرے دل کی زمین پر محبت کی کونپل پھوٹی لیکن اس سے پہلے کہ وہ تناور درخت میں بدلتی ارسلان کریم نے اسے جڑ سے ہی اکھاڑ دیا اگر ارسلان کریم کا موزانہ میرے ساتھ کیا جائے تو ایسا کچھ بھی اس میں نہیں تھا جو اسے مجھ سے اعلیٰ و برتر ثابت کرتا ارسلان کریم جو ایک مڈل کلاس فیملی سے وہ تعلق رکھتا تھا، نہ ہی وہ میرے جتنا خوبصورت تھا نہ ہی کوئی ایکسٹرا ذہانت کا مالک، ہاں مگر پرکشش تھا اور اس کی آنکھیں اتنی گہری تھیں کہ ان میں ڈوب جانے کو دل کرتا تھا لیکن اگر اس میں یہ خصوصیات نہ بھی ہوتی تو بھی مجھے اس سے محبت ہو جاتی کہ محبت ان تمام چیزوں سے ماورا ہے محبت جب کسی پر مہربان ہوتی ہے تو اسے پوری طرح اپنے بس میں کر لیتی ہے، پھر اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا وہی دکھتا ہے جو محبت اسے دکھاتی ہے وہی سنتا ہے جو محبت اسے سناتی ہے، پہلی ہی نظر میں، میں ارسلان کریم کو اپنا دل دے بیٹھی تھی لیکن ارسلان کریم مجھے کبھی غور سے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا

میں نے جان بوجھ کر ان تمام لوگوں سے دوستی کی جو ارسلان کریم کے قریب تھے، میری دوست شرمین مجھے سمجھاتی، جب وہ تمہیں اگنور کرتا ہے تو تم کیوں اسے اتنی اہمیت دیتی ہو ایسا کیا خاص ہے اس میں اور میں اس سے کچھ کہہ نہیں پاتی تھی میں اس سے کیا کہتی کہ، کہ ارسلان کریم میں کچھ بھی خاص نہیں لیکن اس کی محبت جو خوشبو بن کر میری سانسوں میں سما گئی ہے وہ اسے خاص بنا دیتی ہے وہ سامنے آتا ہے تو مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا ارد گرد سے میں بیگانہ ہو جاتی ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ صرف ارسلان کریم ہی حقیقت ہے باقی سب مایا ہے، میں کسی کو اپنی کیفیت کے بارے میں سمجھا ہی نہیں سکتی تھی کہ محبت کوئی تحریر تھوڑی ہے جو کاغذ پر رقم کر دی جائے یہ تو ایک جذبہ ہے جس کو محسوس کیا جاتا ہے، جس طرح خوشبو کو محسوس کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں جس طرح ارسلان کریم بن رہا تھا ایک دن کالج میں Rose day Celbrate کیا جا رہا تھا ہر کوئی پھولوں کو زبان دے کر اپنی دل کی بات بتا رہا تھا میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ آج میں ضرور ارسلان کریم کو اپنے دل کی بات بتاؤں گی میں نے اپنی انا اور Selfrespect کو محبت کے ہاتھوں مات دے دی اور طے کر لیا کہ آج تو میں اپنے دل کی بات ارسلان کریم سے کہہ کر رہوں گی۔

• آج زندگی میں پہلی بار مجھے ڈر لگ رہا تھا اور آج مجھے پتہ چلا کہ لوگ Result Day پر کیوں اتنے ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر میری تو زندگی کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا میں پورا راستہ یہ دعا کرتی رہی کہ مجھے ارسلان کریم سے اکیلے میں بات کرنے کا موقع مل جائے، صحیح کہتے ہیں لوگ جو دعائیں دل سے

مانگی جاتیں ہیں انہیں قبولیت کی سند مل ہی جاتی ہے، مجھے بھی ارسلان کریم سے اکیلے میں بات کرنے کا موقع مل گیا۔

وہ بائیک پارک کر کے واپس جارہا تھا مجھے دیکھ کر بھی اس نے اول روز کی طرح مجھے اگنور کیا اور آگے بڑھ گیا، میں نے اسے پکارا اور وہ میری پکار پر پلٹا آج میں شاید اتنی خوبصورت لگ رہی تھی وہ مجھ پر سے اپنی نگاہ نہ ہٹا سکا لیکن کچھ ہی لمحے میں وہ نارمل ہو گیا، میں نے اسے ایک بہت ہی خوبصورت سرخ گلابوں کا بوکے پیش کیا لیکن اسے لینے سے ارسلان کریم نے انکار کر دیا۔

''یہ کس لئے ہیں؟''

''میں تم سے محبت کرتی ہوں۔''

''لیکن میں نہیں کرتا۔''

''کیوں؟''

اس پل مجھے لگا کہ میرے دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہے، لیکن پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری کیونکہ میں یہ بازی ہارنا نہیں چاہتی تھی، میں جیتنا چاہتی تھی کسی بھی قیمت پر، کیونکہ میں اگر ارسلان کریم کی محبت کھو دیتی تو میں اپنی زندگی ہار دیتی، اب میں اپنی زندگی کے لئے لڑ رہی تھی۔

''ارسلان کریم مجھے بتاؤ مجھ میں کیا کمی ہے؟''

''یہ مجھے نہیں پتہ۔ بس میں تم سے محبت نہیں کرتا، مجھے تم جیسی لڑکیاں پسند نہیں، لڑکیوں کو بند کلی جیسا ہونا چاہیے کہ چھوتے ہوئے بھی ڈر لگے نہ کہ کھلتے ہوئے پھول کی طرح جسے ہر کوئی توڑ کر اپنے کوٹ کی زینت بنالے۔''

''ارسلان کریم میں بدل جاؤں گی، میں ویسی بن جاؤں گی جیسا تم کہو گے، لیکن پلیز میری محبت کو قبول کر لو، میں ساری زندگی تم سے کسی بات کا تقاضہ نہیں کروں گی، مجھے اپنا لو پلیز ارسلان کریم۔''

لیکن ارسلان کریم نے میری محبت کا مان نہیں رکھا وہ میرے ارمانوں کو اپنے پیروں تلے روندتا ہوا چلا گیا، میری حالت اس وقت ایسے جواری کی سی تھی جس نے زندگی کی بازی کھیلی ہو اور شکست اس کا مقدر بن گئی ہو، مجھے نہیں معلوم میں گھر کس طرح پہنچی، مجھے بہت گہرا صدمہ ہوا میں بہت بیمار ہو گئی، کالج جانا بھی چھوڑ دیا، امی بابا بہت پریشان ہوئے بابا نے مجھ سے کرید کرید کر میری حالت کا پوچھا، لیکن میں نے کسی کو بھی کچھ نہیں بتایا کیونکہ میں اپنی محبت کو رسوا نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن میں تھک گئی تھی اس درد کو سہتے سہتے، جب انسان ہار جاتا ہے تھک جاتا ہے تو وہ کسی ایسے سہارے کو ڈھونڈتا ہے جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ اپنے تمام آنسو بہا سکے اور وہ سہارا اس کے سارے آنسو اپنے اندر جذب کر لے اور ہمارے اندر جینے کی ایک نئی امید پیدا کر دے میں نے بھی ایسا سہارا تلاش کرنا شروع کیا لیکن مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی نہ دیا جس کے سامنے میں اپنا درد بیان کر سکوں، پھر اچانک مجھے یاد آیا کہ جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی میرے پاس ایک بہت ہی پیاری بلی ''کرسٹی'' ہوا کرتی تھی میں اس سے بہت پیار کرتی تھی ایک دن اچانک وہ مر گئی کرسٹی کے جانے کے بعد میں اتنی اداس ہو گئی کہ میں نے کھانا پینا چھوڑ دیا، اس کی جدائی میں تو میری نانو نے مجھے سمجھایا۔

''بیٹا اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سے دس گناہ زیادہ اچھی چیز ہمیں عطا کرتے ہیں، بس ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے۔''

اور پھر ایسا ہی ہوا مجھے بابا نے اس سے بھی کہیں زیادہ اچھی Fluffy cat دلا دی اور نانو نے مجھے بتایا کہ ہم جو بات کسی کو نہیں بتا سکتے وہ

اپنے رب سے کرتے ہیں، کیونکہ ایک وہ ہی ہماری بات سنتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے، پھر مجھے وہ سہارا مل گیا جس کے سامنے ہم اپنا دل کھول کر رکھ سکتے ہیں جو ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دیتا ہے ہمیں زمانے کے سامنے رسوا نہیں کرتا، میں نے نماز فجر ادا کی اور رو رو کر اپنے رب کو پکارا۔

''اے خدا! میں تھک گئی ہوں، میں ٹوٹنے لگی ہوں تو مجھے سنبھال لے میں بکھر جاؤں گی ریزہ ریزہ ہو جاؤں گی تو مجھے سمیٹ لے کہ بے شک تو ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے۔''

اور پھر نئے دن کا طلوع ہونے والا سورج میری زندگی میں ایک نئی تبدیلی لے آیا، خدا نے میری پکار سن لی تھی ایک محبت کو مجھ سے دور کیا گیا تو بدلے میں مجھے وہ محبت عطا کر دی گئی جس کو کبھی زوال نہیں آتا جس میں اضطراب نہیں ہوتا، کھونے کا ڈر نہیں ہوتا اور یہ محبت انسان کو کمزور کرتی ہے کہ بجائے وہ قوت عطا کرتی ہے جس کے ذریعے انسان عرش اور فرش کے درمیان میں موجود چیزوں کو بھی دیکھ سکتا ہے، مجھے بھی وہ محبت عطا کر دی گئی تھی، اب ایک نئی عائشہ نے جنم لیا جو عاجزی وانکساری کا پیکر تھی، میں نے حجاب کرنا شروع کر دیا اور ہر چیز چھوڑ دی جو اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے میں نے قرآن کی تفسیر پڑھی اور خدا نے مجھ ناچیز پر ایک اور احسان کیا کہ میرے سینہ کو اتنا کشادہ کر دیا کہ میں نے یہ مقدس کتاب حفظ کر لی، زندگی گزر رہی تھی اب ماضی کی کوئی بات مجھے یاد نہیں تھی، ارسلان کریم بھی نہیں کہ اچانک میری ملاقات ایک تقریب میں ارسلان کریم سے ہوئی اس نے مجھے خود پکارا، اپنا نام جس کے لبوں سے سننے کے لئے میں ترستی تھی آج مجھے وہ خود پکار رہا تھا۔

''کیسی ہو عائشہ سلیم؟''

''میں ٹھیک ہوں۔''

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' اور پھر وہ انسان آج میرے سامنے اعتراف کر رہا تھا کہ اسے بھی مجھ سے محبت ہو گئی ہے، وہ مجھے اپنی بے قراریاں بتا رہا تھا، مجھے اپنی عشق کی داستان سنا رہا تھا لیکن اب ارسلان کریم کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، توجہ بھی نہیں، محبت تو دور کی بات تھی، کیونکہ میں نے اس محبت کو پالیا تھا کہ پھر کسی محبت کو پانے کی آرزو ہی نہیں رہتی اور میں نے ارسلان کریم کو منع کر دیا، آج وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

''کیوں تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتی، کیوں میری زندگی کا حصہ نہیں بن سکتی، کیا اب تم مجھ سے محبت نہیں کرتی؟''

''نہیں ارسلان کریم اب میری محبت کا مرکز کوئی اور ہے تم نہیں۔'' یہ کہہ کر میں آسودگی سے مسکرائی۔

''کون ہے وہ؟ جس سے تم اب محبت کرتی ہو؟'' یہ کہتے ہوئے ارسلان کریم کے لہجے میں عجیب سی بے قراری تھی۔

''خدا سے۔'' اور یہ کہہ کر میں لوٹ آئی اس محبت کے پاس جو بے لوث ہے، جس میں کوئی کھوٹ نہیں جو دھتکارتا نہیں ہے جو ہمارے ایک آنسو کو بھی ضائع نہیں ہونے دیتا، جس کی طرف ہم ایک قدم بڑھاتے ہیں تو ہمیں گلے سے لگا لیتا ہے ایسی محبت کو پا کر پھر دل میں کسی کی محبت کے ٹکنے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے صحیح کہا نہ میں نے؟

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص (سعد بن عبادہ) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔

''میری ماں اچانک ہی مر گئی اور میں سمجھتا ہوں، اگر وہ بات کرتی تو کچھ خیرات کرتی، اب اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں تو اس کو کچھ ثواب ملے گا؟''

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں......''

سارا حیدر، ساہیوال

روشن حرف وہ سارے

☆ اخلاق کا اچھا ہونا قرب الٰہی کی دلیل ہے، جس میں دریا جیسی سخاوت، آسمان جیسی وسعت اور زمین جیسی تواضع ہو۔

☆ رشتوں اور انسانوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مخلص اور پر خلوص ہوں۔

☆ دشمن کی تنقید کا چراغ لے کر اپنی منزل کا راستہ تلاش کرو۔

☆ بددعا کبھی زبان سے نہیں دی جاتی، بلکہ دکھا ہوا دل خود ایک بڑی بددعا کی گزرگاہ بن جاتا ہے۔

☆ جن سے ہم محبت کرتے ہیں انہیں کبھی بھلا نہیں سکتے اور جن سے نفرت کرتے ہیں وہ تو بالکل ناقابل فراموش ہوتے ہیں۔

☆ دوست کبھی نہیں بچھڑتے، جو چلے گئے وہ یادوں میں زندہ رہتے ہیں۔

☆ زندگی ایک بڑی نعمت ہے، اگر اس میں کبھی غم آئے تو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے، کیونکہ یہ زندہ لوگوں کی پہچان ہے۔

☆ زندگی ایک سمندر ہے، جس میں بڑی بڑی لہریں اٹھتی ہیں، جو ان لہروں پر تیرنا سیکھ لے وہ کامیاب وکامران ٹھہرا۔

ساجدہ احمد، ملتان

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ دیکھو، اہل بہشت میں سے ایک شخص دروازے کے اندر آرہا ہے۔'' لوگوں نے دیکھا تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ داخل ہو رہے تھے، ان سے پوچھا گیا۔

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آپ کے لئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں تو وہ کون سا عمل ہے جس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کہا۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''یہ عمل کوئی لمبا چوڑا عمل نہیں، بلکہ مختصر سی بات ہے اور وہ یہ کہ جس چیز سے میرا تعلق نہ ہو میں اس کی ٹوہ میں نہیں رہتا اور نہ لوگوں کی بدخواہی کا خیال کبھی دل میں لاتا ہوں۔''

صفہ خورشید، لاہور

سلطان کا انصاف

تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ سلطان کا لقب

پانے والے سلطان محمد غزنوی کو ایشیائی فاتحین میں بلند مقام حاصل ہے، وہ ایک منصف اور بے دار مغز حکمران تھا، ایک مرتبہ دربار میں رعایا کے ایک فرد نے دہائی دی کہ۔

''اے سلطان تیری فوج کے ایک ترک سپاہی نے میرے خاندان کی بے حرمتی کر کے ہمیں گھر سے نکال دیا ہے اور گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔'' سلطان اپنی تلوار بے نیام کر کے اس شخص کے ساتھ ہولیا، گھر میں داخل ہونے سے قبل اس نے تمام شمعیں گل کرنے کا حکم دیا اور مجرم کو تاریکی میں ہی ختم کر دیا، شمعیں روشن ہوئیں تو وہ سجدے میں گر گیا اور پھر فریادی سے یوں گویا ہوا۔

''جب تم نے مجھ سے اپنا گھر لٹنے کی فریاد کی تو میرے دل میں یہ خیال تقویت پکڑ گیا کہ کہیں میرا اپنا بیٹا ہی اس فعل کا ذمے دار نہ ہو، کیونکہ میری فوج کے کسی سپاہی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی، میں نے شمعیں گل کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ میرا انصاف اندھا اور بے رحم ہو اور میں سجدہ ریز اس لئے ہوا کہ وہ میرا بیٹا نہیں تھا۔''

عابدہ حیدر، بہاول نگر

علم

☆ علم نفع حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے تو دل میں گھر نہیں کرتا۔ (حضرت امام ابو حنیفہؒ)

☆ جو علم کا طالب ہے اس کے دل میں علم کی قدر اور سکون قلب کا ہونا ضروری ہے۔ (حضرت امام مالکؒ)

☆ علم ایک حقیقت ہے اور جہل عدم علم۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

☆ علم دل کو ایسے سیراب کرتا ہے جیسے بارش خشک زمین کو۔ (حکیم لقمان)

☆ علم اگر سینوں میں بند ہو جائے تو تباہ ہو جاتا ہے۔ (البیرونی)

☆ طلب علم سے شرم مناسب نہیں، کیونکہ جہالت زیادہ باعث شرم ہے۔ (افلاطون)

☆ علم کو روٹی کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ، علم اپنا آپ صلہ ہے۔ (اقلیدس)

☆ علم سکون کا باعث ہے اور دولت سکون کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ (ارسطو)

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

مینارہ نور

حضرت عبداللہ جلاد نے اپنے والدین کی خدمت میں اس خواہش کا اظہار کیا۔

''مجھے صرف اللہ کے کام پر وقف کر دو اور میرے متعلق اپنی غرض سے درگزر فرماؤ۔'' انہوں نے اس خواہش کو قبول کیا اور آپ خدمت خلق میں مصروف ہو گئے، کافی مدت کے بعد گھر لوٹے اور دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی۔

''کون ہے؟''

''کہا...... آپ کا بیٹا ہے۔'' جواب ملا۔

''ہمارا ایک فرزند تھا، جسے ہم نے اللہ کی راہ میں روانہ کر دیا، ہم جس چیز کو بخش دیں، واپس نہیں لیتے۔''

فرینہ اسلم، میاں چنوں

جنگل

عورت کا دل ایک گھنے جنگل کی مانند ہوتا ہے، جس کے اردگرد کانٹوں کی باڑھ لگی ہوتی ہے، جہاں اجنبیوں کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے، لیکن اگر چھپتے چھپاتے، بچتے بچاتے کوئی اندر گھس بھی جائے تو وہ ساری زندگی کے لئے وہاں مقید ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر وہ وہاں مر بھی جائے تو اس کی قبر اسی جنگل میں بنتی ہے اور اس پر ہر روز آنسوؤں کے پھول چڑھائے جاتے ہیں۔

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

سنہرے حرف

☆ ہر شخص اپنے عمل کے بدلے گروی ہے۔
☆ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں، لڑکیوں اور مسلمان عورتوں سے کہو، اپنی چادر اپنے اوپر اوڑھ لیا کرو، یہ اس سے بہتر ہے کہ پہچانی جائیں۔
☆ نعمت کا ملنا آزمائش ہے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔
☆ جب ہم آدمی پر اپنا فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور ہم سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔
☆ جس قوم کا مزاج جیسا ہوتا ہے ویسا ہی اس پر حکمران مسلط کیا جاتا ہے۔
☆ حکمرانوں کے سوا کون ہے جو اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہو۔
☆ انسان کا مقدر اس کے ہاتھوں کی لکیروں میں نہیں اس کے ہاتھوں کی طاقت میں ہے۔
☆ اچھی بات چاہے جس نے بھی کہی ہو، اسے غور سے سنو، کیونکہ غوطہ خور کی کمتری سے گوہر کی قیمت میں فرق نہیں آجاتا۔
☆ مصائب سے مت گھبراؤ، کیونکہ ستارے اندھیرے میں چمکتے ہیں۔
☆ انسان ہو کر ایسا کام مت کرو، جس سے انسانیت کا دامن داغ دار ہو۔

راحیلہ فیصل، سرگودھا

خواہش

کوئی چھاؤں ہو
جسے چھاؤں کہنے میں
دوپہر کا گماں نہ ہو
کوئی شام ہو
جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشان نہ ہو
کوئی وصل ہو
جسے وصل کہنے میں ہجر رت کا دھواں نہ ہو
کوئی لفظ ہو
جسے لکھنے پڑھنے کی چاہ میں
کبھی ایک لمحہ گراں نہ ہو
یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں
کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں
وہیں آرزو بے اماں نہ ہو
وہیں موسم غم جاں نہ ہو

آمنہ خان، راولپنڈی

بتدریج

''احسن یار! مجھے ایک سگریٹ دو۔'' زیب نے کہا۔
''زیب! مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم نے سگریٹ نوشی ترک کر دی ہے؟''
''ہاں مگر میں ابھی پہلے مرحلے میں ہوں۔'' زیب نے بتایا۔
''کیا مطلب؟'' احسن نے پوچھا۔
''میں نے سگریٹ خریدنی چھوڑی ہے۔'' زیب نے کہا۔

صابرہ سلطانہ، کراچی

مستنصر حسین تارڑ کی چھوٹی سی بات

☆ خاموشی ایک ایسا دروازہ ہے کہ جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی۔
☆ زندگی کی شاہراہ ون وے ہے، آپ جا سکتے ہیں آ نہیں سکتے۔
☆ زندگی کی گاڑی میں فالتو ٹائر نہیں ہوتا، جہاں پنکچر ہو گئی وہیں ختم۔
☆ زندگی کے رنگ محل میں اگر محبت کا رنگ نہ ہو تو وہ ویران رہتا ہے۔
☆ مسکراہٹ واحد لباس ہے جو ہمیشہ فیشن میں رہتا ہے۔

☆☆☆

فریحہ گیلانی: کی ڈائری سے ایک غزل

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
دل لے کر مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
دیکھا ہے بت کدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا
افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا
ہوش و حواس تاب و تواں داغ کھو چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

صوبیہ توحید: کی ڈائری سے ایک غزل

رات کی زلفیں برہم برہم
درد کی لو ہے مدھم مدھم
میرے قصے گلیوں گلیوں
تیرا چرچا عالم عالم
پتھر پتھر عشق کی راتیں
حسن کی باتیں ریشم ریشم
اک جزا ہے جنت جنت
اک خطا ہے آدم آدم
اک عذاب ہے بستی بستی
اک صدا ہے ماتم ماتم
ساری لاشیں ٹکڑے ٹکڑے
ساری آنکھیں پرنم پرنم
ہجر کے لمحے زخمی زخمی
اس کی یادیں مرہم مرہم
محسن ہم اخبار میں گم ہیں

صفحہ صفحہ کالم کالم

سارا حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

اے ستارہ شب زندگی
وہی شام، گہری شام پھر
ترے نام ہو تو غزل کہیں
وہی شام، جس کی رگوں میں تھے
تری خواب آنکھوں کے رت جگے
وہی صبح، دھوپ کی لالی
ترے عارضوں پر کھلے تو پھر
رگ جاں سے نظم کشید ہو
وہی ساعتوں کا جلوس ہو
وہی رنگ ہو وہی روشنی
وہی خوشبوؤں کا ہجوم ہو
وہی اک پل تیری دید کا
جو ملے تو اشک دمک اٹھیں
جو بجھے تو داغ چمک اٹھیں
وہی اک پل تیری دید کا
جو ملے تو درد کی اوٹ میں
کبھی قہقہے سے چھلک پڑیں
سر لوح شام فراق پھر
غم عشق موج نوید ہو
اے ستارہ شب زندگی

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

اب تک وہی خواب ہیں وہی میں
وہی میرے گلاب ہیں وہی میں
آنکھوں میں وہی ستارہ آنکھیں
وہی دل میں گلاب ہیں وہی میں

یہ جسم کہ جاں کی تشنگی ہے
وہی تازہ سراب ہیں وہی میں
کہتی ہے زباں خموشیوں کی
وہی درد کے باب ہیں وہی میں
پڑھتے ہوئے جن کو عمر گزری
وہی چہرے کتاب ہیں وہی میں
لکھے ہوئے جن کو جان جائے
وہی حرف نصاب ہیں، وہی میں
وہی رنجشیں اپنے دوستوں سے
وہی دل کے حساب ہیں وہی میں
آتے ہیں مگر نہیں برستے
وہی تشنہ سحاب ہیں وہی میں
دنیا کے سوال اور دنیا
وہی میرے جواب ہیں وہی میں

صفہ خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم

دیکھنے میں جو آنکھیں میلی لگتی ہیں
تیز اجالے ان کے اندر ہوتے ہیں
ان کے من میں کئی سمندر رہوتے ہیں
روشنیوں کے دریا جن میں گرتے ہیں
دیکھنے میں جو آنکھیں بھیگی بھیگی ہیں
ان کی تہہ میں کئی طوفان ہوتے ہیں
ان کے پیچھے خشک بیاباں ہوتے ہیں
جن میں دن بھر ریت کے بالد اڑتے ہیں
ٹوٹے دل کب جڑتے ہیں
دیکھنے میں جو آنکھیں سہمی سہمی ہیں
ان کے اندر خواب امڈتے رہتے ہیں
بپھر بپھر کے گہرے دریا بہتے ہیں
جن کے کناروں پر خواہش دکھ جنتی ہے
یوں کب قسمت بنتی ہے

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

کسی سے میری منزل کا پتہ پایا نہیں جاتا
جہاں میں ہوں فرشتوں سے وہاں جایا نہیں جاتا
مرے ٹوٹے ہوئے پائے طلب کا احسان مجھ پر ہے
تمہارے در سے اٹھ کر اب کہیں جایا نہیں جاتا
چمن تم سے عبارت ہے بہاریں تم سے زندہ ہیں
تمہارے سامنے پھولوں سے مرجھایا نہیں جاتا
ہر اک داغ تمنا کو کلیجے سے لگاتا ہوں
کہ گھر آئی ہوئی دولت کو ٹھکرایا نہیں جاتا
محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم

کبھی یوں بھی تو ہو
دریا کا ساحل ہو پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ
پریوں کی محفل ہو کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو
یہ نرم ملائم ٹھنڈی ہوائیں جب گھر سے تمہارے
گزریں تمہاری خوشبو چرائیں میرے گھر لے
آئیں
کبھی یوں بھی تو ہو
سونی ہر منزل ہو کوئی نہ میرے ساتھ ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو
تنہائی ہو دل ہو
بوندیں ہوں برسات ہو
اور تم ہو

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک غزل

ہم ہیں متاعِ کوچہ و بازار کی طرح
اٹھتی ہے ہر نگاہ خریدار کی طرح
اس کوئے تشنگی میں بہت ہے اک جام
ہاتھ آ گیا دولت بیداد کی طرح
وہ تو ہیں کہیں اور مگر دل کے آس پاس
پھرتی ہے کوئی شے ہی نگاہ یار کی طرح

اک جا کے کچھ کھلا ہنر ناخن جنوں
زخم جگر ہوئے لب و رخسار کی طرح
مجروح لکھ رہے ہیں وہ اہل وفا کے نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

مہجبین آفریدی: کی ڈائری سے ایک غزل

آگہی میں اک خلا موجود ہے
اس کا مطلب ہے خدا موجود ہے
ہے یقیناً کچھ مگر واضح نہیں
آپ کی آنکھوں میں کیا موجود ہے
بانکپن میں اور کوئی شے نہیں
سادگی کی انتہا موجود ہے
ہے مکمل بادشاہی کی دلیل
گھر میں گر اک بوریا موجود ہے
شوقیہ کوئی نہیں ہوتا غلط
اس میں کچھ تیری رضا موجود ہے
اس لئے تنہا ہوں میں گرم سفر
قافلے میں رہنما موجود ہے
ہر محبت کی بنا ہے چاشنی
ہر لگن میں مدعا موجود ہے
ہر جگہ ہر شہر ہر اقلیم میں
دھوم ہے اس کی جو نا موجود ہے
جس میں چھپنا چاہتا ہوں میں عدم
وہ ستم گر جا بجا موجود ہے

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

یہ کیسا خلا ہے
جو خوابوں کے رستے مری روح میں آ گیا ہے
میں جس پھول بن میں
ہری گھاس پر تتلیاں چن رہی تھی
وہ فرش گیہ میرے قدموں سے کیسے جدا ہو گیا
میں جس آسماں کے
ستاروں میں اپنا ستارہ الگ کر رہی تھی
وہ تاروں بھری چھت مرے سر سے کیوں ہٹ گئی

زمیں پر ہوں اور نہ میں زیر فلک
نہ دھڑکا ہے دل کو نہ کوئی کسک
ترے ساتھ ہوں اور نہ تیرے بغیر
جیسے جا رہی ہوں میں اپنے بغیر

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک غزل

کیا خبر جسم ہوں کہ جاں ہوں میں
ہوں مگر کچھ نہ کچھ جہاں ہوں میں
رات کی رات ہی یہاں ہوں میں
اور پھر حرف داستاں ہوں میں
اس قدر تم قریب مت آنا
بجھتے شعلوں کا اک دھواں ہوں میں
اب مرا راستہ نہ دیکھنا تم
اب فقط گرد کارواں ہوں میں
یاد آؤں تو یاد کر لینا
گزرے لمحوں کی داستاں ہوں میں
راستوں کی اداسیاں تسلیم
سلسلہ ہائے کارواں ہوں میں
یوں ہے وہ خواب سا اب آنکھوں میں
جیسے بے چہرہ سا یہاں ہوں میں
ذرہ خاک ہوں زمیں کے لئے
آسمانوں می آسماں ہوں میں
گل ہوئے جا رہے ہیں سارے چراغ
کن اندھیروں کے درمیاں ہوں میں
ذرہ ذرہ ہے گوش بر آواز
اے مرے ہم سفر کہاں ہوں میں

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک غزل

نہ تھا پہلے سے وہ بدلا ہوا کیا
کہا کیا میں نے اور اس نے سنا کیا
تھی اپنی خوش گمانی ورنہ اس سے
تعلق ہی نہیں تھا ٹوٹا کیا

☆☆☆

جوناکی عین غین

عین غین

سائرہ حیدر ---- ساہیوال

س: عین غین جی بہار آ گئی ہے آپ کو کون سے پھول پسند ہیں؟

ج: بہار آ گئی ہے تو کہاں بھی؟

س: عین غین جی آپ بھی حد کرتے ہیں میں موسم بہار کی بات کر رہی ہوں جس میں پھول کھلتے ہیں آپ کے لئے لے کر آئی بھلا؟

ج: او...... اچھا موسم بہار، کیا لے آئی ہو۔

ساجدہ واحد ---- ملتان

س: عمیر الله ''ذہین'' شاندار یہ سب وہ خوبیاں ہیں جو آپ میں بالکل بھی نہیں، آخر کیوں؟

ج: یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ میرا تو ابھی آپ سے واسطہ نہیں پڑا، آپ پہلے ہی۔

س: کتنا آسان کرنا مشکل محسوس کرنے میں خوبصورت سنبھالنے میں دشوار ''ذرا جلدی سے بتایئے ناں'' ڈیئر برادر بھلا کیا؟

ج: کسی کی بچی تعریف جو تم سے بالکل نہیں ہوتا۔

س: انسان بہترین دوست کی تلاش میں رہتا ہے لیکن وہ خود کیوں نہیں بہترین دوست بنتا؟

ج: اس لئے کہ وہ دوسروں کی خامیاں نظر انداز نہیں کر سکتا۔

صفہ خورشید ---- لاہور

س: سنا ہے کوئی عین غین نامی پرندہ آج کل پنجرے کی قید میں گرفتار ہے؟

ج: آپ نے غلط سنا وہ ابھی آزاد ہے۔

س: ایک اگلے الیکشن میں کھڑے ہونے کا ارادہ ہے شناختی نشان بھی بتانا مہر لگا دوں گی؟

ج: الیکشن ہوگا تو نشان بھی بتا دوں گا۔

س: اتنی دیر تک راتوں کو تارے کیوں گنتے ہو، سو جایا کرو پتہ ہے نا اتنی رات تک ''کون'' جاگتا ہے؟

ج: عاشق۔

س: سارے بد دماغ لوگوں کو آخر یہ صاحبزادہ گلوکار عاطف اسلم اتنا اتنا پسند کیوں ہے سنا ہے کہ اس بے چارے کی آواز بڑی درد بھری ہے تو ہمارے کانوں کو اذیت کیوں دیتا ہے؟

ج: اب پتہ چلا کہ وہ تمہیں کیوں پسند ہے۔

س: فرض کریں اور ''فرض'' ضرور کریں کہ اگر آپ محترم کو ایک دن کے لئے ''حنا'' کی مکمل اجارا داری دے دی جائے تو کسے رکھیں گے؟

ج: میں ایسا فرض ہی کیوں کروں۔

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

س: دھوپ میں بارش ہو تو؟

ج: حافظ آباد میں کسی کی شادی ہوتی ہے۔

س: بچھڑ کے اس سے کیا کریں گے؟

ج: فکر نہ کرو بچھڑو گے بھی تو یہی کرو گے۔

س: عین غین کبھی تو آؤ کہ ہم منتظر ہیں کیا خیال ہے؟

ج: خیال تو اچھا ہے لیکن یہ آنا صرف خیال ہی

س: لوگ دوسروں پر تو تہمت لگاتے ہیں مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے؟

ج: گریبان میں جھانکتے کیسے گردن جھکانی پڑتی ہے۔

س: ہمارے معاشرے میں منافقت کا دور دورہ کیوں ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتوں پر غور نہیں کرتے۔

س: کچھ پیاروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ ان کے بغیر جی نہیں سکیں گے لیکن جیتے ہیں؟

ج: اس دنیا کا یہی چلن ہے۔

عزہ فیصل ---- قصور

س: خوبصورت اور خوب سیرت میں کیا فرق ہے؟

ج: جو صورت اور سیرت میں ہے۔

س: لوگ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں مگر ان کے چہرے سے جھوٹ عیاں ہو رہا ہوتا ہے؟

ج: ایسے لوگ بڑے ہی فنکار ہیں۔

س: میں نے چند لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی؟

ج: میرے خیال میں اکثر ہی کہتے ہیں۔

نورانور ---- فیصل آباد

س: ہر شخص اپنے آپ کو ایماندار کہتا ہے، مگر بے ایمانی روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

ج: ایمان دار بننے کی وجہ سے۔

س: پنچھی اور پردیسی پر لوگ اعتبار کیوں نہیں کرتے؟

ج: دونوں ہی دھوکہ دے جاتے ہیں۔

س: ہم سے بھی کوئی بات کر ہم ہیں تیرے ہم سفر؟

ج: تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے، میں عین غین ہوں۔

س: تمہیں شکوہ ہے ہونٹوں پہ مرے نغمہ نہیں کھلتا؟

ج: زیادہ ریاض کی ضرورت ہے۔

فاریہ سلیم ---- شرقپور

س: وہ جو صرف میرا تھا وہ نہیں رہا میرا؟

ج: قصور کس کا ہے تمہیں ضرور پتہ ہوگا۔

س: ہم نے تو غیر تجھ سے شکایت کبھی نہ کی؟

ج: میں نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔

س: محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو؟

ج: جس تن لگیاں وہی تن جانے۔

س: بہاریں چارسو بھی ہوں میرے دل کا پھول نہیں کھلتا۔

ج: انسان کو اتنا ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

سارا حیدر ---- ساہیوال

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟

ج: تم کیا کر رہی ہو۔

س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟

ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔

س: اب بتا بھی دیں؟

ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔

س: آپ عیدالاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟

ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔

س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔

ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔

س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟

ج: میں خود آجاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

کتا کیوں کاٹتا ہے

ہمارے سرکار اس قسم کے آدمی نہیں، آج کل بہت پریشان اور چڑچڑے ہو رہے ہیں، یہ تو سب دیکھتے ہی کہ باؤلا کتا ہر ایک کو کاٹتا پھرتا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی مرضی سے باؤلا تھوڑا ہی ہوا ہے، آپ نے خود دو، چار فقروں سے اندازہ کر لیا ہوگا کہ سرکار نے کیسی شگفتہ اور موزوں طبیعت پائی ہے، تین برس پہلے تک شعر کہتے تھے، شام کو تھانے میں شاعروں کا ایسا اژدھام ہوتا کہ بعض اوقات حوالات میں کرسیاں ڈلوانی پڑتی تھیں۔

ایک شام بلکہ رات کا ذکر ہے، گھمسان کا مشاعرہ ہو رہا تھا، سرکار ترنم سے تازہ غزل پڑھ رہے تھے، سارا عملہ داد دینے میں جتا ہوا تھا، مقطع پر پہنچے تو سنتری زردار خان نے تھری ناٹ تھری رائفل چلا دی، حاضرین سمجھے کہ شاید قبائلی طریقے سے داد دے رہا ہے مگر جب وہ واویلا مچانے لگا تو معلوم ہوا کہ دوران غزل جب مشاعرہ اپنے شباب پر پہنچا تو ڈکیتی کیس میں ماخوذ ایک ملزم جو حوالات کا جنگلا بجا بجا کر داد دے رہا تھا، بھاگ گیا، شاعروں نے اس کا تعاقب کیا، مگر وہ اسے کیا پکڑ لاتے خود بھی نہیں لوٹے، اللہ جانے پولیس کانسٹبلان نے پکڑنے میں تساہلی برتی یا ملزم نے پکڑائی نہیں دی، مگر سرکار نے ہمت نہیں ہاری، راتوں رات اسی نام کے ایک چھٹے ہوئے بدمعاش کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا، کاغذات میں مفرور ملزم کی ولدیت بدل دی، مگر اس کے بعد شعر نہیں کہا۔

تین برس سے سرکار کی ترقی اور شعر کی آمد بند ہے عدم صاحب سے یاری ہے، پچھلے برس اپنے معصوم بچوں کے حلق پر چھری پھیر کر حکام بالا کو ڈیڑھ لاکھ کی نذر گزاری تو لائن حاضری سے چھٹکارا ملا اور اس تھانے میں تعیناتی ہوئی، اب سرکار کوئی ولی اللہ تو ہیں نہیں کہ سلام پھیر کر جائے نماز کا کونا الٹ کر دیکھیں تو ڈیڑھ لاکھ کے نوٹ از غیبی دھرے ملیں، دودھ تو آخر تھنوں ہی سے نکالنا پڑتا ہے، بھینس دستیاب نہ ہو تو کبھی کبھی چوہیا کو پکڑ کے دوہنا پڑتا ہے۔

حنا شاہین، حیدر آباد

بے چارگی

ایک آرٹسٹ حقیقت پسندانہ مصوری کرتے تھے، تجریدی تصویریں نہیں بناتے تھے، لیکن ان کے ایک شناسا نے بہت اصرار کیا کہ وہ ان کی تجریدی پورٹریٹ بنا دیں، انہوں نے پورٹریٹ تیار کر کے اسٹوڈیو میں رکھی ہوئی تھی، ایک روز ان کا شاگرد اسٹوڈیو میں آیا تو اس نے دیکھا کہ آرٹسٹ صاحب پورٹریٹ سامنے رکھے سر پکڑے بیٹھے ہیں۔

''کیا بات ہے سر! کیا ان صاحب کو پورٹریٹ پسند نہیں آئی؟'' شاگرد نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں، پورٹریٹ تو پسند آ گئی ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ ناک کچھ ٹھیک نہیں بنی ہے، اسے ٹھیک کر دوں۔'' آرٹسٹ صاحب نے مردہ سے

لہجے میں بتایا۔
''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ ٹھیک کر دیجئے نا۔'' شاگرد بولا۔
''ٹھیک تو میں کب کا کر چکا ہوتا، لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ میں نے ناک بنائی کہاں تھی۔'' آرٹسٹ نے وحشت زدہ لہجے میں بتایا۔
سدرہ خانم، ملتان

قانون

صحافیوں کی ایک ٹیم جیل کا دورہ کر رہی تھی، ایک کوٹھڑی میں ایک ایسے صاحب بھی بند تھے جو شکل سے خاصے شریف اور مسکین سے دکھائی دے رہے تھے، ایک صحافی نے ان کے بارے میں جیلر سے پوچھ لیا۔
''ان صاحب نے کیا جرم کیا ہے؟''
''انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔'' جیلر نے بتایا۔
''انہوں نے مشہور ڈاکو حنیف ٹنڈے کو ایک قتل کرتے دیکھا تھا، اس قتل کے اکلوتے چشم دید گواہ ہیں، انہیں حفاظت کے خیال سے جیل میں رکھا گیا ہے۔''
''اور حنیف ٹنڈا کہاں ہے؟'' دوسرے صحافی نے پوچھا۔
''وہ ضمانت پر رہا ہو چکا ہے۔'' جیلر نے اطمینان سے بتایا۔
آسیہ فرید، خانیوال

ازدواجیات

☆ کیا تمہیں معلوم ہے شادی شدہ زندگی کے بارے میں میرے نظریات کیا ہیں۔
(کیا تم شادی شدہ ہو؟''
''ہاں۔''
''بس، تو پھر معلوم ہیں۔''
☆ شوہر نے بیوی سے کہا۔
''تمہیں یہ تو ماننا پڑے گا کہ مردوں کا انتخاب عورتوں سے بہتر ہوتا ہے، کیا تمہیں میری بات سے اتفاق نہیں؟''
''بالکل ہے۔'' بیوی نے فوراً جواب دیا۔
''اب یہی دیکھ لو نا کہ تم نے مجھ سے شادی کی اور میں نے تم سے شادی کی۔''
☆ کراچی سے حسن صاحب نے آپریٹر کو لاہور کال ملانے کے لئے کہا، آپریٹر نے حسب معمول احتیاطاً بتا دیا۔
''سر! اس وقت لاہور کال کرنے کے چارجز دس روپے فی منٹ ہوں گے۔''
''میرے ساتھ تو کچھ رعایتی ریٹ ہونا چاہیے بھائی صاحب! میں صرف سنوں گا، بولوں گا نہیں، میں اپنی بیوی کو فون کر رہا ہوں، یہ اس کے میکے کا نمبر ہے۔'' حسن صاحب نے قدرے التجائیہ لہجے میں کہا۔
مریم انصاری، سکھر

فرمائش

گھریلو خاتون نے ہٹے کٹے بھکاری سے کہا۔
''اگر تم گھر کے کچھ کام کاج کر دو تو میں تمہیں کھانا کھلا سکتی ہوں۔''
بھکاری نے ایک لمحے گویا اس پیش کش پر غور کیا، پھر بولا۔
''پہلے مینو دکھائیے۔''
عزہ فیصل، قصور

چالاک

پاگل خانے میں ایک پاگل اکیلا تاش کھیل رہا تھا، دوسرا پاگل قریب بیٹھا دیکھ رہا تھا، چند منٹ بعد دوسرا پاگل بول اٹھا۔
''یہ کیا کر رہے ہو، تم تو خود اپنے ساتھ بے ایمانی کر رہے ہو۔''

"شش......" پہلے پاگل نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے بتانا مت...... میں تو برسوں سے اپنے ساتھ بے ایمانی کر رہا ہوں، لیکن مجھے آج تک پتا نہیں چلا۔"

"کمال ہے۔" دوسرے پاگل نے حیرت سے کہا۔

"تمہیں پتا کیوں نہیں چلا؟"

"میں بہت چالاک ہوں نا، میں خود کو پتا ہی نہیں چلنے دیتا۔" پہلے پاگل نے فخر سے جواب دیا۔

نورانور، فیصل آباد

مجبوری

ایک بچے کو دکانوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں چرانے کی عادت پڑ گئی تھی، اس کے والد اسے سمجھا کر ہار گئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسے خوفزدہ کرنے کے لئے چند گھنٹوں تک حوالات میں بھجوا دیا جائے، انہوں نے تھانیدار سے بات کی تھانیدار نے تجویز مان لی اور بچے کو حوالات میں بند کر دیا گیا، اس وقت حوالات میں ایک اور پختہ عمر کا مجرم بھی بند تھا، اس نے لڑکے سے پوچھا۔

"تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"میں دکانوں سے چھوٹی موٹی چیزیں چراتا ہوں۔"

"بے وقوف، تم کوئی بینک کیوں نہیں لوٹتے۔" مجرم نے کہا۔

"کیا کروں جناب! مجھ اسکول سے تین بجے چھٹی ہوتی ہے، تب تک بینک بند ہو چکے ہوتے ہیں۔"

فاریہ سلیم، شرقپور

غلط فہمی

باس نے اپنی ٹائپسٹ سے پوچھا۔

"مریم کیا یہ درست ہے کہ جیسے ہی گھڑی چار بجاتی ہے تم اپنا کام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہو، خواہ اس وقت تم نے پورا جملہ ٹائپ نہ کیا ہو؟"

"یہ بات بالکل غلط ہے سر!" ٹائپسٹ لڑکی نے وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک کوئی جملہ ادھورا نہیں چھوڑا میں ہمیشہ ساڑھے تین بجے سے ہی چار بجنے کا انتظار شروع کر دیتی ہوں اور اس عرصہ میں کچھ بھی ٹائپ نہیں کرتی، بھلا جملہ ادھورا چھوڑنے کا اعتراض کہاں باقی رہتا ہے۔"

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

سائز

رضا صاحب جو کلب کے بہانے آدھی آدھی رات تک گھر سے باہر رہتے تھے ایک رات دو بجے واپس آئے بیوی نے پوچھا۔

"آج اتنی دیر کیسے ہو گئی؟" بیوی نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"آج کلب میں ایک مقابلہ تھا۔" رضا صاحب نے برجستہ کہا۔

"آج کلب کے صدر نے اعلان کیا کہ کلب کے جس ممبر نے، اپنی بیوی سے بے وفائی نہ کی ہو اسے نیا ہیٹ انعام کے طور پر دیا جائے گا اور بیگم تم یہ سن کر حیران ہو جاؤ گی کہ ایک بجے تک کسی ممبر نے یہ دعوا نہیں کیا۔"

"رضا مگر تم تو ہمیشہ مجھے کہتے رہے ہو کہ تم نے کبھی میرے ساتھ بے وفائی نہیں کی؟ تو پھر تم نے حقیقت بتا کر وہ ہیٹ کیوں نہیں جیتا؟"

"بس میں اعلان کرنے ہی والا تھا کہ اچانک میری نظر ہیٹ پر جا پڑی اور پھر میں نے اعلان نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"لیکن کیوں رضا۔"

"کیونکہ ہیٹ میرے سائز کا نہ تھا۔"

عالیہ بٹ، لاہور

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

حنا شاہین ---- حیدر آباد

سزا کے طور پہ ہم کو قفس ملا جالب
بہت تھا شوق ہمیں آشیاں بنانے کا

....

عجیب طرح کے موسم ہیں اب کے برسوں کے
مرے خیالوں کی دھرتی پہ سانپ اُگ آئے

....

وفا کے وعدے وہ سارے بھلا گیا چپ چاپ
وہ میرے دل کی دیواریں ہلا گیا چپ چاپ
غم حیات کے تپتے ہوئے بیاباں میں
وہ ہم کو چھوڑ کے تنہا چلا گیا چپ چاپ

سدرہ خانم ---- ملتان

نہ جانے کون سا فقرہ کہاں رقم ہو جائے
دلوں کا حال بھی اب کون سا سے کہتا ہے
مرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی
بھری بہار میں کیسا مکاں ڈھتا ہے

....

اب بخیہ گروں میں یہی آئین رفو ہے
جو زخم سیا جائے ادھورا ہی سیا جائے
اے گردش دوراں ترے احسان بہت ہیں
کچھ دیر ترے ساتھ بھی اب رقص کیا جائے

....

حیرت سے دیکھتا ہے سمندر مری طرف
کشتی میں کوئی بات ہے یا بادباں میں ہے

آسیہ فرید ---- خانیوال

زندگی کی دھوپ میں اس سر پہ اک چادر تو ہے
لاکھ دیواریں شکستہ ہوں پر اپنا گھر تو ہے

جو بھی آئے گا یہاں دستک تو دے کر آئے گا
اک حد دیوار تو ہے اک حصار در تو ہے

....

کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی یہ راستہ کوئی اور ہے

....

مدارات الم میں وہ نہیں شرکت کا کچھ قائل
نہ اپنا دکھ بتاتا ہے نہ میرے رنج سنتا ہے
لب خاموش چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھ کو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے

مریم انصاری ---- سکھر

مجھے تجھ سے جدا رکھتا ہے اور دکھ تک نہیں ہوتا
مرے اندر ترے جیسا یہ آخر کون رہتا ہے

....

مل لیتا ہے گفتگو کی حد تک
اتنا ہی ترا کرم بہت ہے
مل جائے اگر تری رفاقت
مجھ کو تو یہی جنم بہت ہے

....

مجھ میں کبھی آہٹ کی طرح سے کوئی آئے
اک بند گلی کی طرح سنسان بہت ہوں
الجھیں گے کئی بار ابھی لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں

عزہ فیصل ---- قصور

تو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو اب نہ ڈھانپ مجھے ڈوبتے بھی دیکھ

....

انداز خموشی میں ہے گفتار کا پہلو
گویا نہ سہی چپ بھی کہاں ہیں تری آنکھیں
جاؤں گا کہاں توڑ کے زنجیر وفا کو
ہر سو مری جانب نگراں ہیں تری آنکھیں

....

غم دل حیطۂ تحریر میں آتا ہی نہیں
جو کناروں میں سمٹ جائے وہ دریا ہی نہیں
کوئی بھولا ہوا چہرہ نظر آئے شاید
آئینہ غور سے تو نے کبھی دیکھا ہی نہیں
نورانور ---- فیصل آباد
بانہوں میں آ سکا نہ حویلی کا ایک ستون
پتلی میں مری آنکھ کی صحرا سمٹ گیا

....

شام سے آج سانس بھاری ہے
بے قراری سی بے قراری ہے
آپ کے بعد ہر گھڑی ہم نے
آپ کے ساتھ ہی گزاری ہے

....

جھونکا آئے تو کوئی جنبش ہو
سوکھے پتوں سے سب بڑے ہیں یہاں
شہر کھودا تو پیاس نکلی ہے
ٹوٹے پھوٹے سے کچھ گھڑے ہیں یہاں
فاریہ سلیم ---- شرقپور
ویرانیاں دلوں کی بھی کچھ کم نہ تھیں ادا
کیا ڈھونڈنے گئے تھے مسافر خلاؤں میں

....

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

....

کس شوق کس تمنا کس سادگی سے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

ہجر کی شب میں قید کرے یا صبح وصال میں رکھے
اچھا مولا تیری مرضی تو جس حال میں رکھے

....

بہت یکسانیت لگتی ہے اس میں
کہانی میں نیا اب موڑ لا دو
بظاہر درمیاں کچھ بھی نہیں تھا
مقدر ہو گیا حائل بتا دو

....

نگار وقت اب اسے لہو سے کیا چمن کریں
یہ دشت جاں کہ ہانپتا رہا سراب اوڑھ کر
لبوں کے حرف نرم کی تپش سے مت جگا اسے
یہ دل تو کب کا سو چکا ردائے خواب اوڑھ کر
عالیہ بٹ ---- لاہور
جل اٹھتے ہیں یادوں کی منڈیروں پر سر شام
جو خواب بچا لایا تھا جلتے ہوئے گھر سے

....

پھر تجھے رات کا پتا چلتا
گر تیری درد سے ٹھنی ہوتی

....

ہر کوئی پارسائی کی عمدہ مثال تھا
دل خوش ہوا ہے ایک گنہگار دیکھ کر
فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ
ہم اپنی زندگی تو بسر کر چکے عدم
یہ کس کی زیست ہے جو بسر کر رہے ہیں ہم

....

عیادت رسم دنیا تھی چلے آتے تو کیا ہوتا
تمہارے پوچھ لینے سے نہ ہم جیتے نہ مرتے

....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح
صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور
کیا ایسے کم سخن سے کوئی گفتگو کرے

جو مستقل سکوت سے دل کو لہو کرے
اب تو ہمیں بھی ترک مراسم کا غم نہیں
پر دل یہ چاہتا ہے کہ آغاز تو کرے

....

وہ تو جان لے کے بھی ویسا ہی سبک نام رہا
عشق کے باب میں سب جرم ہمارے نکلے

....

کرتے ہیں میری خامیوں کے تذکرے کچھ اس طرح
اپنے عمل میں فرشتے ہوں جیسے لوگ

سارا حیدر ---- ساہیوال

اس بخت میں اب لاکھ زمانہ تجھے چاہے
ہم نے تو تجھے چاہا تو جب کچھ بھی نہیں تھا
تو نے مری جاں جھانک کے دیکھا نہ تھا دل میں
چہرے پہ جو تھا وہ تو غضب کچھ بھی نہیں تھا

....

شام ڈھلے جب سارے پرندے لوٹتے ہیں رو پڑتے ہیں
اس کی قسمیں اس کے وعدے سوچتے ہیں رو پڑتے ہیں
اجڑا کمرہ بکھری چیزیں بوجھل دل اور بھیگی پلکیں
اپنی حالت دیکھ کے ہنستے ہیں رو پڑتے ہیں

....

وہ ختم قید کی معیاد بھی نہیں کرتا
مگر میں زحمت فریاد بھی نہیں کرتا
کبھی کبھی وہ مجھے اتنا یاد آتا ہے
میں ضد میں آ کے اسے یاد بھی نہیں کرتا

ساجدہ احمد ---- ملتان

اک تیرے نام سے بدنام ہوئی ہے دنیا
زندگی کیا تیرا اب نام نہ بدلا جائے

....

تم ناحق ناراض ہوئے ورنہ مہ خانے کا پتہ
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

....

مت پوچھ کہ میرے صبر کی وسعت کہاں تک ہے
تو آزما کے دیکھ لے تیری طاقت کہاں تک ہے
وہ اور ہوں گے جنہیں تم سے امید وفا ہو گی
ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

صفہ خورشید ---- لاہور

بہار دے گی وہی اس یقین پہ زندہ ہوں
وہ اک نگاہ کہ جس نے مجھے خزاں دی ہے
یہ اور بات ہے کہ تو اب بھی یاد ہے ورنہ
غم حیات نے فرصت مجھے کہاں دی ہے

....

کل شام مجھے اڑتے پرندوں نے نصیحت کی یہ
بہت شام ہو جائے تو اپنے بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں

....

ڈھونڈا کرو گے اک روز میرے خلوص کو اے دوست
سو جائیں گے کسی روز ہم زمیں اوڑھ کر

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

نہ کوئی جواب نہ آنسو نہ خیال
کیا عجب قحط پڑا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرنا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

....

آنکھوں آنکھوں جل جاتی ہیں بینائی اس موسم میں
رہ جاتے ہیں اپنا آپ اور تنہائی اس موسم میں
اس کے بنجر پن کا ایک ہمیں ہی دکھ تھا دنیا میں
جیسے تیسے ہم نے بارش برسائی اس موسم میں

....

تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں محسن
ایک تجھے نہیں آتا ایک مجھے نہیں آتا

☆☆☆

گرین اسپائسی چکن اینڈ گارلک رائس

اشیاء

چکن (بون لیس) ایک کلو (چوکور ٹکڑے)
پیاز (پیسٹ بنالیں) پانچ عدد
ہری مرچیں (پیسٹ بنالیں) بارہ عدد
ٹماٹو پیسٹ ایک پیالی
سیاہ مرچ پاؤڈر چائے کا آدھا چمچہ
نمک حسب ذائقہ
چائنیز نمک چائے کا ایک چمچہ
تیل ایک پیالی
شملہ مرچیں (چوکور ٹکڑے) ایک پیالی

گارلک رائس کے لئے:۔

چاول (ابلے ہوئے) ڈیڑھ پیالی
لہسن کے جوے دو عدد
نمک حسب ذائقہ
سویا سوس کھانے کے دو چمچے

ترکیب

ایک کڑاہی میں کھانے کے دو چمچے تیل ڈالیں، پھر باریک لہسن ڈال کر سنہری مائل کر لیں، پھر چاول، نمک اور سویا سوس ڈال کر حسب ضرورت پانی ڈالیں اور تیار کر کے دم دیں لیں۔

ایک پتیلی میں تیل گرم کریں، اس میں پیاز کا پیسٹ ڈال کر خوب اچھی طرح بھونیں جب اس کا ہلکا سا رنگ تبدیل ہونے لگے تو اس میں ٹماٹو پیسٹ، ہری مرچوں کا پیسٹ، سیاہ مرچ پاؤڈر، نمک، چائنیز نمک، ڈال کر دو منٹ بھونیں، ساتھ ہی مرغی ڈال کر ڈھکن ڈھانپ کر ہلکی آنچ پر پکائیں، مصالحہ بھننے کے بعد اس میں شملہ مرچیں شامل کر دیں، ایک منٹ پکائیں اور چولہا بند کر دیں، تیار کیے ہوئے گارلک رائس کے ساتھ گرین اسپائسی چکن سرو کریں۔

پاستا بائٹز

اشیاء

سویا سوس کھانے کا ایک چمچہ
کیچپ کھانے کے تین چمچے
مرغی (بون لیس) ایک پاؤ (ابال لیں)
شملہ مرچ ایک چوتھائی پیالی
(لمبائی میں کٹی ہوئی)
گاجر ایک چوتھائی پیالی
(لمبائی میں کٹی ہوئی)
سخت لال لال ٹماٹر ایک چوتھائی پیالی
(لمبائی میں کٹی ہوئی)
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی) ایک پیالی
تیل کھانے کے تین چمچے
نمک حسب ذائقہ
سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی) چائے کا ایک چمچہ
چائنیز نمک چائے کا ایک چمچہ

ترکیب

میکرونی کو نمک مل ابلتے پانی میں پانچ سے سات منٹ کے لئے ابال لیں، یہاں تک کہ ایک کنی رہ جائے، چھلنی میں ڈال کر گرم پانی گرا کر ٹھنڈا پانی گزار دیں اور کھانے کا ایک چمچہ تیل ملا کر ایک پیالے میں نکال لیں، سوس پین میں تیل گرم کریں اس میں مرغی فرائی کریں شملہ مرچ

گاجر، ٹماٹر اور بند گوبھی ڈال کر تھوڑا سا فرائی کر لیں، اس کے بعد نمک کٹی ہوئی سیاہ مرچیں، چلی سوس، سویا ساس، کیچپ اور چائنیز نمک ڈال کر فرائی کریں، اس میں میکرونی ڈال کر اچھی طرح مکس دیں اور گرم گرم سرو کریں۔

شاشلک اسٹک ودھ رائس

اشیاء

مرغی کا گوشت (بون لیس) آدھا کلو
شملہ مرچ (کیوبز میں کاٹ لیں) ایک عدد
ٹماٹر (کیوبز کاٹ لیں) ایک عدد
پیاز ایک عدد
(پرت الگ کر کے کیوبز کاٹ لیں)
سرکہ کھانے کا ایک چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر حسب ذائقہ
چاٹ مصالحہ حسب پسند
لہسن پیسٹ چائے کا ایک چمچہ
چائنیز نمک ایک چٹکی
چکن کیوب ایک عدد
چاول دو پیالی
زعفران ایک چٹکی
نمک حسب ذائقہ
گرم دودھ کھانے کے دو چمچے
تیل حسب ضرورت

ترکیب

گوشت دھو کر خشک کر کے اس میں سرکہ، نمک، لہسن پیسٹ، چائنیز نمک اور سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر ایک گھنٹے تک رکھ چھوڑیں، چاولوں کو صاف کر کے بھگو دیں، پانی میں نمک ڈال کر ابالیں، ابال آنے پر چکن کیوب ڈالیں، پانی خشک ہونے لگے تو گرم دودھ میں زعفران حل کر کے ڈالیں اور دم پر لگا دیں، اب تھوڑے سے تیل میں ریئنیٹ کیا ہوا گوشت ہلکی آنچ پر پکائیں، پانی خشک ہونے پر اسے پلیٹ میں نکال کر چاٹ مصالحہ چھڑک دیں، شاشلک اسٹک میں گوشت کے کیوبز، شملہ مرچ، پیاز اور ٹماٹر کے کیوبز ترتیب سے پروئیں اور گرلنگ پین میں رکھ کر گرل کریں، سرونگ ڈش میں تیار کیے ہوئے چاول نکال کر چکن شاشلک کے ساتھ سرو کریں۔

گرلڈ بیف اسٹیکس

اشیاء

گائے کے گوشت کے پارچے چار عدد
زیتون کا تیل کھانے کا ایک چمچہ
سویا سوس کھانے کے دو چمچے
لہسن کے جوے (کوٹ لیں) دو عدد
لیموں کا رس کھانے کے تین چمچے

ترکیب

پارچوں پر اگر چربی ہے تو اس کو اتار کر صاف کر لیں، اب اسٹیکس کو دو پلاسٹک شیٹس کے درمیان رکھیں اور بیلن یا چھری سے ضرب لگائیں، جب اسٹیکس کی موٹائی آدھی رہ جائے تو اسے ایک پیالے میں رکھ کر اس پہ زیتون کا تل، سویا ساس، لیموں کا رس اور لہسن ڈال کر چار سے پانچ گھنٹے یا رات بھر کے لئے فریج میں رکھ چھوڑیں، اب اسٹیکس کو باربی کیو کر لیں اسے پکنے میں چند منٹ ہی لگیں گے، چاہیں تو درمیان میں پیاز رکھ کر گرل کریں۔

فرائیڈ لیو

اشیاء

کلیجی (مرغی کی) آدھا کلو
نمک حسب ذائقہ
سفید مرچ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ
لہسن (چوپ کیا ہوا) ایک کھانے کا چمچہ
مکھن ایک کھانے کا چمچہ

پیاز (چوپ کرلیں) ایک عدد

ترکیب

مکھن گرم کر کے اس میں پیاز فرائی کرلیں پھر اس میں لہسن اور کلیجی ڈال کر فرائی کریں، نمک، سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں اور ہلکی آنچ پر بھون کر سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

وائیٹ آملیٹ

اشیاء

انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک چٹکی
پانی	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

انڈے میں نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور پانی ملا کر پھینٹ لیں، فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں انڈے کا آمیزہ ڈال کر فرائی کر لیں۔

میش پوٹیٹو

اشیاء

آلو (ابال لیں)	دو عدد
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
نمک، سفید مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

آلو کو مسل کر اس میں مکھن، دودھ، نمک، سفید مرچ پاؤڈر اور کریم ڈال کر مکس کر دیں، نان اسٹک موس پین کو گرم کریں اس میں تھوڑا تیل گرم کر کے اس آمیزے کو کباب کی شیپ میں رکھ کر دونوں طرف سے براؤن ہونے تک فرائی کریں۔

چائنیز آملیٹ ود ٹوسٹ

اشیاء

انڈے	تین عدد
پیاز (چوپ کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز (چوپ کی ہوئی)	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹر (چوپ کیے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچہ
شملہ مرچ (چوپ کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	چوتھا چائے کا چمچہ
بریڈ سلائس	چار سے چھ عدد
(سینک کر تکون ٹکڑے کاٹ لیں)	
پنیر (کش کیا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پیالی میں انڈے پھینٹ کر اس میں پیاز، ہری پیاز، نمک، ٹماٹر، شملہ مرچ، سیاہ مرچ پاؤڈر، پنیر ڈال کر مکس کریں فرائنگ پین میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کر کے اس میں انڈے کا آمیزہ ڈال کر پھیلائیں اور سیٹ ہونے تک ہلکی آنچ پر پکائیں، اس کے بعد پلٹ کر دوسری سائیڈ سے بھی فرائی کر لیں، مزے دار چائنیز آملیٹ تیار ہے سرونگ ڈش میں نکال کر سینکے ہوئے بریڈ سلائس اور بلیک ٹی کے ساتھ سرو کریں۔

بریک فاسٹ کومپٹ

اشیاء

مکس فروٹس (سیب، خربوزہ، کیلے، انار)	چار کپ
کاجو	چوتھائی کپ
کریم	حسب ضرورت
پانی	ایک کپ

ترکیب

سیب، کیلے اور خربوزے کو چھیل کر اس کے بڑے کیوبز کاٹ لیں، کاجو کو فرائی کرلیں، انگور اور انار کو ایک پلیٹ میں رکھیں، سیب، کیلے اور خربوزے کو ایک پیالے میں ڈال کر اس میں کریم مکس کریں، انگور اور انار ڈال کر سرونگ باؤل میں نکالیں، کاجو سے گارنش کر کے سرو کریں۔

بریک فاسٹ سیلڈ

اشیاء

فریش کریم	دو پیکٹ
نوڈلز (چکن فلیوز)	دو پیکٹ
میکرونی	آدھا کپ
بند گوبھی	آدھا کپ
گاجر (درمیانے سائز کے کش کیے ہوئے)	دو عدد
مٹر (ابلے ہوئے)	آدھا کپ
چنے سفید (ابلے ہوئے)	تھوڑے سے
ہری مرچ	ایک عدد
سیب (کیوب کاٹ لیں)	دو عدد
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے میکرونی کو آدھے کپ پانی میں ڈال کر ابالیں ساتھ میں تھوڑا سا نمک اور ایک چمچہ تیل ڈال دیں تاکہ میکرونی چپکے نہیں جب میکرونی گل جائے تو پانی نتھار لیں۔

اسی طرح نوڈلز کو بھی دو کپ پانی میں ابالیں، سیب، بند گوبھی، گاجر، ہری مرچ کو باریک کاٹ لیں۔

ایک سرونگ باؤل میں مٹر، سیب، بند گوبھی، گاجر، ہری مرچ، میکرونی، نوڈلز اور فریش کریم ڈال کر چمچے سے مکس کریں حسب ذائقہ نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کریں، مزے دار بریک فاسٹ سیلڈ تیار ہے۔

اٹالین سیلڈ

اشیاء

میکرونی (ابلی ہوئی)	دو کپ
شملہ مرچیں (بیج نکال کر کیوبز کاٹ لیں)	دو عدد
ہری پیاز (چوپ کرلیں)	دو عدد
گاجریں (چوپ کرلیں)	دو عدد
انڈے (ابلے ہوئے)	دو سے تین عدد
کریم	دو کھانے کے چمچے
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچہ
مایونیز	پانچ کھانے کے چمچے
زیتون کا تیل	ایک چائے کا چمچہ
بند گوبھی (کش کی ہوئی)	آدھا کپ
پاپڑ (سرونگ کے لئے)	حسب پسند
نمک، سفید مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ

ترکیب

ایک پیالے میں میکرونی، شملہ، مرچیں، ہری پیاز، گاجریں اور بند گوبھی ڈال کر مکس کر لیں، ڈریسنگ تیار کرنے کے بعد ایک دوسرے پیالے میں کریم، لیموں کا رس، مایونیز، زیتون کا تیل، نمک، سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں، اب تیار کی ہوئی ڈریسنگ کو سبزیوں اور میکرونی والے پیالے میں ڈال کر مکس کریں، مزے دار اٹالین سیلڈ تیار ہے، سیلڈ باؤل میں نکال کر ابلے ہوئے انڈے سے گارنش کر کے پاپڑ کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

اپریل کے دن طبیعت بے حد نڈھال تھی میں آئی سلام کیا تو جواب نہ ملا، طاہر صاحب نے پوچھا یہ کون ہے تو بولے، ''وہ اپنی'' اور پھر خاموش ہو گئے، طاہر صاحب نے کہا کون اپنی تو کہنے لگے ''وہی جو آفس جاتی ہے'' بس یہ میری ان سے آخری گفتگو تھی، ماہ اپریل میں وہ اپنے والدین کی برسی کا اہتمام کرتے تھے اسی اپریل میں خود چل دیئے اپنے ابدی ٹھکانے کی طرف، پیچھے رہ گئیں صرف یادیں۔

وقت رخصت چہرے پر بے انتہا سکون تھا، ایسا سکون جو ایسے شخص کا مقدر ہی ہوتا ہے جو اپنے ہر فرائض سے ایمانداری سے نبرد آزما ہو کر ایک طرف بیٹھ جائے یہ کہتے ہوئے کہ ''لو ہم اپنے حصے کا دیا جلا چلے اب اس سے فیض پانا تمہارا کام ہے۔''

دو ہفتے ہو گئے ہیں سردار صاحب آپ کو رخصت ہوئے، دنیا کا ہر کام ہو رہا ہے، بھلا کسی کے جانے سے کوئی کام رکا ہے، نہیں نہ سر لیکن سردار صاحب کام ضرور ہو رہے ہیں، لیکن ہمارے دل میں نہ جانے کیسی اداسی نے ڈیرہ جما لیا ہے کہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہی، ہم روز مرہ کی طرح آفس آتے ہیں، طاہر صاحب حسب عادت آپ کے روم میں جا کر آپ کی وارڈ روب کھولتے ہیں اس میں ہینگ کی آفس کی چابیاں نکالتے ہیں، مجھے یقین ہے اس عمل کے دوران نہ جانے کتنی مرتبہ وہ آپ کے بیڈ کو دیکھتے ہوں گے در پھر نم ہوتی آنکھوں اور بوجھل دل کے ساتھ روز مرہ کی طرح اونچی آواز میں نہیں دل میں یہی کہتے ہوں گے، ''اچھا ابو ہم جا رہے ہیں'' ہمارے آفس جانے کے بعد تسنیم بھابھی کا فون تو آتا ہے مگر اب وہ طاہر صاحب یہ نہیں کہتی کہ آتے ہوئے ابو کی فلاں میڈیسن لیتے آیئے گا اور نہ وہ یہ کہیں گی ابو نے آج کچھ نہیں کھایا، آپ جلدی گھر آ جائیں اور نہ ہی واپسی پر بیکرز کے آگے سے گزرتے ہوئے سر طاہر ڈرائیور سے یہ کہیں گے کہ ''گاڑی روکو ابو نے بادام خطائی کی فرمائش کی تھی'' وہی راستے ہیں، وہی گاڑیوں کا ہجوم، وہی لوگوں کا ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا جنون، اگر ان سب کے درمیان نہیں ہیں تو سردار صاحب آپ نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے کہ اپنے کسی بہت پیارے کو اپنے ہاتھوں سے مٹی کے سپرد کرنا اور پھر خود کو یقین دلانا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا، یہی یقین آج ہم خود کو دلا رہے ہیں کہ سردار صاحب اب آپ نہیں، کہیں نہیں ہیں۔

لیکن نہیں آپ صرف جسمانی طور پر ہمارے ساتھ نہیں روحانی طور پر ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے، کہ جو لوگ خوشبو کی مانند ہوتے ہیں وہ اپنے اچھے کاموں کی بدولت کہاں مرتے ہیں، کہاں فنا ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آسمان کا ستارہ بن کر روشن رہتے ہیں۔

(اور والدین تو اس وقت تک نہیں مرتے جب تک اولاد زندہ رہے، یہ میری ذاتی رائے ہے) اللہ تعالیٰ سردار صاحب پر بے بہا رحمتیں نازل کرے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات سے نوازے آمین یارب العالمین۔

(بہت سی جگہ قارئین کو میری تحریر بے ربط لگے گی، مگر میں نے وہ لکھا جو ذہن میں آتا گیا ایک ہی نشست میں لکھا، اس کو بنایا سنوارا نہیں ہے۔)

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

مئی کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

بارہ اپریل کی شب حنا کے مدیر اعلیٰ سردار محمود صاحب اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔

آپ سب بہنوں سے درخواست ہے کہ سورہ فاتحہ اور قل شریف پڑھ کر سردار محمود صاحب کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے درجات بلند کرے آمین۔

درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد ہمیشہ زبان پر جاری رکھیں اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی چھپی ہے۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے پیار کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں، آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط خوشاب سے رابعہ حبیب کا ملاوہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

حنا اس مرتبہ کچھ لیٹ ملا، سرورق موسم بہار کی مناسبت سے بہت پیارا تھا، سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی اور پھر پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہوئے، انشاء جی کے کالم کا ٹائم بڑا پرفیکٹ تھا، ان دنوں بچوں کے سکولوں میں داخلوں کا موسم ہے، ایک دن حنا میں سمیرا عثمان گل تشریف لائیں، ہائے بیچاری اتنی مصروف، سمیرا۔

جلدی سے ام مریم کی تحریر کی طرف بڑھے، اف ام مریم کیا غضب کی قسط لکھی اس بار، آپ نے منیب کی زندگی کے شادی شدہ پہلو سے بڑی خوبصورتی سے پردہ اٹھایا اس طرح سے کہ ہماری تمام ہمدردیاں منیب کے ساتھ ہو گئیں، غانیہ کی حالت دیکھ کر یقین ہو گیا کہ محبت واقعی اندھی ہوتی ہے۔

''پربت کے اس پار کہیں'' میں نایاب جیلانی سے کہانی میں کچھ نیا موڑ لائی ہے، پہلی قسطیں پڑھ کر تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی سفرنامہ پڑھ رہے ہیں مگر اب نایاب کی تحریر اب واقعی ناول کی شکل اختیار کر گئی ہے، بس ایک بات جو کھٹکتی ہے ذہن میں وہ یہ کہ کیا عشیہ مورے کی سوتیلی بیٹی ہے؟ سدرۃ المنتہیٰ کا ناول بھی تجسس سے بھرپور ہے، سدرہ آپ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہر کردار پر محنت کی ہے، بہت خوب امر کلہ کا دل بے حد معصوم ہے، یقیناً وہ جلد حق اور سچ کو پہچان لے گی اور امرت بھی پڑاؤ ڈالنے ہی والی ہے، مکمل ناول میں معصومہ منصور کا ''مجھے معتبر کر دے'' کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکی، بلاوجہ کہانی کو بڑھایا گیا، ایک رانگ نمبر کو لے کر کہانی کا تانا بانا بنا گیا، موضوع پرانا تھا، ''یار من'' نائلہ طارق لے کر آئیں، کافی دلچسپ انداز بیان ہے نائلہ طارق کا، بس اینڈ پر باقی آئندہ دیکھ کر بیزار ہوئے، ''وفا شرط ہے'' فرح بخاری کے ناولٹ کی دوسری قسط بھی جاندار تھی، آخری حصہ کا شدت سے انتظار ہے، افسانوں میں ''بنت حوا'' کا

دشت بے یقینی بے حد پسند آیا، بہت خوبصورت نام ہے لیکن تحریر پر گرفت مضبوط ہے۔ غزالہ جلیل راؤ کا افسانہ "دل ناداں ٹھہر" بھی اچھی تحریر تھی سب سے مزے کی تحریر عالیہ نازکی "کہانی گھر گھر کی" تھی، نہ جانے یہ آج کی نئی نسل کیوں نہیں سمجھتی کہ گھروں کی رونق بزرگ ہی ہیں، ان کی دعاؤں کی بدولت ہی گھروں میں برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ رضوانہ جیسی بہو ہر ایک کو عطا کرے۔

مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں رابعہ رزاق، ریحانہ احمد اور صبا رانا کی پسند بے حد اعلیٰ تھی، میری ڈائری میں تخمانہ حبیب اور میرب راشد کا انتخاب بہترین تھا۔ یاد میں ہر ایک کی پسند لاجواب تھی، حنا کی محفل میں عین غین نے بڑے برجستہ جواب دے کر پڑھنے والوں کو محظوظ کیا، رنگ حنا کا انداز اب کچھ بدلیں، دستر خوان بھی طرح طرح کے ذائقے سے سجا ہمیں اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا، کس قیامت کے یہ نامے میں ہمیشہ کی طرح فوزیہ آپی مسکراتی ہوئی ملیں، ان کا انداز دیکھ کر میں نے بھی اس مرتبہ اس محفل میں شرکت کرنے کا سوچا ورنہ تو پچھلے دس سالوں سے بس خاموش قاری رہی، اب دیکھتے ہیں وہ کیا سلوک کرتی ہے۔

رابعہ حبیب خوش آمدید، آپ کو تو بہت پہلے اس محفل میں آ جانا چاہیے تھا، دس سال کا عرصہ لگائے آپ نے فیصلہ کرنے میں کہ "کس قیامت کے یہ نامے" میں شرکت کی جائے یا نہیں، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف و تنقید مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے ان سطور کے ذریعے، ہم آئندہ بھی آپ کی آمد کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عزہ مرتضیٰ: شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔

میں پہلی مرتبہ اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں امید ہے خوش آمدید کہا جائے گا۔

اپریل کا شمارہ اپنے ٹائٹل سمیت بے حد پسند آیا، اسلامیات سے فیضیاب ہونے کے بعد انشاء جی کی روداد سنی جو اسکول کے داخلوں کے سلسلے میں تھی، انشاء جی کا ہر کالم موضوع کے اعتبار دور حاضر کا ہی لگتا ہے، سمیرا گل کے ساتھ ایک دن گزارنا اچھا لگا، ان کا انداز بیاں بے حد سادہ تھا بناوٹ کے بغیر، ایسے لوگ دل کے بڑے سچے اور کھرے ہوتے ہیں، سب سے پہلے بات ہو جائے مکمل ناول کی "یار من" نائلہ طارق کی تحریر تھی، نائلہ نے بڑی خوبصورتی سے پلاٹ پر کام کیا، کہانی بے حد مزے کی ہے دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے، یقیناً وہ اس کا اینڈ اچھا کریں گی، معصومہ منصور کا ناول "مجھے معتبر کر دے" اگرچہ کہانی وہی روایتی تھی دو بہنوں میں سے ایک کو والدین کی توجہ ملنا اور دوسری کو نظر انداز ہونا اور آخر میں سب اچھا لیکن پھر بھی مزہ آیا، نور کو اس کی بے وقوفی نے موت کے اندھیروں میں دھکیلا اور ایشاع کو صبر کا پھل ملا، اس کے بعد ہم سلسلے وار ناولوں کی طرف بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ کی "اک جہاں اور ہے" میں جا پہنچے، سدرۃ جی آپ کی تحریر کے لئے ہم صرف ایک ہی بات کہیں گے کہ ناول کی کہانی کی تعریف میں کچھ بھی کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے، آپ کی تحریر میں لفظوں کا چناؤ واقعات کا تسلسل اور کرداروں کا انتہائی سادہ انداز گفتگو تحریر کو چار چاند لگاتا ہے، کہانی کے اینڈ کا شدت سے انتظار ہے، نایاب جیلانی کا ناول "پربت کے اس پار کہیں" کا آغاز ہی انتہائی مشکلات واقعات سے ہوا تھا اور اب تک جبکہ پندرہ اقساط ہو چکیں ہیں کہانی جوں کی توں ہے پلیز نایاب جی

آگے بڑھیں، حمت، نیل بر کے نقش قدم پر چلا کر تھوڑا بہادر بنائیں اور یہ اسامہ کس خوشی میں اتنا چہکتا پھرتا ہے نہ جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ حمت کا امام فریدے سے کوئی قریبی رشتہ نکلے گا، اب دیکھتے ہیں ہمارے اندازے صحیح نکلتے ہیں یا آپ کا قلم کچھ اور لکھتا ہے خیر اس کے بعد ہم ام مریم کے ناول ''دل گزیدہ'' میں پہنچے اور بنا آنکھ جھپکے ناول کے تئیس صفحات کو پڑھا چونکے تو اس وقت جب باقی اگلے ماہ لکھا نظر آیا۔

مریم بہت خوب پچھلی تحریروں کی طرح آپ کی یہ تحریر بھی انتہائی دلچسپ ہے، پلیز جلدی سے ہمارے کان میں بتادیں کہ کیا منیب ہی مون ہے، آپ کا ناولوں میں ایک ہیرو انتہائی اکھڑ اور روڈ ہوتا ہے اور ایک انتہائی چلبلا، ہمیشہ ایسا کیوں اور ہر تحریر میں ایک پریشے بھی نظر آتی ہے، محبتوں کی شدتوں کی انتہا پر اس ناول میں یہ کردار غانیہ کی شکل میں نظر آیا ہے، لیکن خیر خدا کے لئے اس بیچاری کو کسی خطرناک مرض میں مبتلا نہ کیجئے گا، یہاں پر فوزیہ آپی ہم آپ ایک فرمائش کریں گے کہ پلیز آپ فوزیہ غزل سے کوئی ناول لکھوائیں، عرصہ ہو گیا ان کو غائب ہوئے اس کے علاوہ سعدیہ امل کاشف، سعدیہ وحید عالم، شازیہ رفیق، مصباح نارڈ کو بھی آواز دیں یہ سب کہاں ہیں، ناولٹ میں حیا بخاری اکیلی ہی تھی اور اکیلی ہی سب پر بازی لے گئیں آخری حصے کا انتظار ہے رائے مکمل تحریر پڑھ کر دیں گے، افسانوں میں عابی ناز کی تحریر نے ہلا کر رکھ دیا، عابی کے تحریر میں ایک تلخ سچ چھلک رہا تھا، کاش ہم اپنے گھروں میں موجود بزرگوں کو دیکھ کر یہ سوچیں کہ آنے والا کوئی ایسا ہی کل ہمارے لئے بھی منتظر ہے، آج ہم جو دیں گے کل کو وہی لیں گے، غزالہ جلیل راؤ کا قلم ایک طویل عرصے کے بغیر حنا کے صفحات کی زینت بنا، ایک عرصہ ہو گیا غزالہ کو لکھتے ہوئے مگر نہ جانے کیوں ابھی تک ان کی تحریروں میں پختگی نظر نہیں آئی، ان کے لکھنے کے طریقہ کار میں کوئی بھی چینج نہیں پہلی تحریر سے لے کر آج تک، مبشرہ ناز ''ادھوری زندگی اور دشت بے یقینی، بنت حوا'' کی تحریریں بھی پسند آئیں۔

مستقل سلسلے تمام ہی اچھے تھے، حاصل مطالعہ، رنگ حنا، میری ڈائری اور بیاض میں ہر ایک کا انتخاب بہترین تھا اور قیامت کے یہ ناموں کی تو کیا ہی بات ہے اس میں ہر کسی کو اہمیت دینا فوزیہ جی کا بہترین وصف ہے۔

عزہ مرتضٰی اس محفل میں خوش آمدید، اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ نے ہر تحریر پر بڑی اچھی رائے دی ہمیں آپ کا انداز بے حد پسند آیا، حنا مصنفین کے متعلق آپ نے پوچھا۔

وہ سب کاروبار حیات میں مصروف ہے کوئی گھر گرہستی میں تو کوئی بچوں کی چہکاروں میں جن میں فوزیہ غزل کا نام نمایاں ہے، سعدیہ وحید پیا سنگ امریکہ چلی گئیں، مصباح نارڈ جو کہ دو بچوں کی اماں جانی بننے کے بعد ہمیں بھول ہی گئیں، پلیز فوزیہ متوجہ ہوں اور شازیہ رفیق لکھ رہی ہیں مگر طویل خاموشی کے بعد ایک اچھی تحریر کے ساتھ سرپرائز دینا، ہم آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے ان تک پہنچا دیا ہے یقیناً وہ آپ کی فرمائش جلد پوری کریں گی، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے اور اس محفل میں شرکت کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

طیبہ رضا: کی ای میل کھاریاں سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

اپریل کا شمارہ اپنی تحریروں کے لحاظ سے بے حد پسند آیا، اس مرتبہ دونوں مکمل ناول '' مجھے

معتبر کر دے'' معصومہ منصور، ''یار من'' نائلہ طارق بہترین تحریر تھی، ناولٹ میں حیا بخاری کی محنت واضح نظر آئی، لیکن کوفت ہوئی جب اس مرتبہ بھی باقی اگلے ماہ لکھا دیکھا، سلسلے وار ناول تینوں ہی بہترین تھے ''دل گزیدہ'' ام مریم کی تحریر تو دلوں میں اتر گئی ہے، جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کا ناول ''اک جہاں اور ہے'' بھی لازوال ناول ہے، سدرۃ ہمیں آپ کے ہر کردار سے عقیدت ہے وہ نذیر تانگے والے کا ہو یا امرت کا، وہ فنکار ہو یا پھر لاھوت ہر کردار کہانی کا اہم حصہ ان میں اگر ایک کو بھی نکال دیں تو کہانی ادھوری رہ جائے گی، نایاب جیلانی آپ کا ناول بھی پسند آیا ہے اس کے ذریعے ہم نے گھر بیٹھے ہی پاکستان کے بہت سے خوبصورت علاقے آپ کے قلم نظر سے دیکھے شکریہ۔

افسانے سبھی اس مرتبہ بہترین تھے، مستقل سلسلے بھی لاجواب تھے، سمیرا گل سے ملنا بھی اچھا لگا۔

طیبہ رضا کیسی ہو؟ اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عالیہ رضوان:۔ کی ای میل منڈی بہاؤں دین سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

اس مرتبہ حنا بے حد پسند آیا، اسلامیات والا حصہ ہمیشہ کی طرح ایمان افروز رہا، انشاء نامہ میں انشاء جی کی تحریر بہترین تھی، سمیرا گل سے ملاقات کوئی خاص پسند نہیں آئی، اُم مریم کے ناول ''دل گزیدہ'' کی کہانی بڑی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے ہمیشہ کی طرح ان کی تحریر میں ان گنت کردار ہیں جو آگے چل کر ایک ہی صفحہ قرطاس پر جگمگاتے نظر آئیں گے، یقیناً مریم اتنی اچھی تحریر لکھنے پر آپ مبارک باد کی مستحق ہیں،

''پربت کے اس پار کہیں'' میں نایاب جیلانی کا قلم اب اپنی شرارتیں دکھانے لگا اور اس میں حقیقی نایاب نظر آنے لگی ہے، ورنہ پہلے تو ہم یہی سمجھتے رہے کہ کوئی فرضی نایاب، نایاب جیلانی کا نام استعمال کر رہی ہے، سدرۃ المنتہیٰ بھی کہانی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹ رہی ہیں، حیاء بخاری کا ناولٹ ''وفا شرط ہے'' کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ رہی بلاوجہ ہی مصنفہ نے اس کو طویل کیا ہے، مکمل ناول دونوں ہی بہترین تھے، نائلہ طارق کی تحریر ''یار من'' نے دل کو چھولیا، افسانے اس مرتبہ بس ٹھیک ہی تھے، نہ بہت اچھے اور نہ ہی برے، مستقل سلسلے تو ہے ہی حنا کی نمایاں خوبصورتی، ہر سلسلہ اپنی اپنی جگہ بہترین ہے، میری ڈائری اور بیاض کا انتخاب اب کافی متاثر کن ہوتا جا رہا ہے، دستر خوان میں پلیز گرمیوں کی سبزیوں کی تراکیب بھی شامل کریں۔

عالیہ رضوان حنا کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ سے فون پر بھی بات ہوئی تھی ہماری آپ سے، آپ کا باتیں کرنے کا دھیما انداز آپ کی ای میل بھی جھلک دینا، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆